حسب ضابطہ رجسٹری شدہ

## جلد سوم

# تہذیب الاخلاق

یعنی

عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب مرحوم

فنانشل سکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

کے

تمام مضامین از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری مندرجہ تہذیب الاخلاق مع دیباچہ

مرتبہ

منشی فضل الدین تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت کشمیری بازار لاہور

سنہ ۱۸۹۶ء مطابق سنہ ۱۳۱۴ ہجری

مطبع مصطفائی پریس لاہور

قیمت فی جلد ۔

# فہرست مضامین کتاب تہذیب الاخلاق جلد سوم
## یعنی مضامین عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب مرحوم فنانشل سکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

# نایاب کتابیں

## سیرۃ الفاروق

منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر سرمور گزٹ کی تالیف کی ہوئی جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری جس میں انکے بچپن کے زمانے سے لیکر وفات تک کے تمام حالات مع اُن فتوحات کے جو آپ کے زمانہ میں ہوئی ہیں بڑی محنت اور تحقیق سے مرتب کرکے درج کیگئی ہیں۔ کسی مسلمان کو اس بے نظیر اور عدیم المثال اسلامی بزرگ ہیرو کے حالات کو شوق سے پڑھنے کے واسطے ترغیب دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس میں اسلامی سچی شان و شوکت اور جاہ و جلال اور بے نظیر شجاعت اور تہور کی تصویریں ہیں جو اس کتاب میں کھینچی گئی ہیں۔ ضخامت تین سو صفحہ سے زیادہ اعلےٰ قسم کے سفید پیارے کاغذ پر قیمت عہ ر

## حیات سعدی

مصنفہ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی جس میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری اور جملہ حالات متعلقہ سیر و سیاحت درج ہیں اور آپ کی تمام تصنیفات نظم و نثر پر ریویو کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب میں ۲۸ دلچسپ مضامین ہیں .. .. .. عہ ر

## تاریخ اسپین اردو

یہ تاریخ جس میں مسلمانان اسپین (اندلس) کی ترقی اور تنزل کے مفصل حالات درج ہیں انگریزی سے ترجمہ ہو کر اردو میں نہایت خوش اسلوبی سے چھپ گئی ہے اس کتاب کے چودہ باب ہیں پہلے دس بابوں میں مسلمانوں کی ترقیات۔ فتوحات۔ طرز حکومت۔ جاہ و ثروت۔ اندلس کی ترقی۔ رعایائے اہل اسلام کی بہبودی۔ سرسبزی وغیرہ کا سچا اور صحیح صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اور پچھلے چار باب میں عیسائیوں کے بے رحمانہ حملوں سے چمن اسلام کو سرسبز اور بار آور پودوں کی تباہی کا بیان نہایت درد آمیز اور سچے واقعات سے قلمبند کیا گیا ہے۔ اسوقت ہندوستان بھر میں یہی ایک کتاب اردو چھپی ہے جس سے مسلمان اسپین کے شروع سے کل تک حالات ملسکتے ہیں۔ ان تمام حالات کو پڑھتے پڑھتے انکی ساتھ آپ کو بہت سی اسلامی یادگاریں (عمارتیں انکا نقشہ دکھائی دینگی جنکی فوٹو (نقشے) نہایت دقت سے بہم پہنچا کر ساتھ چھاپے گئے ہیں وہ مسلمان جو قومی محبت میں سرشار ہیں اور اپنے اسلاف کے گذشتہ کارناموں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انکا فرض ہے کہ اس بے نظیر تاریخ کو مطالعہ کریں اور وہ ہمدرد جواب تک دہلی مرحوم کی حالت زار پر دو دو آنکھوں سے رو رہے ہیں انکو چاہئے کہ اب ایک آنکھ اسپین کے لئے وقف کریں ہر ایک اسلامی مجلس۔ ہر ایک محمڈن سوسائٹی۔ ہر ایک علمی انجمن۔ ہر ایک لائبریری کا فرض ہے کہ اس کتاب کو خریدے۔ یہ کتاب ۱۴۸ صفحہ پر مع نقشجات کے ہے اور نہایت عمدہ خوشخط چھپی ہے .. .. .. .. .. .. .. عہ ر

## خلق الانسان

یعنی انسان کی پیدائش کے متعلق ایسے بیانات ہیں جو عمدہ مضمون قرآن شریف سے بیکر آج کل کے فلسفہ دانوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ مصنفہ سر سید احمد خان صاحب .. .. ۲۰۰ ر

## ازالۃ الغین عن ذی القرنین

سکندر ذوالقرنین کے حالات کے متعلق ایک نہایت زبردست کتاب متن میں ترجمہ اردو اور حاشیہ پر تفسیر کبیر عربی مصنفہ سر سید احمد خان صاحب .. .. ۵ ر

# دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نوسو برس (سنہ ۹۰۰) پیشتر ترکستان کے شہر رے میں جو ایک حکیم فاضل اور استاد کامل **ابو علی مسکویہ** خازن رازی گزرا ہے یہ اُسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حُسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبدالرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف

# شیخ ابن بطوطہ کا اُردو سفرنامہ

جو

## اپنی طرز کی سب سے پہلی کتاب دنیا کے کُتب خانہ کو بہم پُہنچی تھی

اپنے زمانہ کی چشم دید تاریخ۔ مُسلمانوں کی شاہنشاہی۔ فتح و نصرت۔ بزرگی اور حکومت ترقی و تہذیب علمیّت و فضیلت۔ ایجاد و اختراع۔ جاہ و جلال۔ شان و شوکت اُولوالعزمی اور ہمت۔ ہمدردی و اُخوّت۔ رحم و انصاف۔ بخشش و سخاوت فیاضی و کُشادہ دلی۔ اتفاق و یکجہتی۔ دینداری۔ اتقا و پرہیزگاری

کا

## تصویر خانہ

یعنی

آٹھویں صدی ہجری کے مُسلمان مُسافر

## شیخ ابن بطوطہ کا اُردو سفرنامہ

درخواست خریداری

بنام منشی فضل الدین تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت کشمیری بازار لاہور کے ہو

حل مشکلات میں مصروف ہوگیا۔ اور جو کچھ ہوسکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا۔ دل اور دماغ سے قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مِل سکتی تھی وہ ساری اُسپر صرف کردی۔ اور آخر کو ایک سوسائٹی قائم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کراکر شائع کیئے۔ مگر جب تھوڑے سے عرصہ کے تجربہ سے اُسکو معلوم ہوگیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔ اُس کے حالات کو نظر عبرت سے دیکھا۔ اسکی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر ان سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اس تمام تر سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدنظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اِس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو ❖**

اب اِس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اِس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کیئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر اِدْبار چھا گیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُسکی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جھنجھوڑ سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام۔ بلند آواز۔ آنتھک طبیعت کو اُسپر متعین کیا۔ اسکی سریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی جس گھر میں ہونچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا مستوں کو ہوشیار کردیا۔ مُردہ تنوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ **مقدس تہذیب الاخلاق** جسکی اشاعت کا انتظام درپیش ہے ❖

آہا!! یہ وُہی تہذیب الاخلاق ہے۔

جس نے مسلمانوں کی حسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا ❖

جس نے اسلامیوں کے اصلاح تمدن کا بار گراں اپنے ذمہ لیا ❖

کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ٭

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی حکّام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصوّر کرتے تھے۔ اَور تو اَور۔ صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اِس حکیم کے ہمعصروں میں دو ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزّت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدّن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی۔ اِسواسطے حکیم مذکور نے اِس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدّن اور معاشرت کا طریق جُدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلّفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں چاقو۔ قینچی۔ بلکہ سُوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرّہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا اِن حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکیٔ جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے ٭

خُدا کا شُکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اَور ابو علی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے موانعات اور اُسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ مُلک کو ہونا چاہیئے۔ وہ کون؟ آنریبل ڈاکٹر

**سر سیّد احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل۔ ڈی۔**

اس مرد خدا نے جب سے دنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہونچی ہوئی تھی یا اَب وُہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کُفر سے۔ یا نور کو ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو اِن حالات سے اُس کا جی بھر آیا۔ اور ہمہ تن اُسکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# احسان عام

## فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك

۱۔ اپنے ہمجنسوں سے شفقت اور نرمی برتنی تمامی بنی نوع سے خیر اندیشی کرنی اُن کا بھلا چاہنا بلکہ اپنی منفعت پر غیر کی منفعت کو مقدم رکھنا۔ اپنے دشمنوں۔ مخالفوں اور بدخواہوں سے احسان و مروت اور عموماً دوستی کرنا بلکہ اپنے مخالفوں کی خطاؤں سے درگذر کرنا۔ اپنے دشمنوں کی بدخواہیوں کو معاف کرنا اُن کی عداوت اور رنجدہی پر صبر کرنا اور بُرائی کے عوض ہمیشہ بھلائی کرنا۔ یہ عُمدہ اور افضل محاسن اخلاق ہیں جو ہمارے اسلام اور قرآن نے ہمکو سکھلائے ہیں۔ ہر چند کہ حکمائے سابقین کئی زمانوں کے تجربہ اور عرصہ دراز کی فکر و غور سے ایسے محاسن اخلاق کے قریب قریب پُہنچے تھے اور نہ کوئی ایک ہی حکیم تھا جس نے یہ سب عُمدہ مکارم اخلاق کی باتیں سکھلائی ہوں بلکہ مختلف اور متعدد حکیموں اور فیلسوفوں نے بہت کچھ سرد و گرم زمانہ دیکھکر اُن میں سے بعض بعض باتیں محاسن اخلاق کی بیان کیں۔ الّا چونکہ انسانی خیالات تھے جن کا ٹھیک ہر ملک و مزاج کی مختلف طبیعتوں کے اندازہ کے موافق ہونا اُن حکیموں کی عقل کی دُور اندیشی سے

جس نے پاک مذہب سے رسم ورواج کے اوہام باطلہ کو دور کردیا ؛

جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی ودنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے ؛

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کردیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے ؛

جس نے عام وخاص پر ظاہر کردیا کہ مصلحان بنی آدم میں سے جبکی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ نبی عرب **محمد** صلعم کی ذات بابرکات ہے ؛

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور اب بیس برس کی مدت نے اُسکو اور نایاب کردیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جاتے تو پھر عام کو اُسکی خریداری اور نفیس طبائع کو اُسکی گرانباری متعذر۔ غریب آدمی ہ۱۵ صہ کہاں سے لائے اور امیر آدمی اُسکی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو پس سہولت اِسکی مقتضی ہوئی ہے۔ کہ کل **اولڈ اڈیشن** (عہد عتیق) چار حصوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصہ کی قیمت دو۲ روپے قرار پائے ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے :۔

**پہلے حصہ** میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدیعلیخاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ کے مضامین قیمت دو۲ روپیہ (عہ) ؛

**دوسرے حصہ** میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی ایس۔ آئی کے کل مضامین قیمت تین روپیہ (سعہ) ؛

**تیسرے حصہ** میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علیخاں صاحب بہادر مرحوم کے مضامین قیمت (۸؍ عہ) ؛

**چوتھے حصہ** میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین قیمت (۸؍ عہ) ؛

خادم قوم

خاکسار **فضل الدین** تاجر کتب **قومی** و مالک اخبار **اشاعت**

لاہور۔ بازار کشمیری

ولا تستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي احسن فاذا الذي بينك و بينه عداوة كانه ولي حميم وما يلقها الا الذين صبروا وما يلقها الا ذو حظ عظيم۔ (حم سجدہ)

برابر نہیں نیکی اور نہ بدی جواب میں تو کہہ اس سے بہتر پھر تو دیکھے کہ جسمیں تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست دار ناتے والا اور یہ بات ملتی ہے انھیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اسکو جسکی بڑی قسمت ہے +

(۴) پھر قرآن ہمکو یہی سکھلاتا ہے کہ بدلا لینا گو معروف یا مقتضائے عدالت ہو اور ایسا کرنا سہل بھی ہے مگر اس کے کریمانہ اخلاق کا یہی حکم ہے کہ مخالفوں کی خطاؤں اور برائیوں کو معاف کرو اور عموماً درگذر کرو +

وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفى واصلح فاجره على الله۔ (شوریٰ - ۳۸)

برائی کا بدلا برائی ویسی ہے پھر جو کوئی معاف کرے اور سنوارے تو اُس کا ثواب ہے اللہ کے ذمہ +

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير الصابرين۔ (نحل)

اگر بدلا لو تو بدلا دو اُسی قدر جتنی تمکو تکلیف پہونچے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لیئے +

ولمن صبر و غفر ان ذلك من عزم الامور۔ (شوریٰ)

اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا بیشک یہ ہمت کے کام ہیں +

فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره۔ (بقر)

سو معاف کرو اور درگذر کرو جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم +

فاعف عنهم واصفح ان الله يحب المحسنين۔ (مائدہ)

سو معاف کر اور درگذر کر اُن سے اللہ بیشک دوست رکھتا ہے نیکی والوں کو +

فاعف عنهم وقل سلام۔ (زخرف)

سو تو درگذر کر اُن کی طرف سے اور کہہ سلام +

ان آیات محکمات میں قرآن نے کئی طرح پر ہمکو نصیحت کی کہ برائی کرنے والوں کو معاف کرو بدلا نہ لو بلکہ صبر کرو بخشدو درگذر کرو اور مخالفوں سے نیکی کرو اُن پر احسان رکھو +

باہر تھا اور خیالات انسانی افراط و تفریط سے بھی خالی نہ تھے۔ لہذا اُن پر وثوق کلی اور اعتماد قطعی بغیر وحی کے انکشاف کے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وہ وحی الٰہی جس کا انکشاف تمام عالم پر قرآن کے ذریعے سے ہوا اس وحی کامل نے ان سب اخلاق حسنہ کو تمام و کمال ہر ایک زمانہ اور ملک کے مناسب حال اور اندازہ کے موافق ہملوگوں پر ظاہر و منکشف کیا +

۲۔ اِس بارہ میں جو احکام ہمکو قرآن شریف کے ذریعہ سے ملے ہیں وہ ایسی وضع اور صورت میں نہیں ہیں کہ کسی خاص سورت یا رکوع میں بہ حیثیت مجموعی جمع کر کے رکھا ہو جو کہ تصنع اور تکلف سے خالی نہ ہوتا اور جس سے کہ ایک طرح کے دکھلاوے کی ترکیب اور ظاہری بندش پائی جاتی بلکہ تمام صحف میں اِن پاک احکام اور عمدہ اخلاق کو ہر ایک قسم کے ذکر میں ایسی سچی مصلحت سے متفرق بیان کیا ہے کہ پڑھنے اور سننے والوں کو ہر وقت اور ہر مضمون کے ساتھ اُن نیکیوں اور اخلاق کی تنبیہہ اور یاد دہانی ہوتی رہی اور اس وحی کے جس مقام کو بلا قصد اور بلا تعین پڑھا جاوے وہیں پر اُن میں سے کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور پائی جاوے +

۳۔ ہمکو قرآن مجید یہ بات سکھلاتا ہے کہ ہمکو لازم ہے کہ بدی کے عوض میں نیکی کریں اور خدا کا یہ حکم محکم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں سے بُرائی کے عوض میں بھلائی کریں +

(۱) ویدرؤن بالحسنة السیئة اولئك لهم عقبى الدار - (رعد - ۲۰)

جو لوگ بُرائی کے عوض میں بھلائی کرتے ہیں انھی لوگوں کے لیئے دار آخرت ہے +

(۲) اولئك یؤتون اجرهم مرتین بما صبروا - ویدرؤن بالحسنة السیئة (قصص - ۵۴)

اُن لوگوں کو دوھرا اجر ملیگا اس لیئے کہ اُنھوں نے صبر کیا اور بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے بدلے +

(۳) ادفع بالتي هي احسن - (مومنون - ۹۸)

بُری بات کا جواب وہ کہہ جو کہ بہت بہتر ہو +

یہ صاف سی بات ہے کہ قرآن مجید نے ہمکو محض حکماً یہ بات سکھلا دی یا ہم اُس کو بلا تصدیق محض ایمان کی راہ سے تسلیم کرلیں۔ نہیں بلکہ ایسی نیکی کرنے کی بدیہی دلیل اور صریح نتیجہ بھی بتلا دیا +

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتي هي احسن فاذا الذی بینك

خدا ہماری خطاؤں کو معاف کرے تو لازم ہے کہ ہم بھی اپنے خطاکاروں کی تقصیریں معاف کریں اگر ہم توقع رکھتے ہیں کہ خدا ہمکو بخش دے تو ضرور ہے کہ ہم بھی اوروں کی خطائیں بخشدیں یہ آیت ہمکو صاف یہ سکھلاتی ہے کہ ہم ہمیشہ خدا سے یہ دُعا کریں کہ جیسے ہم اپنے تقصیرداروں کو معاف کرتے ہیں ویسے ہی خدا بھی ہماری تقصیریں معاف کرے +

(۷) باہم کی معاشرت میں (خواہ ہمارے اہل معاشرت مسلمان ہوں یا غیر مسلمان۔ دوست ہوں یا مخالف) عدل اور احسان برتنا اور انصاف مدنظر رکھنا ایک حکم محکم اور امر لازم ہے +

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ۔ (نحل)

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کو اور بھلائی کرنے کو +

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۔ (مائدہ)

آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو گناہ پر اور زیادتی پر +

پھر اس سے بھی واضح کرکے صاف سمجھا دیا کہ کسی قوم کی عداوت تمکو عدل کرنے سے نہ باز رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تمکو انصاف کرنے سے نہ روکے ۔ تم سب سے اپنے دوستوں سے اور دشمنوں سے عدل اور احسان اور انصاف برابر قایم رکھو +

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی ۔ (مائدہ)

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے لئے گواہی دینے کو انصاف کی اور ایک قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات لگتی ہے تقوی سے +

(۸) بعضے نکتہ چین ظاہربین مخالفان اسلام نے ان ظاہر اور روشن احکام سے تغافل کرکے ایسا گمان کرلیا کہ گویا قرآن ایسے احکام عفو عام بخشش تام اور محاسن اخلاق سے خالی ہے اور نہ اسیقدر پر اُنھوں نے اکتفا بلکہ اور بھی ترقی کرکے یہ سمجھے کہ قرآن میں بعض احکام ان نیکیوں کے برخلاف ہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا +

تمام محاسن اخلاق کے پیشوا اور سب نیکیوں کے نمونے ہمارے پیغمبر خدا ہیں۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ اور ہمکو اُن کے افعال کا کیا اچھا نمونہ ملا ہے کہ

(۵) اور اس سے زیادہ اور بھی صاف صاف کہدیا ہے +

یا ایہا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدو لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور الرحیم۔ (تغابن)

اے ایمان والو بعضی تمہاری جورویں اور اولاد دشمن ہیں تمہاری سو اُن سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگذر کرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان +

دیکھیئے ہمیں دشمنوں کے حق میں بھلائی اور احسان کیواسطے کیسی تاکید سے الفاظ فرمائے ہیں۔ معاف کرنا۔ درگذر کرنا۔ بخش دینا۔ اور اُسپر بھی اخیر میں اشارہ کیا ہے کہ خدا غفور و رحیم ہے پس تم بھی اپنے دشمنوں سے ایسی خصلت بخشش اور رحم کی اختیار کرو +

(۶) قرآن نے ہمکو یہ بات بھی اچھی طرح سے واضح کردی کہ ہماری یہ خصلت کہ ہم اپنے دشمنوں سے مہربانی کریں اُنکی بُرائیوں سے درگذر کریں کیوں پسندیدہ ہے اور ہم کیوں ایسی رعایتیں اور عنایتیں اپنے مخالفوں سے کریں۔ چنانچہ لکھا ہے +

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم[۱] (نور۔ ۲۳)

اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ معاف کرے تمکو +

اس میں صاف سمجھا دیا کہ چونکہ تم اپنے گنہگاروں خطاکاروں۔ دشمنوں اور مخالفوں سے ایسا شیوہ عفو و غفران کا اختیار کروگے تو خدا بھی تمہاری خطاؤں سے درگذر کریگا +

اس فقرہ میں "الا تحبون ان یغفر اللہ لکم" بڑی حکمت بھری ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ

---

[۱] العفو والصفح من المسیئ حسن مندوب فربما وجب ذالک۔ ولو لم یجب علیہ الا ھذہ الآیۃ لکفی۔ الا تری الی قولہ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم فعلق الغفران بالعفو والصفح۔ وعنہ علیہ السلام من لم یقبل عذر المتفصل کاذبا کان او صادقا لم یرد علی حوضی یوم القیمۃ۔ وعنہ علیہ السلام افضل اخلاق المسلمین العفو والصفح وعنہ ایضا ینادی مناد یوم القیامۃ الا من کان لہ علی اللہ اجر فلیقم الا اھل العفو ثم تلا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ۔ وعنہ علیہ السلام ایضا لا یکون العبد ذا فضل حتی یصل من قطعہ ویعفو من ظلمہ ویعطی من حرمہ۔ تفسیر کبیر

ہوا ہے اور اسی فرق اور امتیاز کے اعتبار پر قواعد جنگ و قتال کے متعلق مقاتلین
مخالفین کی نسبت یہ حکم ہوا کہ جو لوگ مسلمانوں سے دین کی بابت لڑتے ہیں اور مسلمانوں
کو اذیتیں اور تکلیفیں پہونچاتے ہیں اُن سے ایسی حالت میں دوستی نہ کیجاوے کیونکہ حالت
جنگ اور قتال میں نامناسب ہے کہ مسلمانوں کے گروہ کے آدمی مخالفین اور مقاتلین سے
محبت کرکے اپنے ضعف اور شکست کا باعث ہوں مگر صاف صاف کہدیا کہ جو دشمن اور
مخالف تم سے دین کی بابت قتال نہیں کرتے اُن سے نیکی اور انصاف کرنے کو خدا منع
نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے مخالفوں سے نیکی اور انصاف کرو کیونکہ خدا نیکی کرنے والوں اور
انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے - صرف اُنھیں لوگوں سے ایسی حالت میں
دوستی منع کی گئی ہے جو کہ دین کی بابت مسلمانوں سے لڑتے تھے اور جنھوں نے مسلمانوں
کو گھر سے نکالا اور اسپر ایک دوسرے کی مدد کی *

لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان
تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین - انما ینہاکم اللہ عن الذین
قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم
ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون - (ممتحنہ)

اللہ تمکو منع نہیں کرتا اُن سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تمکو تمہارے
گھروں سے کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو
اللہ صرف منع کرتا ہے تمکو اُن سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تمکو تمھارے گھروں سے
اور مدد کی تمھارے نکالنے پر کہ اُن سے کرو دوستی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے تو وہ
لوگ ہیں گنہگار *

پس جنگ و قتال کی حالت کا ایک خاص قاعدہ ہماری معاشرت کا دستورالعمل
نہیں ہے بلکہ ہماری حسن معاشرت کا حکم عام یہی ہے *

"لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان
تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین" *

(۱۰) یہ بات کہ منافقوں اور کافروں سے اُن کی شرارت اور فساد کی وجہ سے اُن کی
سرزنش اور تنبیہ اور غلظت فی القول کرنے میں وہ رعایت عام دوستی اور صلح و آشتی کی

وہ اپنے سب دوستوں اور دشمنوں سے کمال نرمی شفقت اور رحمت سے پیش آتے ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ اُسکی دلیل بھی بدیہی موجود ہے کہ اگر پیغمبر خدا کے اخلاق ایسے نہ ہوتے تو یہ جتنے لوگ اُن کے ساتھ جمع ہوئے تھے اور مخالفین تھے اُن سے ٹوٹ کر آملے تھے اُن میں سے ایک بھی نہ آتا کسی بد مزاج خشونت کرنیوالے کے پاس کوئی نہیں آتا بلکہ یہ شفقت اور اخلاق نرم دلی اور لینت ہے جو سب کو اپنا ہو یا بیگانہ کھینچ لاتی ہے۔ دیکھو وہ آیت قرآن جو ہمارے مضمون کی زیبندہ عنوان ہے اُسپر پھر نظر کرو اور پڑھو کہ خدا پیغمبر سے فرماتا ہے ÷

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم ÷

یہ کچھ خدا ہی کی مہر ہے کہ تو اُن کو نرم دل ملا اور اگر تو سخت اور سنگدل ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے سو تو اُن کو معاف کر اور اُن کے لیئے دعا مغفرت کر ÷

پس ہمکو قرآن کے احکام اور پیغمبر کے نمونہ سے بھی واجب و لازم ہے کہ ہم اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے بھی بہ نرمی و محبت پیش آویں ان سے بھی نیکی اور بھلائی کریں اور باہم برادرانہ برتاؤ کریں تاکہ بدگمانوں کی غلط فہمی ہمارے قول اور فعل سے دور ہو جاوے ÷

(۹) مگر اس میں شک نہیں کہ فرق مراتب ضرور ہے گو ہمکو عام محبت کا حکم ملا ہے مگر یہ مراد نہیں کہ جو اخلاص اور محبت خاص اہل ایمان سے کی جاتی ہے اور جس کا مرتبہ عام محبت سے زیادہ ہے ویسی ہی محبت اور اخلاق غیر ایمان والوں سے بھی برتتے جاویں چنانچہ جو شدت کفار کی سرزنش اور تنبیہ میں اُن کے عصیان نافرمانی فساد اور ناخداترسی کی وجہ سے (مگر وہ بھی نرمی اور سلامتی کے ساتھ) اُن سے برتی جاتی ہے اور جو محبت ایمانی اور خاص دوستی جس کے ایمان کی حیثیت سے مومنین مستحق ہیں (علاوہ اُس عام دوستی کے جو مقتضائے فطرت الٰہی ہر ایک انسان کو کرنی چاہیئے) ان دونوں باتوں کی تفاوت پر اِس آیت میں اشارہ ہوا ہے ÷

محمد الرسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ÷

محمدؐ رسول اللہ کا اور جو اُسکے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر اور نرم دل ہیں آپسمیں ÷

پس یہی فرق اور امتیاز ہے جواب مندرجہ بالا اور اُسکے ہم مضمون آیتوں میں بیان

ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین - (نور)
تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم مونھہ پھیروگے تو اُس کا ذمہ ہے جو اُسپر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو تمپر رکھا اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر پہونچا دینا ◆

۳ - فان تولوا فانما علیک البلاغ ◆
پھر اگر وہ پھر جاویں تو تیرا ذمہ صرف پہونچا دینا ہے ◆

۴ - من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلنک علیھم حفیظاً - (نساء)
جس نے حکم مانا رسول کا اُس نے حکم مانا اللہ کا اور جو اُلٹا پھرا تو ہمنے تجھکو نہیں بھیجا اُن پر نگہبان ◆

۵ - اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الہ الا ھو واعرض عن المشرکین - (انعام)
تابعداری کر تو خدا کے بھیجے ہوئے حکم کی جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مت التفات کر مشرکوں کی طرف ◆

۶ - افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین - (یونس)
اب کیا زور کریگا تو لوگوں پر کہ ہو جاویں با ایمان ◆

۷ - وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید - (ق)
اور تو نہیں اُن پر زور کرنے والا سو تو ڈرا قرآن سے اُسکو جو ڈرا میرے وعید سے ◆

۸ - اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین - (تغابن)
کہا مانو اللہ کا اور رسول کا پس اگر وہ پھر جاویں تو ہمارے رسول کا ذمہ صرف پیغام پہونچا دینا ہے ◆

۹ - ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا - (دھر)
یہ ایک نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے ◆

۱۰ - لکم دینکم ولی دین - (کافرون)
تمھیں تمھارا دین اور مجھے میرا دین ◆

ہونی چاہیئے اور یہ سرزنش نرمی و سلامتی کے ساتھ کرنی چاہیئے - اس کے ثبوت میں قرآن کے یہ احکام ہیں ٭

ا - فاصفح عنہم وقل سلام ٭

سو درگذر اُن سے اور کہہ سلام ہے ٭

۲ - اذا خاطبہم الجاهلون قالوا سلاما - (فرقان)

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت ٭

۳ - ادع الیٰ سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن - (نحل)

بُلا اپنے رب کی راہ پر پکی بات سمجھا کر اور نصیحت کر کر بھلی طرح اور بحث کر اس طرح جو احسن ہو ٭

۴ - ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن ٭

نہ جھگڑو تم اہل کتاب سے مگر اس طرح سے جو سب سے بہتر ہو ٭

۵ - واعرض عنہم وعظہم وقل لهم في انفسهم قولا بليغا - (نساء)

اور اُن سے درگذر اور اُن کو نصیحت کر اور اُن کے حق میں پکی بات کہہ ٭

اِن آیتوں کے حکم سے ہمکو لازم ہے کہ جب ہم اہل معاصی اور کفار سے سرزنش کریں اور اُن کے فساد اور ناخدا ترسی پر ملامت کریں تو اُس کو نیک طریقہ سے نرمی کے ساتھ بکمال اخلاق سمجھادیں ٭

(۱۱) اس مقام پر ہمکو مسئلہ اکراہ کا بیان بھی ضرور ہے کہ آیات قرآن مجید میں تو مخالفوں سے ایسی نیکیاں اور نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اور فہمایش اور سرزنش میں بھی اخلاق کی رعایت پُر ضرور ہے تو ایسی صورت میں مُسلمان ہونے پر مجبور کرنا کیونکر جایز ہو سکتا ہے - مگر ہمارے پاس ایک ذخیرہ عدم اکراہ کے احکام کا موجود ہے جس سے یہ شبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مذہب کے باب میں زبردستی کا حکم ہوا ہو یا کبھی جبر کیا گیا ہو ٭

ا - فذكر انما انت مذكر لست عليهم بمصيطر - (غاشیہ)

پس تو سمجھا تیرا کام سمجھانا ہے تو اُن پر کروڑا نہیں ٭

۲ - قل اطيعوا الله واطيعوا الرسول فان تولوا فانما عليه ما حمل وعليكم

اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے سب تکئے اور مدرسے اور عبادتخانے اور مسجدیں +

مالکم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها (نساء)

کیا وجہ کہ تم خدا کی راہ میں نہ لڑو حالانکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے کہتے ہیں کہ یارب ہمکو اس شہر سے جسکے لوگ ظالم ہیں نکال لے +

عسی ان یکف باس الذین کفروا - (نساء)

قریب ہے کہ اللہ بند کرے لڑائی کافروں کی +

اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مدافعت کی لڑائی میں ابتدا مخالفوں کی طرف سے ہونی چاہیئے کیونکہ انھیں کے ظلم و عدوان پر بناچاری مدافعت کی ضرورت پڑی اور یہی بات قرآن میں بھی منصوص ہے +

هم بدؤكم اوّل مرة - اور مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ تم ہرگز ابتدا نہ کرو ولا تعتدوا (بقر)

۱۴- مخالفوں سے تو علے العموم قرآن میں ایسی نیکیاں اور احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور عین حالت جنگ و جدال کی وہ شفقتانہ اور کریمانہ برتاؤ ہے جو سورہ براءۃ کی پانچویں آیت سے نقل کیا گیا کہ جو مشرک مسلمانوں کی پناہ میں آوے تم اسکو قرآن کے احکام و نصایح سُناکر یہاں تک اُس سے رعایت کیجاوے کہ جہاں اُسکی امن کا مقام ہو وہاں اُسے بخیر و عافیت پہونچا دیا جاوے اب لڑائی کے بعد مغلوب اور مقید و مخالفوں کیواسطے عام حکم دیدیا کہ یا انہیں احسان رکھکر مفت چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو +

حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها ذلك ولو يشاء الله لانتصر منهم ولكن ليبلو بعضكم ببعض (محمد)

پھر جب خوب قتال کر چکو تو قید کر لو اور بعد اسکے یا احسان رکھکر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو جب تک کہ لڑائی بند ہو جاوے پھر خدا چاہے تو بدلا لے اُن سے مگر وہ تمکو جانچتا ہے +

غرض کہ مقید کر لینے کے بعد کا معاملہ منحصر ہے احسان رکھکر چھوڑ دینے میں یا فدیہ لیکر چھوڑ دینے میں - اس کے سوا اَور کوئی صورت نہیں نہ اُن کو غلام بنا کر رکھنا نہ اُن کا قتل کرنا - چنانچہ ضمیر آیت اسی نکتہ پر اشارہ کرتا ہے کہ اگر خدا چاہے تو اُن قیدیوں سے بدلا لیوے یعنی

۱۱- لا اکراہ فی الدین ٭

دین میں کچھ زبردستی نہیں ٭ (بقر)

۱۲- یہ سب آیات محکمات ہیں جو مکہ اور مدینہ میں ظاہر ہوئیں یعنی اُس زمانہ کے لیئے ہیں جب اسلام میں ضعف تھا اور اُس وقت کی بھی ہیں جب اسلام کو تمکنت اور شوکت حاصل ہوئی - مگر چونکہ کسی حالت میں جبر و اکراہ جائز نہیں رکھا گیا اس لیئے وُہی ایک بات ہر جگہ صاف صاف بیان کی گئی - اور ایسا ہی برتا بھی گیا چنانچہ عین جدال و قتال کی حالت میں بھی باوجود طرفین کی مخالفت کے جو مشرک طلبگار امن ہوکر جماعت اسلام کی طرف چلا آتا تو اُسکو صرف قرآن کے پاک احکام اور نصایح سُنادینے کا حکم تھا اور جب وہ سُن چکے تو اُسکو وہیں پہونچا دیں جہاں اُس کے امن کی جگہ ہے - حالانکہ یہ موقع اکراہ و جبر کا تھا مگر ایسی بات تو کبھی قرآن میں روا نہیں رکھی گئی ٭

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذلک بانہم قوم لا یعلمون (براۃ - ۵)

اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے جب تک وہ سُن لے کلام اللہ کا پھر پُہنچا دے اُسکو جہاں وہ نڈر ہو یہ اسواسطے کہ وہ لوگ جانتے نہیں ٭

یہ آخری فقرہ صاف دلالت کرتا ہے کہ اُن لوگوں کو اسلام کے محاسن اور قرآن کے مکارم اخلاق کی خبر نہیں اس لیئے وہ جانتے نہیں ہیں کہ اسلام کیا چیز ہے پس اُن کو مسلمان کرنے کا یہی ذریعہ ہے کہ اُن کو قرآن سنایا جاوے اور اُسکی افضل تعلیم اور عُمدہ نصایح سُننے والے کے دل میں اثر کریں ٭

۱۳- یہاں ذکر مقاتلات اسلامی کا آگیا اور ہمکو اُسکے ضمن میں یہ لکھنا مناسب معلوم ہوگا مقاتلات اسلامی کی منشا صرف مدافعت تھی اور یہی غرض تھی کہ مشرکین کے ظلم و عدوان سے ضعفا مسلمین کو نجات ملے اور اُن کو بے روک ٹوک خدا کی عبادت کا موقع ملے اور مخالفوں کی زیادتی اور موذی کفار کا ظلم و ستم دور کیا جاوے اور اُن کی لڑائی بند ہوجاوے - یہ غرض نہیں ہے کہ وہ جبراً مسلمان ہوجاویں ٭

لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد (حج)

بنی آدم کے امن و امان سے رہنے اور خدا کی برکتوں سے فایدہ مند ہونے کی کیا کیا سبیل ہوئی - اس مضمون کو ہم پہلے حفاظت اطفال سے شروع کرتے ہیں +

۲ - دختر کشی کی بد رسم تو قدیم زمانہ سے تقریباً تمام جہان میں پھیلی ہوئی تھی یونان اور روم کبیر میں جہاں بڑے بڑے حکیم اور اہل ناموس گذرے ہیں یہ رسم پسندیدہ اور معروف تھی - مگر ملک عرب میں خصوصاً اور اَور ملکوں میں عموماً قرآن نے ہی لڑکیوں کی جان بچائی اور تمام جہان میں جہاں تک اسلام کی دسترس ہوئی اُسی نے اُن بے رحم والدین کو جو لڑکی کو مار ڈالتے تھے خدا کے غضب اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا - اسلام ہی کی تعلیم کے اثر سے دختر کُشی کی رسم اسلامی مُلکوں سے مٹ گئی اسی کی پُر تاثیر اور خوف خدا دلانے والی تقریر سے قتل موؤدہ کی بیخ کنی ہوئی - اور جہاں اب اسلام پھیلتا جاتا ہے وہاں یہ رسم نسیاً منسیاً ہوتی جاتی ہے - شروع ہی سے قرآن نے اس مہلک رسم کے دفعیہ کا وعظ کہا +

Abolished Infanticide.

" اذا الموؤدة سئلت بایّ ذنب قتلت " [1] - (تکویر) +

۳ - عرب میں جہالت اور حمیت کے غلبہ سے لڑکیوں کا رکھنا ایک سخت ذلت اور اہانت تھی وہ کمبخت اُن لڑکیوں کو یا تو ہوتے ہی مار ڈالتے تھے یا پال پرورش کے جیتا گاڑ دیتے تھے +

" اذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب [2] (نحل)

علامہ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں واعلم انھم کانوا مختلفین فی قتل البنات فمنھم من یحفر حفرۃ ویدفنھا فیھا الی ان یموت - ومنھم من ترمیھا من شاھق جبل - ومنھم من تغرقھا - ومنھم من یذبحھا -

---

[1] اور جب بیٹی جیتی گاڑ دی کو پوچھے کس گناہ پر ماری گئی +

[2] اور جب خوشخبری ملے ایسی کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے مونھ اُس کا سیاہ اور جی میں گھٹ رہا چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی اور اُسکو رہنے دے ذلت قبول کر کر یا اُسکو داب دے مٹی میں +

انھیں قتل کر دیئے جانے کا حکم دیوے مگر ترک مکافات پر ہر جگہ ترغیب دی گئی ہے اس لیئے وہ تمکو اسی معاملہ میں آزماتا ہے کہ کون احسان رکھکر چھوڑتا ہے اور کون فدیہ لیکر چھوڑتا ہے +
(بعض علما نے اس آیت میں یہ دوراندیشی کی ہے کہ قیدیوں کو اگر چھوڑ دیں تو وہ پھر جا کر وہی مفسدہ پردازی اور مسلمانوں کی اذیت شروع کرینگے اس لیئے انھیں قتل ہی کیا جاوے مگر یہ رائے تو صاف اِس حکم کے خلاف ہے اور اس اندیشہ سے یہ تدبیر بھی مناسب نہیں ہے بلکہ اس کا علاج تو پہلے ہی قرآن میں فرمادیا ہے وان تعودوا نعد (انفال) یعنی اگر تم پھر وہی ظلم و زیادتی شروع کرو گے تو ہم پھر اپنا بچاؤ کرنے کو تمہاری زیادتی دفع کریں گے اور تمہیں روکیں گے) +

غرض کہ قرآن کا اخلاق تام اور احسان عمیم ہر ایک شخص سے عفو اور بخشش اور درگذر کرنیکا ہے اور خصوصاً مخالفوں کو معاف کرنا علے الخصوص حالت جنگ میں بھی رعایت اور بعد جنگ بھی کمال عنایت اسلام کا طریقہ پسندیدہ ہے - اور ایسی الہامیہ تعلیم اور انسان کی ہر حالت اور حاجت کی مقدار اور اندازہ کے موافق اس تفصیل سے اسی شریعت کاملہ میں ہیں اور بس +

## اسلام کی دنیوی برکتیں

## FOR OBVIOUS EFFECTS WHICH ISLAM HAS PRODUCED UPON THE WELFARE OF MANKIND.

ہم اس مقام پر اسلام کی دنیوی برکتیں بیان کرتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ قرآن نے انسان کی اصلاح معاش کی باتیں کیونکر سکھلائیں اور یہ کہ ہمکو اپنے ہمجنسوں سے کس طرح سلوک کرنا چاہیئے اور باہم کے معاملات میں کس طرح پر برتاؤ عمل میں لانا چاہیئے اور حسن معاشرت کی ترقی کیونکر اسلام کی وجہ سے ظہور میں آئی اور بنی نوع کی بہبودی اور سلامتی اور کافہ انام کی جان و مال کی حفاظت کی کیا وصیتیں فرمائیں اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک کیسے سب کو آزاد قرار دیا اور جملہ

یوم نحس کو آدمیوں کی قربانی کیا کرتا تھا اسی مورخ اور نیز ایواگریوس (۵۹۳ء) نے ایک نعمان کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے آدمیوں کو بتوں کی قربانی کیا کرتا تھا اور پورفری نے (۳۰۰ء) مقام دمیتہ میں جسے دومتہ الجندل قیاس کیا جاتا ہے ایسی ہی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ اور دور کیوں جاؤ۔ عبدالمطلب کا حضرت عبداللہ کو قربانی چڑھائے جانے کی نذر کرنا اسلامی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور غالباً بالکل بے اصل نہیں ہے اس قسم کی نذر یہود سے عرب میں آئی ہوگی اُن میں یہ دستور تھا کہ بعض اولاد کو صرف دینی کام کے لیئے مخصوص کر دیتے تھے حضرت مریمؑ بھی اسی قسم سے تھیں " قالت امراۃ عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا " (ع ۳) مگر عرب تو اس نذر میں کام ہی تمام کر دیتے تھے[1]۔ اور غالباً اس آیت میں اسی رسم بد پر اشارہ ہے " کذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاءھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم "[2] (انعام - ۱۳۸)

۶ - جب اس طرح لڑکوں کی جان بچانے کا سامان کر دیا تو اب اسلام نے اُن کے مال کی حفاظت اور یتیموں کی جائداد اُن کے متولیوں کی خورد برد سے محفوظ رکھنے کے لیئے یہ احکام صادر کیئے اور عموماً اُن سے شفقت اور اکرام کرنے کا حکم دیا ۔

Orphans protected against injustice.

ا - " کلا بل لا تکرمون الیتیم "[3] (فجر)

ب - " فاما الیتیم فلا تقھر " (ضحی)

---

[1] اور امر دگبن مورخ نے پچاسویں باب میں لکھا ہے (ص ۲۱۳ سنہ ۱۸۶۲ء) کہ انسان کی جان کسی عام آفت کے دفعیہ کے لیئے سب سے عمدہ قربانی ہے۔ فنیقا اور مصر اور روما اور قرطاجنہ کے مذبح انسانی خون سے آلودہ رہتے تھے اور عربوں میں بھی یہی بے رحم رسم مدت سے جاری تھی اور تیسری صدی میں ہر سال ایک لڑکا قبیلہ دمیاتیہ کا قربان ہوا کرتا تھا۔ الخ

[2] اور اسی طرح بھلی دکھلائی تھی مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے شریکوں نے کہ اُن کو ہلاک کریں اور اُن کا دین غلط کریں ۔

[3] ا - پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کی ۔

ب - سو جو یتیم ہو اُسپر قہر نہ کر ۔

وھم کانوا یفعلون ذالک تارۃ للغیرۃ والحمیۃ وتارۃ خوفا من الفقر والفاقۃ ولزوم النفقۃ ٭

۴- یہ تو ایک خاص صورت لڑکیوں کے قتل کی تھی الا عموماً قتل اولاد بھی قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا - افلاطون اور ارسطو یہ دونوں نامی حکیم قتل اولاد کے حامی تھے! - ارسطو کا قول ہے کہ لنگڑے لڑکوں کا پرورش پاجانا قانوناً روکنا چاہیئے اور جب کثرت بنی آدم کو کم کرنا منظور ہو تو جنین میں جان پڑنے سے پیشتر اسقاط حمل کرانا چاہیئے - ملک اسپارٹا (یونان) میں یہ قانون تھا کہ جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ شخص اُس کو قوم کے وجوہ و اعیان کے پاس لے جاتا وہ لوگ اُسکو ملاحظہ کر کے دیکھتے کہ وہ تام الخلقت اور تندرست ہے تو اُسے حکم دیتے کہ اُس کی پرورش کرے اور اگر اُس میں کوئی نقص دیکھتے تو کوہ طیجیتوس کے قعر میں گرا دیتے تھے - اہل روما میں بھی ایسا ہی دستور تھا کہ بچے کی پرورش اس کے باپ کی رائے پر موقوف تھی - قوم لورش میں بھی ایسا ہی دستور تھا اگر بچے کا باپ چاہے تو اُسے پرورش کرے ورنہ اگر اُس میں ضعف و نقص پاوے تو جنگلی جانوروں کو کھلادے - فیجی قوموں میں بھی یہ ہنوز ایک رسم عام ہے - ایک سیاح نے بیان کیا کہ ملک وانوالیود کے بعض اضلاع میں تو قتل اولاد کی تعداد کل باشندوں کی ایک نصف سے بڑھکر دو ثلث تک پہونچتی ہے - چین اور ہند میں اس کا عام رواج تھا اور ہنوز باقی ہے قرآن نے اس رسم قبیح کی اصل و بنیاد پر گرفت کی اور فرمایا " لاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطاً کبیراً " (اسری) ۳۲ ٭

اولاد کی جان کو ایک اَور آفت یہ تھی کہ بے رحم ماں باپ اپنے عزیز ننھے بچوں کو بتوں کی نذر چڑھاتے اور قربان کرتے تھے - علاوہ اَور ملکوں کے (مثل انگلستان و ہندوستان وغیرہ) جہاں انسانی قربانی عمل میں آتی تھی عرب میں بھی ایسے حادثات پائے جاتے ہیں - پروکوپیوس (مورخ ۵۶۰ء) کہتا ہے کہ المنذر شقیق بادشاہ حرانی (جسکو یونانی لہجہ میں المنذروس ھوسکیکی کہتے ہیں) بادشاہ غسان کی ایک بیٹی کو قید کر کے لات یا عزّے کی قربانی چڑھا دیا تھا - اور پوکوک (مورخ ۱۶۵۰ء) نے اسی بادشاہ کی ایک کیفیت لکھی ہے کہ وہ اپنے دو دوستوں کے قتل کے کفارہ میں ہر سال

Human sacrifices super seded

نکاح بھی کرلیتے تھے اور اُس میں اُن یتیموں کی کئی طرح سے حق تلفی ہوتی تھی اور جبکہ اُن سے مقصود صرف اُن کا مال لے لینا ہوتا تھا[۱] تو حقوق زوجیت کی بھی رعایت نہیں کرتے تھے لہذا اُن لوگوں کو جن کی ولایت میں یتیم لڑکیاں تھیں منع کردیا تھا کہ جن کے ولی ہوں اُن سے نکاح نہ کریں چنانچہ حسب مقام سابقہ کا حوالہ اس آیت کے الفاظ "ومایتلی علیکم في الكتاب" میں ہے "فان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب[۲] لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم" (نساء)

یعنی اگر تمکو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرلینے سے ان میں انصاف نہ کروگے تو نکاح کرلو بالغ عورتوں سے دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھوگے تو ایک ہی یا جن کے (یعنی جن یتیموں کے) تمہارے ہاتھ مالک ہو چکے (نکاح سے) +

چونکہ یہ ہر ایک صاحب شریعت و ناموس و اہل قانون کا دستور ہے کہ قانون کے خلاف جو صورتیں ظہور میں آچکی ہیں اُن کو اکثر تو بحال و برقرار رکھا جاتا ہے اسیطرح گو اُن کو یتیموں یا نابالغوں سے نکاح کرنا (ان قباحتوں کے ظہور کی وجہ سے جن کا بیان ہوا ہے) منع کیا مگر جو یتیم لڑکیاں ان کی ملک نکاح میں آچکی تھیں اُن کو ویسے رہنے دیا اور اسی آیت کے

---

[۱] وکان الرجل منهم يضم اليتيمة الى نفسه ومالها وان كانت جميلة تزوجها واكل المال وان كانت ذميمة عظلها عن التزوج حتى تموت فترثها - مدارک التنزیل -

صاحب تفسیر معالم التنزیل نے اپنی سند سے روایت کی ہے اخبرنا عبدالواحد المليحي انا احمد بن عبد الله النعمي انا محمد بن يوسف انا محمد بن اسمعيل انا ابو اليمان انا شعيب عن الزهري قال كان عروة بن الزبير يحدث انه سال عايشة رضي الله تعالیٰ عنها وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لكم من النساء قالت هي اليتيمة يكون في حجر وليها فيرغب في جمالها ومالها و يريد ان يتزوجها بادنى من سنة نسائها فنهوا عن نكاحهن الا ان تقسطوا لهن فی اكمال الصداق وامروا بنكاح من سواهن من النساء الخ +

[۲] وقيل ان خفتم الا تقسطوا في نكاح اليتامیٰ فانكحوا من البالغات يقال طابت الثمرة ای ادركت (مدارک)

ج ؎ واتوا الیتامیٰ اموالہم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالہم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا" [له] ۔ (نساء)

د ؎ ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا ؎ (نساء)

ہ ؎ ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ" (انعام)

و ؎ وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منہم رشدا فادفعوا الیہم اموالہم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف ؎ (نساء)

ز ؎ وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان وان تقوموا للیتامی بالقسط ؎ (نساء ۔ ۱۹ ع)

۷ ۔ اس پچھلی آیت سے یہ پایا گیا کہ جو لوگ نابالغ اور یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے ولی ہوتے تھے وہ اُن سے اَور اَور طرح سے تو جور و ظلم کرتے ہی تھے مگر ایک صورت خاص اور رواج عام یہ بھی تھا کہ یتیم لڑکیوں سے شاید اُن کی نابالغی ہی کے زمانہ میں

Guardians interdicted to marry their minors.

---

[له] ج ۔ اور دے ڈالو یتیموں کو اُن کے مال اور نہ بدلو گندہ ستھرے سے اور نہ کھاؤ اُن کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بہت بڑا وبال ۔

د ۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں ۔

ہ ۔ اور پاس نہ جاؤ مال یتیم کے مگر جس طرح بہتر ہو جب تک وہ پہونچے اپنی قوت کو ۔

و ۔ اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہونچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو اُن میں ہوشیاری تو حوالہ کرو اُن کے مال اور کھا نہ جاؤ اُن کو اُڑا کر اور گھبرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جاویں اور جو کوئی غنی ہے تو چاہیے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھاوے موافق دستور کے ۔

ز ۔ اور جو تم کو سناتے ہیں کتاب میں سو حکم ہے یتیم عورتوں کا (جن کو تم نہیں دیتے جو اُن کا مقرر ہے اور چاہتے ہو کہ نکاح میں لو) اور مغلوب لڑکوں کا اور یہ کہ قایم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر ۔

ازواج پر جرأت نہ کرنے دیگی اور بعد اس کے خود تنزیل میں ایسی عدالت کے قایم نہ رکھ سکنے اور اس کے قایم کرنے کی حرص کرنے پر بھی قاصر رہنے کا مذکور فرما دیا ہے "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ" لہ + (نساء)

اور آیت " ذلک ادنی ان لا تعولوا " میں اسی ممانعت کثرت ازواج پر حسب تفسیر امام شافعیؒ اشارہ پایا جاتا ہے - تفسیر بیضاوی میں ہے

**Polygamy discouraged.**

وفسربان لا یکثر عیالکم ++ + ولعل المراد بالعیال الازواج - اسی صورت میں اس آیت کے معنی یہ ہونگے

کہ تمھاری بیبیاں بہت نہو جاویں چنانچہ جس شخص کی عورتیں زیادہ ہوں تو کہتے ہیں اعال الرجل - مگر اس محاورہ پر باب اعال یعیل سے تعیلوا ہونا چاہیئے - کہتے ہیں کہ حمیر کی زبان میں ایسا ہی بولتے ہیں یعنی تعولوا بمعنی تعیلوا - یہی تفسیر امام شافعیؒ نے اختیار کی ہے اور طلحہ بن المطرف نے بھی اس آیت کو تفسیر کے طور پر تعیلوا بیان کیا ہے اور ایسے ہی طاؤس نے بھی +

تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال الشافعي ان لا یکثر عیالکم وما قاله احد انما یقال اعال یعیل عالة اذا کثر عیاله - وقال ابو حاتم کان الشافعي رضي الله عنه اعلم بلسان العرب منا فلعله لغة - ویقال هي لغت حمیر - قرء طلحة بن المطرف ان لا تعیلوا - وهي حجة لقول الشافعي رضوان الله +

اور تفسیر کبیر میں ہے نقل عن الشافعي رضي الله عنه انه قال " ذلك ادنی ان لا تعولوا " معناه ادنی ان لا یکثر عیالکم - + + ومن المشهور ان طاؤس کان یقرء ذلك ادنی ان لا تعیلوا - اور نیز امام فخر الدین رازیؒ نے اچھی طرح رد کیا ہے ان اعتراضوں کو جو بعضے مقلدین نے اس بحث میں امام شافعیؒ پر کیئے تھے (دیکھو تفسیر سورہ نساء آیۃ ۳) +

---

لہ اور تم ہرگز عدالت یعنی برابری نہ رکھ سکو گے عورتوں میں اگرچہ اس کا شوق بھی کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی +

اخیر میں علاوہ اور تعقیدوں کے پھر بھی ان ملک نکاح میں آئی ہوئیں تیم لڑکیوں کے حق میں انصاف کی وصیت فرمائی ۔ وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط ✤

اب یہاں پر عموماً دو اعتراض وارد ہونگے ۔ (۱) یہ کہ ما ملکت ایمانکم سے لونڈیاں مراد ہیں ۔ (۲) یہ کہ اس تقریب سے جیسے ہم نے معنی لیئے ہیں اور معنی اِلا ہوا جاتا ہے ✤

پہلے شبہ کا جواب تو ہم یہ دیتے ہیں کہ جبکہ ملک یمین کا اطلاق نکاح پر بھی ہوتا ہے اور نساء کے لفظ میں تو لونڈیاں بھی آگئیں اسلیئے اب مکرر اس لفظ سے لونڈیاں لینی فضول ہیں ۔ اور یہ تو بے عقلی کی بات ہے کہ حرف ما صرف غیر ذوی العقول کے لیئے آتا ہے اور لونڈیاں کچھ انوثیت کی وجہ سے اور کچھ خرید و فروخت ہونے کی وجہ سے بہایم کی قسم میں ہیں کیونکہ اسی جگہ نساء پر بھی ما کا حرف آیا ہے "ما طاب لکم من النساء"۔ اور اس کے علاوہ خدا پر بھی یہی لفظ آیا ہے چنانچہ فرمایا ہے " ولا انتم عابدون ما اعبد" ✤

اور دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ اوّلاً یہاں پر اَوْ بطریق تخییر بین المعطوفین ہے جیسیکہ اَور جگہ بھی قرآن میں اسی صورت سے آیا ہے چنانچہ " ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک " پس ایسے ہی اُن لوگوں کو جو اپنی ولایت کی تیم لڑکیوں سے نکاح کرچکے تھے اختیار تھا کہ یا اُن کو رہنے دیتے اور آیندہ کو پرہیز کرتے یا چاہتے تو اُنھیں سے کنارہ کرتے اور ثانیاً اَوْ استثنا کی صورت میں بھی تو آتا ہے چنانچہ بقر ۳۱ع میں " ولا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ" ✤

Polygamy curtailed and restricted not on one side but on many sides.

۸ - ہرچند کہ کثرت ازدواج قانون قدرت اور نظام الٰہی کے خلاف نہیں اور بعضے ملکوں کی آب و ہوا کی تاثیر اور وہاں کے رہنے والوں کی طبیعت کا مقتضا اس کے جواز کا باعث ہے مگر عرب میں یہ اکثار بھی بہت بے موقع اور حد کے درجہ پر تھا ۔ اور چونکہ ازدواج کا معاملہ انسان کی تہذیب معاش اور حسن معاشرت میں بہت کچھ دخل رکھتا ہے لہذا اسلام نے اُس میں بھی اصلاح ضروری تصور کی اور کلام الٰہی میں بڑی حکمت سے " فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع" میں کثرت ازدواج کے عدد کو بہت کم کرکے گھٹا دیا ۔ اور نیز " فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ " میں عدالت کی ایسی سخت اور مضبوط قید لگادی جو درحقیقت ہر ایک کو کثرت

۹- سورہ نسا کی ۳- آیت جو پچھلی دفعہ میں نقل ہوئی اور جسکی بحث ۷ دفعہ میں ہو چکی ہے چار عورتوں تک کے حکم میں بہت صاف ہے اور عورتوں میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں۔ اور ہر ایک شخص جس کو بیہودہ کے مسائل مخترعہ اور ایام جاہلیت Concubinage discouraged.
کی رسم کی تقلید اور سبق ظن نہو وہ قرآن کے لفظوں سے تو ایسا ہی سمجھیگا۔ چنانچہ جارج سیل مترجم قرآن (مات ۱۷۳۶ء) نے مقدمہ کتاب اور ذیل سورۂ نسا میں ایسا ہی بیان کیا ہے کہ ازواج اور سراری یعنی بیبیاں اور لونڈیاں یہ دونوں اس قید اربع میں محدود ہیں فقط مگر اب رسم تو یہ پڑی کہ لونڈیوں کیواسطے کوئی تعداد ہی نہیں !! تاہم ہمکو فقہا اور اہل الرائے کا اسقدر شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اُنھوں نے آزاد عورت پر لونڈی کو جمع کرنا جائز نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ اسی کے قایل تھے چونکہ اجتہادی بات قرار پائی اس لیئے اور علما شیعہ وسنی نے کچھ انکار کچھ اقرار کیا مگر آؤ ہم قرآن کو تو دیکھیں اُس میں کیا ہے۔ پانچویں پارہ کے شروع میں لکھا ہے۔

"ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات + + + + + ذلک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم[۲]"

اسمیں فتیات مومنات سے نکاح کی اجازت تو ہے مگر تین شرطوں سے۔ (۱) جبکہ

---

[۱] ان الآیۃ صریحۃ فی انحصار سبب الاباحۃ فی القسمین المذکورین وھما الزواج وملک الیمین علی سبیل انفصال الحقیقی ای اما زواج او ملک یمین بحیث لا یجتمعان ولا یرتفعان"

کنز الدقائق تفسیر آیات الاحکام۔ کتاب النکاح
(ذیل آیت والذین ھم لفروجھم حافظون)

[۲] یعنی جس کو مقدور نہو آزاد بیبیوں سے نکاح کرنے کا تو مسلمان لونڈیوں کو ملک نکاح میں لے آوے + + + + یہ اس کے واسطے جو کوئی ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں +

مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ بہت کم ہونگے جو یہ سمجھتے ہونگے کہ اسلام نے کثرت ازدواج میں ایسی اصلاح فرمائی ؛

**ساواری** جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے سورہ نسار کے ذیل میں لکھتا ہے کہ "جب یہ آیت" فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ " نازل ہوئی تو عرب کے لوگوں میں اکثر پاس آٹھ آٹھ اور دس دس عورتیں تھیں اور وہ اُن سے بدسلوکی سے پیش آتے تھے کثرت ازدواج کا ممالک مشرقی میں ہمیشہ دستور رہا ہے - **محمد** (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسے گھٹا کر بہت کم کردیا " انتہی - اور ہمارے یہاں کی روایتیں بھی اسی کی مؤید ہیں - احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کی ہے - ان غیلان بن سلمۃ الثقفی لما اسلم ولہ عشر نسوۃ فی الجاھلیۃ فاسلمن معہ فقال النبی صلعم امسک اربعاً وفارق سائرھن - اور شرح السنۃ میں روایت ہے عن نوفل بن معاویۃ قال اسلمت وتحتی خمسۃ نسوۃ فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال فارق واحدۃ وامسک اربعاً [1] ؛

**ٹامس کارلئل** ایک مشہور عالم محقق کا قول اس مقام پر نقل کرنا بے موقع نہ ہوگا - وہ لکھتے ہیں اسلام کی میل الی الشہوات کی نسبت بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہ اعتراضات انصاف کی حد سے بڑھکر ہیں - وہ پروانگیاں جو ہمکو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور جنکی اجازت انہوں نے دی وہ خاص اُن کی ایجاد نہ تھیں اُنھوں نے ان باتوں کو عرب میں قدیم الایام سے مروج اور غیر معیوب پایا مگر (**محمد** صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ کیا وہ یہ کیا کہ اُن کو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے (الکچر ۲ - صفحہ ۶۴ - مطبوعہ ۱۸۷۲ء) ؛

---

[1] یہ روایتیں مشکوٰۃ میں ہیں - اِن کا مطلب یہ ہے کہ غیلان کے پاس دس عورتیں تھیں تو نبی صلعم نے فرمایا کہ چار رہنے دو باقی کو جُدا کرو اور نوفل کے پاس پانچ تھیں ان سے بھی ایسا ہی کہا گیا ؛

نحمیا اور عزیر نبیوں نے بھی اس قسم کے حکم دیئے چنانچہ جن یہودیوں نے خلاف توریت اجنبی عورتوں سے نکاح کرلیئے تھے وہ چھوڑوادیئے (صحیفہ عزرا باب ۱۰ ورس ۱۱ و ۱۲ و ۱۹)

مگر پھر بھی کلام الٰہی میں یہی حکم ہے کہ ان تین شرطوں کی رعایت پر اگر لونڈیوں سے نکاح نہ کیا جاوے تو بہتر ہے " وان تصبروا خیر لکم " تفسیر کبیر میں ہے (مسئلہ) المراد ان نکاح الاماء بعد رعایة الشرائط الثلثة اعنی عدم القدرة علی التزوج بالحرة وخوف العنت وکون الامة مومنة الاولی ترکه لما بینا من المفاسد الحاصلة فی هذا النکاح - اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں ہے وصبرکم عن نکاح الاماء متعففین خیر لکم لان فیه ارقاق الولد ولانها خراجة ولاجة ممتهنة مبتذلة وذلك کله نقصان یرجع الی الناکح ومهانته والعزة من صفات المومنین وفی الحدیث الحرائر صلاح البیت والاماء هلاك البیت +

۱۰ - یہاں پر فوراً یہ اعتراض پیش ہونگے کہ جب لونڈیوں کی اولاد میں ایسی ذلت اور اہانت ہے تو کیا گمان کیا جاوے اُن بزرگوں کے حق میں مثلاً حضرت اسمٰعیل جو ہاجرہ سے تھے حضرت ابراہیم بن النبی جو ماریہ قبطیہ سے تھے یا محمد بن حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ یا شہربانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا مادر ائمہ اہلبیت تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کو لونڈی سمجھنا بے وجہ ہے وہ کسی طرح پر لونڈی نہیں ہو سکتیں - عوام یہود تو ضرور اس امر میں تعصب کرتے ہیں اور مسلمانوں کی روایتیں اس امر خاص میں اس وجہ سے اعتبار کے قابل نہیں کہ اصل لفظ اصحاب یا آئمہ نے ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کچھ ہی فرمایا ہو مگر چونکہ راویوں کی عقل اور دماغ میں ملک یمین سما رہا ہے اور یہود نے بھی ایسا مشہور کر رکھا ہے پس وہ خواہ مخواہ روایت بالمعنی میں لفظ جاریہ یا ملک یمین ہی کہینگے - مگر یاد رہے - کہ ربانیین یہود کی روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں اور اُس نے ابراہیم علیہ السلام

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ - غیروں سے میل جول رکھنے میں ناشایستہ ہو جاویگی (۳) اُس لونڈی کے مالک کا حق اسپر اُسکے شوہر سے زیادہ ہے پس وہ اپنے شوہر سے باخلاص نہیں مل سکتی (۴) اگر اُس کا مالک اُس کو کسی اَور کے ہاتھ بیچڈالے تو یا تو نکاح ٹوٹ جاویگا یا مالک جدید کہیں کا سفر کرے تو وہ ساتھ جاویگی بہرحال شوہر کو بڑی مضرت پہونچیگی (۵) اگر اُس کا مہر مقرر ہوا ہوگا تو اُسے اختیار نہوگا کہ مہر بخش دے ان وجوہ پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی +

آزاد عورت سے نکاح کا مقدور نہو (۲) بے نکاح رہنے میں زنا میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو[1]
(۳) وہ لونڈیاں مسلمان ہوں ٭
پہلی شرط تو وہ بات جاتی رہی کہ بیبیاں بھی ہوں اور لونڈیوں کا بھی ریوڑ بھر ا جاتا تھا
اور تیسری شرط سے وہ بات جاتی رہی کہ لڑائی میں مشرک عورتوں کا گلا پکڑ لائے اور ان پر
تصرف کیا ٭
پس لونڈیوں سے نکاح کر لینے کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ عین حکمت و
مصلحت ہی تھا اور معہذا اسکی قباحتیں بہت واضح اور صاف ہیں اسی لیئے ضرورت شدید
اور ناچاری کا یہ علاج ہی تھا ٭
امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں الاية دالة على التحذير من نكاح
الاماء وانه لا يجوز اقدام عليه الا عند الضرورة والسبب فيه وجوه[2] ٭٭ ٭
فلهذه الوجوه ما اذن الله في نكاح الامة الا على سبيل الرخصة ٭

---

[1] ولم يختلفوا في ان ذلك راجع الى نكاح الاماء فكانه قال فمن ما ملكت ايمانكم
من فتياتكم المومنات ذلك لمن خشي العنت منكم وهو الضرر الشديد لشبابق
قال فيما رخص فيه من مخالطه المناهي" والله يعلم المفسد من المصلح ولو شاء الله
لاعنتكم اي يشدد الامر عليكم والزمكم التميز عن طعامكم من طعامهم تلحقكم
بذلك ضرر شديد - وقال ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواههم - اي
احبوا ان تقعوا في ضرر الشديد - وللمفسرين فيه قولان - احدهما ان الشبق
الشديد والغلمة العظيمة ربما يحمله على الزنا فيقع في الحد على الدنيا والعذاب
العظيم في الآخرة فهذا هو العنت ٭
والثاني ان الشبق الشديد والغلمة عظيمة قد يتادي الى اختناق الرحم
واما في حق الرجال فقد يتادي الى اوجاع الوركين والظهر والاكثر على الوجه الاول
لانه هو الاليق ببيان القرآن ٭ تفسير كبير

[2] لونڈیوں سے نکاح کی مضرتوں میں پانچ وجہیں امام رازی نے لکھی ہیں جن کو ہمنے متن میں چھوڑ دیا
ہے - اُن کا خلاصہ یہ ہے (۱) جو اولاد ہوگی وہ بھی رقیق ہوگی (۲) وہ لونڈی باہر نکلنے پھرنے اور

زیادہ تعجب کی چند وہ غیر صحیح روایتیں ہیں جن کو اصحاب صحاح نے روایت نہیں کیا مگر اَور لوگوں نے روایت کی ہے کہ نزول سورہ تحریم کا سبب ماریہ قبطیہ کو ایک مرتبہ حرام کر لینا تھا ❊

یہ روایت جیسا کہ ظاہر ہے سخافت اور اسارت ادب سے خالی نہیں ہے۔ مگر ہمکو نقلاً بھی اُس کی صحت میں کلام ہے (۱) اس وجہ سے کہ عمایدِ اہل صحاح مثل بخاری و مسلم صاحب الصحیحین نے اس قصہ کی روایت نہیں کی اور اُن کا باوجود ضرورت اور حاجت کے اس قصہ کو طرح دینا اُس کی بے اعتباری کی دلیل ہو سکتا ہے۔ (۲) انھیں اہل صحاح نے اسی سورہ تحریم کی شان نزول میں نہ صرف یہی کیا کہ اس قصہ کو باوجود احتیاج چھوڑ دیا ہو بلکہ اسکے معارضہ میں ایک اَور ہی سبب یعنی تحریم عسل کی روایت کی ہے (۳) تحریم ماریہ کی سب روایتیں اخبار احاد ہیں (۴) معنعن ہیں (۵) بعضی مرسل بھی ہیں (۶) کوئی بھی ان میں سے مرفوع نہیں۔ اور ایسی روایتوں سے گو فقہی احکام کا استنباط ہوا کرے مگر قطعیت واقعہ اور تاریخی حالات کے ثبوت میں یہ اخبار بالکل غیر مفید عام ہیں ❊

That a Chapter of the Koran was revealed in the affair of maria the coptic is utterly wrong.

اَب ہم اس میں تھوڑی سی قدح تفصیلی بھی کرتے ہیں (۱) نسائی نے جو انس سے روایت کی ہے اُسمیں ماریہ کا نام نہیں (كانت له امة يطأها فلم يزل به حفصة وعايشة حتى حرمها) پس کچھ مفید نہیں (۲) طبری نے زید بن اسلم تابعی سے روایت کی ہے مگر اس روایت میں قطع نظر اس سے کہ ام ابراہیم کی کنیت میں اختلاف ہے ایک بڑا نقص یہ ہے کہ وہ روایت مرسل ہے اور اسی لیئے ضعیف ہے۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوي شرح تقريب النواوي میں لکھا ہے۔ ثم المرسل حديث ضعيف لا يحتج به عند جماهير المحدثين كما حكاه منهم مسلم في صدر صحيحه وابن عبد البر في التمهيد وحكاه حاكم بن مسيب ومالك والشافعي وكثير من الفقها واصحاب الرسول والنظر للجهل بحال المحذوف لانه يحتمل ان يكون غير صحابي واذا كان كذلك فيحتمل ان يكون ضعيفا وان اتفق ان يكون المرسل لا يروي عن ثقة فالتوثيق مع الابهام غير كاف كما سياتي۔ ولانه اذا كان المجهول المسمى

کی کرامت اور بزرگی دیکھکر اُن کو اُنھیں دیا تھا - (دیکھو کتاب برشیث رباہ - ۵۱) علاوہ ازیں جن عورتوں کی نسبت کتب عہد عتیق میں لکھا ہے کہ حرم تھیں (جیسے ہاجرہ) تو وہ لفظ فقہ کی اصطلاحی ملک یمین کے ہم معنی نہیں ہے - وہ تو شرعی بیبیاں تھیں جو حقوق زوجیت میں پہلی بی بی کے برابر ہوا کرتی تھیں - فرق اتنا ہی تھا کہ انتظام خانہ داری میں پہلی ہی بی بی کو دخل رہا کرتا تھا - اور اگر یہ دوسری بی بی جو حرم کہلائی پہلے خادمہ تھی تو بعد نکاح بھی بدستور خدمت کرتی رہتی تھی (دیکھو تفسیر ہارن جلد ۳ صفحہ ۴ ب ۳) +

اور ماریہ قبطیہ سے ابراہیم بن النبی کا پیدا ہونا ایسا تاریخی واقعہ اور قطعی مثال نہیں ہے جس سے وہ ذلت اور خرابی لازم آوے جو اولاد ام الولد میں لازم آتی ہے کیونکہ (۱) ماریہ تین عورتوں کا نام روایتوں میں ہے اور یہ تینوں یا دونوں خادم النبی کہلاتی ہیں - ابن حجر عسقلانی نے تین نام لکھے ہیں - ابن مندہ نے ایک ماریہ جسکی کنیت ام الرباب ہے اور دوسرے ایک اَور ماریہ خادم النبی الگ الگ لکھی ہیں اور ان سے روایت کی ہے مگر ابو نعیم نے دونوں کو ایک کر دیا ہے اور ماریہ قبطیہ ہنوز علیحدہ ہیں - ایسے اختلافوں سے ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ کیا تھا (۲) یہ بھی قطعی نہیں کہ ماریہ کے پیٹ سے ابراہیم بن النبی پیدا ہوئے ہوں علی ابن الحسین جنید الرازی نے اپنی تاریخ میں ابراہیم کو بطن خدیجہ سے لکھا ہے اور ماریہ کا ذکر بھی نہیں کیا اور ابن مندہ نے لکھا ہے -

Maria the coptic was not a concubine-rather an imaginary personage.

"واستسرے جاریۃ قریظیۃ فولدت له ابراهیم" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کسی قید کی ہوئی لونڈی یہود قریظیہ سے پیدا ہوئے تھے (۳) ماریہ کی بعض مخصوص رعایتیں از قسم ضرب حجاب وغیرہ جو روایتوں میں ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ ماریہ سے لونڈیوں کی طرح پیش نہیں آیا جاتا تھا بلکہ بیبیوں کی طرح (۴) ایک عیسائی بادشاہ کا ایک نبی کو دو چھوکریاں تحفہ میں بھیجنی محض خلاف قیاس و تعجب انگیز ہے (۵) ماریہ قبطیہ از قبیل عامہ اماء نہیں ہو سکتیں وہ کسی لڑائی میں قید نہیں ہوئیں اور نہ وہ خرید یا فروخت ہوئیں بلکہ مدینہ میں آنے سے پیشتر مسلمان ہو چکی تھیں (دیکھو ابن سعد کی روایت کتاب الاصابہ میں) ان وجوہ پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ماریہ ایک خادمہ ہونگی اور انھیں کی کنیت بھی ام الرباب بھی ہوگی اور اسی کو ابن سعد وغیرہ نے اپنے خیال سے کہدیا کان یطاها بملك يمين +

اور والدہ محمد بن حنیفہ کی مثال بھی بالکل غلط ہے کیونکہ وہ لونڈی نہ تھیں اور نہ انپر حضرت علیؑ نے لونڈی کے طور پر تصرف کیا چنانچہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی تصنیفات میں صاف لکھا ہے " لم یستبحہا بالسبی بل نکحہا و مہرہا " ۔

اور حضرت شہربانو بھی ملک یمین نہیں تھیں بلکہ وہ مدینہ میں آتے ہی قید سے رہا ہو گئیں تھیں دیکھو مناقب ابن شہر اشوب اور بحار الانوار کی ۱۴ جلد ۔

(۱۱) عورتوں کے حق میں آزادی بہبودی تہذیب اور عفت لباس میں احترام (سورہ نور) اور اُن سے گفتگو میں ادب (ولا تواعدوھن سراً الا ان تقولوا قولاً معروفا۔ ۲ ح) کے احکام جاری کیئے اور ایسے احکام ان کی حالت کے موافق اور مناسب صادر کیئے جو حکمار سابقین سے نہ ہو سکے تھے اور ایسے ایسے احکام جن کو بجز اُس خالق حقیقی کے جو مرد اور عورت کی فطرت اصلی سے واقف اور اُن کا بنانیوالا ہو اور کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا ۔ جو بدرسمیں اور قبیح رواج عورتوں کی نسبت تھے اور جو کچھ اُن کے حق میں ظلم و زیادتی مردوں کی طرف سے ہوا کرتی تھی ان سب باتوں کی اصلاح کی جاہلیت کی بدرسموں میں سے ایک یہ رسم عام تھی کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اُسکی سب بیبیوں کا جبراً اور کرہاً وارث ہوا کرتا تھا اور اُن سے نکاح بھی کر لیتا تھا مگر ان سب قبیح اور مکروہ دستوروں کو قطعاً موقوف کیا ۔

Islam elevated and improved the state of female sex

" یا ایہا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا " اور " ولا تنکحوا ما نکح اباء کم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا " (نساء)

ایک مقام پر آنریبل ولیم میور صاحب اپنی سیرت محمدی (جلد ۳ صفحہ ۳۰۳) میں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک امر خاص میں محمد صلعم نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے چھڑایا وہ یہ تھی کہ بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کا وارث ہوا کرتا تھا ۔

یہ رسم جیسیکہ قدیم سے ہوتی آئی تھی اُس وقت میں بھی اسکی ایک مثال ہے یعنی زید بن آمر بن نفیل اور حضرت عمر ابن خطاب بن نفیل باہم چچیرے بھائی اور ایک حساب سے چچا بھتیجے تھے یعنی آمر نے اپنے باپ کی بیوہ جیدہ سے نکاح کیا اور اُس سے زید ہوا جو آمر کا بیٹا اور نفیل کی بیوی کا بھی بیٹا ہوا (ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵۲) جو جو ایسی صورتیں ہوئیں اور جو

لا یقبل فالمجھول عینا وحالا اولی - (۳) طبرانی نے اور ابن مردویہ نے ابوہریرہ سے معنعن روایت کی ہے جس میں تحریم ماریہ کا ذکر ہے مگر وہ خبر معنعن ہے اور وہ ویسی ہی غیر معتبر ہے جیسی مرسل (۴) طبرانی کی ایک اور روایت میں طریق الضحاک عن ابن عباس الخ ہے اور ضحاک کثیر الارسال ہے اور اُسکی روایت ابن عباس سے بلا واسطہ نہیں ہے قال الزین العراقی والضحاک لم یسمع من ابن عباس - اور علامہ سیوطی نے اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے وطریق ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطعۃ فان الضحاک لم یلقہ - پس روایت منقطعہ غیر صحیح ہے + (۵) سعید بن منصور نے ابی مسروق اور حضرت عمرؓ سے جو روایت کی ہے اُسمیں ماریہ قبطیہ کا نام نہیں اور وہ روایتیں معنعن ہیں - پس ضعیف ٹھہرینگی اور نیز اصل راویوں نے اپنا ماخذ نہیں بیان کیا +

ایک تالیف جدید میں قصہ تحریم ماریہ کے ثبوت میں بڑا اہتمام کیا گیا مگر حاصل کچھ نہیں ہوا صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں - صحیح بخاری میں ہے باب " لم تحرم ما احل اللہ لک " عن سعید بن جبیر انہ اخبرہ انہ سمع ابن عباس یقول اذا حرم امراتہ لیس بشیٔ وقال لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - قال الشارح واشار ذلک الی قصۃ ماریہ انتہی - مگر اسمیں سارا زور و شور مستدل کا شارح کے قول پر ہے مگر وہ شارح کا صرف خیال ہے ممکن ہے کہ تحریم عسل کی طرف اشارہ ہو +

دوسری روایت اُنھوں نے نقل کی روی النسائی عن سعید بن جبیر ان رجلا سال ابن عباس فقال انی جعلت امراتی علی حراما فقال کذبت لیست علیک الحرام ثم تلی یا یہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک +

مگر اس میں تو قصہ ماریہ کا کہیں بیان و گمان بھی نہیں - ظاہر ہے کہ ابن عباس نے اسمیں عموم لفظ قرآن سے استدلال کیا - یہ کچھ ضرور نہیں کہ سبب بھی خاص و ہی ایک ہو - علامہ سیوطی لکھتے ہیں اختلف اھل الاصول ھل العبرۃ لعموم اللفظ او بخصوص السبب والاصح عندنا الاول وقد نزلت ایات فی اسباب واتفقوا علی تعدیتہا الی غیر اسبابہا الخ +

اب ان روایتوں کے سوا اگر اور کوئی سند اس قصہ باطل کی پیش ہوگی تو اس میں بھی اُنھیں ضوابط اور قواعد سے نظر کی جاوےگی +

گو عورت اپنے شوہر سے مفارقت کرکے عرصہ سے الگ رہے مگر جو کچھ جائداد وہ
حاصل کریگی وہ شوہر ہی کی ہوگی اگر عورت پیشتر سے کچھ بندوبست نہ کرلے تو عورت کا
وہ مال و اسباب جو اُس نے ایام مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرض خواہ
اُسے لے سکتے ہیں۔ مرد کو اپنی کُل جائداد کا اختیار حاصل ہے چاہے وہ اپنے حین حیات
غیروں کو دیجاوے عورت کو کچھ نہیں مل سکتا۔ جب ایسے دستور جاری ہوں اور مرد
تنک مزاج اور رسوم کی ناک ہو تو عورت کی بڑی حق تلفی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں بعضی باتوں میں
عورتوں کی رعایت اور مردوں کی حق تلفی بھی ہے۔ جرائم سنگین میں تو نہیں مگر اور
جرموں میں اگر عورت اور مرد دونوں اُس کے مرتکب ہوئے ہوں تو عورت سزایاب نہ ہوگی
احصان کی وجہ سے عورت کو یہاں تک پروانگی ہے کہ زنا کی سزا سے بھی محفوظ ہے!!
اور اگر عورت اپنے شوہر کا کیسا ہی مال و متاع لیجاوے تو اکثر صورتوں میں تو دونوں میں سے
ایک بھی سزا نہ پاوے۔ غرض یہ سب افراط اور تفریط کے بے موقع قانون ہیں جن کی
مہذب قومیں پابند ہیں گو اب اُس کے ابطال کے لیئے بہت کچھ زور مارتی ہیں۔ اور
اُسکی شناعت اور قباحت رفع کرنے کو حیلے بھی پیدا کیئے ہیں مگر وہ امیروں کے لیئے۔
اوسط اور ادنےٰ درجہ کی قومیں اُن سے محروم ہیں البتہ اسکاٹ لینڈ کے قانون بعض
باتوں میں کچھ معقول ہیں مگر پھر بھی سب کے سب احکام آلٰہی اور وحی کی اصلاح کے
محتاج ہیں ؛

۱۳۔ تمام ممالک ایشیا میں خصوصاً یہودیوں اور یونانیوں میں نکاح ایک قسم کی خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا تھا کہ بیاہ کرنیوالا لڑکی کے
باپ کو ایک رقم معین دیتا تھا (پیدایش ۳۴ و ۱۲۔ اصمول ۱۸ و ۲۵۔ اور ہوسیع نبی نے
اپنی بیوی پندرہ روپیہ اور ڈیڑھ حمر جو کو خریدی تھی ۳/۲) اور ابتک بھی یہ رسم ڈروس
ترک اور ملک ہادران کے عیسائیوں اور بعض اعراب میں ہے مگر قرآن نے نکاح ایک عقد
قرار دیا جو طرفین کے اختیار اور رضامندی سے ہوتا ہے اور زر مہر عورت کے باپ کو
نہیں ملتا بلکہ خود عورت کا حق ہوتا ہے ؛

" وآتوا النساء صدقاتهن نحلة " [1] (نساء ۱ ع)

[1] اور دے ڈالو عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے ؛

اور بھی اُس وقت موجود ہونگی وہ الاما قد سلف کے حکم میں ہیں بنی اسرائیل بھی ایسا کر بیٹھتے تھے۔ (۲۔صمو ۱۶/۲۲)

۱۱۔ عورت کو قرآن نے جملہ حقوق اور اختیارات میں مرد کے ہم مرتبہ اور تمام قابلیتوں میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے +

"لهن مثل الذي عليهن بالمعروف"[1] (جلد ۲)

"للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن"[2] (نساء ۵ع)

بجز اس ایک قدرتی فوقیت کے جو صانع مطلق نے مرد کو عورت پر دی ہے +

"الرجال قوامون على النساء"[3] (۵ ح ۳ع)

"وللرجال عليهن درجة"[4] (بقر ۲ ح ۲۸ع)

عورتوں کے حقوق کے باب میں قدیم رسوم سے قطع نظر کر کے صرف انگلستان کے قانون کو دیکھا جاوے کہ ان لوگوں نے باایں ہمہ اصلاح و تہذیب عورتوں کے حق میں کیسے جور اور حیف کو جایز رکھا ہے اور مردوں کی خود رائی کے تابع کر دیا ہے۔ نکاح کے بعد بہت سے احکام میں عورت کی ذات ہی نہیں قایم رہتی وہ گویا اپنے شوہر میں مستہلک ہوگئی وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی اور اُسکی ذاتی جائداد جو قبل نکاح سے حاصل کی ہو وہ بھی شوہر کی ملک میں آتی ہے اور اُسے اختیار رہتا ہے جیسے چاہے اُسے صرف کر دے۔ عورت کو اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نام سے یا اپنی ذات خاص کے لیئے ضروریات خرید کرلے یا منگوا بھیجے۔ گو مرد پر نان نفقہ عورت کا واجب ہے مگر رسم انگلستان میں اسکی تعمیل کرانے کا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے اور نہ عورت کو روٹی کپڑے کی نالش کر سکنے کا حق ہے مگر کچھ ضمنی صورتیں نکالی گئی ہیں۔ اور نیز بہت سے مدارج بدسلوکی اور اذیت کے ایسے ہیں جن کا کچھ چارہ نہیں نہ عورت کی کوئی فریاد سنتا ہے نہ عدالت کچھ کر سکتی ہے۔

---

[1] عورتوں کا بھی حق ہے جیسا اُن پر حق ہے موافق دستور کے (بقر ۲۸ع)

[2] مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے (ح ۵)

[3] مرد حاکم ہیں عورت پر +

[4] مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے +

"محصنین غیر مسافحین" [1] (نساء)
اس جملہ کی پہلی خبر محصنین میں تمام حکمتیں اور بھلائیں جو نکاح سے متصور ہیں داخل
ہیں اور جزو دوم غیر مسافحین میں تمام قباحتیں جو چند روزہ نکاح اور غیر منضبط طریق سے
باہم معاشرت کرنے سے پیدا ہوتی ہیں منع کر دی گئیں۔ درحقیقت یہ فقرہ عجب جامع اور
مانع ہے اور اسمیں ثبات اور نفی سے تمام حکمت منزلی کے مصالح اور مفاسد سکھلا دی
ہیں ؛

Divorce discouraged.

۱۵۔ جبکہ اس بیان سے نکاح کی مصلحتیں معلوم ہوئیں تو اسکی مقتضا سے طلاق کی ممانعت
بھی (الّا بعض ناگزیر حالتوں میں) ثابت ہوئی کیونکہ
برابر نکاح اور طلاق کی رسوم جاری رکھنے میں صرف
عورتوں سے لذت حاصل کرنی ہے حالانکہ اسلام نے نکاح کی اصل علت محصنین قرار دی
نہ کہ مسافحین۔ پھر جبکہ نکاح کی بنا تعاون پر ہے۔ اور مرد و عورت باہم باعث اطمینان اور
ایک دوسرے کے مددگار دینی اور دنیاوی باتوں کے ہوئے (جیساکہ لباس کی تشبیہ
سے ظاہر ہے) تو پھر جب طلاق کی رسم نکلی تو یہ بات جاتی رہی۔ علاوہ ازیں اس رسم سے
دونوں کے دلوں پر اس عقد اور نظم کی عظمت بھی جاتی رہتی ہے ایک کو دوسرے پر اطمینان
اور اعتماد نہیں رہتا باہم کا اخلاص اور نیاز جاتا رہتا ہے۔ دلوں میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے
اور طلاق کے اندیشہ میں خیانت اور اضطراب اور تربیت اولاد میں بالکل بے ترتیبی اور
اصلاح منزل میں ابتری پڑ جاتی ہے۔ اور جہاں جہاں قرآن مجید میں نکاح کا ذکر اور زنا
سے ممانعت ہے انھیں مقامات میں ان سب قباحتوں پر بھی اشارہ ہے ؛

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۲۵) ؛
اعلم ان فی اکثار من الطلاق وجریان الرسم بعدم المبالاۃ بہ مفاسد
کثیرۃ وذلک ان ناساً ینقادون لشھوۃ الفرج ولا یقصدون اقامۃ تدبیر
المنزل ولا التعاون فی الارتفاقات ولا تحصین الفرج ۔ وانما مطمح ابصارھم
التلذذ بالنساء وذوق لذۃ کل امراۃ فیھیجھم ذلک الی ان یکثروا الطلاق

[1] قید میں آنے کو نہ مستی نکالنے کو ؛

" فما استمتعتم بہ منھن فاتواھن اجورھن فریضۃ"[1] (نساء ۴ ع)

بعضے اعتراض کرنیوالوں نے لفظ اجر پر اِک گونہ تعریض کی ہے گویا اُسکو نامناسب لفظ سمجھے مگر دراصل اُسمیں اشارہ ہے اسپر کہ زرمہر عورت کا اجر ہے جس کی وہ مستحق ہے نہ کہ اُسکی قیمت جو اُسکا باپ لیلیے +

Social affection and comfort of domestic life.

- قرآن نے عورت اور مرد کی باہمی گزران میں کمال عدالت اور محبت کو برابر قایم رکھنا ضرور قرار دیا ہے اور مہر کا تقرر اور نکاح فسخ ہونیکی صورت میں واجب الادا اور ناقابل نقصان ہونیکی وجہ سے عورت کو خوشدل مطمئن رہنے اور مرد کو اُس کا نیازمند اور محتاج الیہا ہوے اور ہمیشہ کو ملے رہنے کی تدبیر کردی - اتحاد زوجین کی برکت اور مسرت اور اسکے نتیجہ میں حسن معاشرت کی حالت سے قرآن خوب واقف ہے +

" وخلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"[2] (روم ۳ ع)

اور پھر اسی طمانیت اور محبت نرم دلی کو جو باہم زوجین میں ہونی چاہیئے ایک دائمی اور غیرقابل انتزاع اور لازوال اور غیرلائق انفصام تشبیہ میں بیان فرمایا +

" ھن لباس لکم وانتم لباس لھن"[3] (بقر ۱۸۲)

اور چونکہ اصلی غرض تجویز نکاح سے اقامت تدبیر منزل اور تعاون باہمی انتظام خانہ داری اور تحصین فرج ہے اور یہ باتیں بغیر دایمی نکاح اور آپسمیں مثل لباس ایک دوسرے کے محتاج رہنے اور ملے رہنے کے نہیں ہوتیں اس لیئے ضرور ہوا کہ فطرت کی راہ سے اُن میں باہم مودت اور رافت خلق کیجاوے - اور یہ سب مصلحتیں جو نکاح کے دائمی قایم رکھنے میں خیال میں آسکتی ہیں اِن دو لفظوں میں بیان کردیں +

---

[1] پھر جو تم کام میں لائے اُن عورتوں میں سے اُن کو دو اُن کے حق میں جو مقرر ہوئے +

[2] بنا دیے تمکو تمھاری قسم سے جوڑے کہ چین پکڑو اُن کے پاس اور رکھا تمھارے بیچ پیار اور مہر +

[3] وہ پوشاک ہیں تمھاری اور تم پوشاک ہو اُن کی +

بہت نمک ڈال کے خراب پکاوے یا اُسے زیادہ بھون دے تو وہ عورت طلاق دیدیجاوے
مگر قرآن کہتا ہے " لاتدري لعل الله يحدث بعد ذلك امرا " [1] (طلاق)
یورپ کے مُلکوں میں رومن کیتھلک مذہب کی رو سے تو جیسا کہ کونسل آف ٹرینٹ
سنہ ۱۵۶۲ء میں قرار پایا زنا کے بعد بھی طلاق نہیں ہوسکتی - انگلستان وغیرہ ملکوں میں
جب سے اصلاح ہوئی ہے تب سے قاعدہ طلاق میں کچھ تبدیل ہوئی نیویارک میں صرف
زنا پر طلاق ہوتی ہے اور اَور ملکوں میں زنا پر اور نہایت ظلم سے بدسلوکی پر اور قصداً
مفارقت اختیار کرنے پر اور عرصہ دراز تک نامعلوم غایب رہنے پر بھی طلاق ہوتی ہے
اور انگلینڈ میں طلاق کا باعث زنا اور ایذا رسانی ہی ہوتا ہے اور اسکاٹ لینڈ میں زنا یا
قصداً چھوڑ کر چلے جانے سے طلاق ہوجاتی ہے - انگلستان میں قانون وکٹوریا جاری
ہونے سے پہلے ایسی عورت کے لیئے جسے اُس کے خاوند نے قصداً چھوڑ دیا ہو
چارہ جوئی اور دادرسی کی سبیل نہ تھی - اب ایسی صورت میں عدالت سے افتراق ہوجاتا
ہے اور اگر مفارقت کے ساتھ زنا بھی ہمردیف ہو تو طلاق بھی ممکن ہے ٭

۱۷ - قرآن نے مرد کو کبھی اختیار نہیں دیا کہ بلاوجہ شدید اور بغیر پیشتر کی اطلاع کے
دفعۃً واحدۃً اور مطلقاً اور فوراً اور بلا کسی شرط کے طلاق
دیدے اور معاشرت اور تمدن کی خوبی اور خوشی اور
برکت کو اپنی تنک مزاجی یا شکر رنجی سے کھو ڈالے اور
برباد کردے - میں یہاں پر چند اشارے کلام مجید سے طلاق کی ممانعت پر نقل کرتا
ہوں ٭

Texts of the Koran discouraging divorce.

(۱) وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسي ان تكرهوا شيئاً و
يجعل الله فيه خيراً كثيرا ' (نساء ۳ ع)
یعنی گزران کرو عورتوں کے ساتھ اخلاق سے پھر اگر تمکو وہ بری معلوم ہوں تو اسپر
صبر کرو اور اُن کو جُدا نہ کرو) شاید تمکو نہ پسند آوے کوئی چیز مگر خدا نے اسی میں اصلاح اور
خیر اور برکت رکھی ہو - دیکھو تفسیر مدارک مندرجہ دفعہ سابق ٭

---

[1] اُسکو خبر نہیں شاید نیا نکالے اللہ اُسکے پیچھے کوئی کام ٭

والنکاح - ولا فرق بینهم وبین الزناة من جہة ما یرجع الی نفوسهم - ولا تمیزوا
عنهم باقامة النکاح والموافقة لسیاسة المدینة وهو قوله صلی الله علیه وسلم
لعن الله الذواقین والذواقات - وایضاً فی جریان الرسم بذلك اهمال لتوطین
النفس علی المعونة الدائمة اوشبهه الدائمة وعسی ان فتح هذا الباب ان یضیق
صدره وصدرها فی شیء من محقرات الامور فیندفعان الی الفراق - واین ذلك
من احتمال اعیاء الصحبة والاجماع علی ادامة هذا النظم وایضاً فی اعتیاد
هن بذلك وعدم مبالاة الناس وعدم حزمهم علیه بفتح باب الوقاحة - وان لا یجعل
کل منهما ضرر الاخر غرر نفسه - وان یکون کل واحد الاخر یمهد لنفسه ان وقع الافتراق - وفی ذلك ما لا یخفی

۱۶ - طلاق کی رسم تو یہودیوں میں عام اور بکثرت تھی اور موسوی شریعت میں اُسکو شاید
مطلقاً جائز کردیا تھا - حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُس کا عذر کرنا پڑا (متی $\frac{19}{8}$) -
حضرت مسیح سے کچھ پیشتر نکاح کے باب میں فقہاء یہودمیں ۲ مذہب ہوگئے تھے شماعی اور
اُسکے مقلدوں کی یہ رائے تھی کہ صرف فعل قبیح کے ارتکاب پر یا فاحشہ مبینہ پر طلاق دیجاوے
اور ہلل اور اُسکے مقلدین کا یہ مذہب تھا کہ ادنیٰ سی خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہیئے
اُن لوگوں کا یہ قول تھا کہ اگر کسی کو اپنی عورت بری معلوم ہو تو اُسے نکال ڈالے (استثنیات
۲۴ و ۱) ربی عقبہ کہتا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو اپنی عورت سے خوبصورت پاوے
تو اپنی عورت کو نکالدے کیونکہ لکھا ہے کہ اگر وہ اُسکی نظر میں اچھی نہ معلوم ہو الخ قرآن صریح
اسکے خلاف کہتا ہے " فان کرهتموهن فعسیٰ ان تکرهوا شیئاً ویجعل الله فیه
خیراً کثیراً[1] " (نساء ۳ ع) معلم ہلل کہتا ہے کہ اگر کسی کی عورت اپنے شوہر کا کھانا

---

[1] پھر اگر وہ تمکو نہ بھاویں تو شاید تمکو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ رکھے اُسمیں بہت خوبی ٭

والمعنی فان کرهتموهن فلا تفارقوا هن لکراهة الانفس وحدها ربما کرهت
النفس ما هو اصلح فی الدین وادنی الی الخیر واحب ما هو بضد ذلك
ولکن النظر فی اسباب الصلاح وانما صح قوله فعسیٰ ان تکرهوا جزاً للشرط
لان المعنی فان کرهتموهن فاصبروا علیهن مع الکراهة فلعل لکم فیما تکرهون
خیراً کثیراً الیسر فیما تحبونه - مدارك التنزیل نسفی ٭

غرض اور نکاح کے مقصود کے خلاف ہیں اور ایسی صورتوں میں طلاق کو جائز رکھنا عین حکمت اور مصلحت ہے ؛

(۱) ایک صورت طلاق کو بے الزام جائز رکھنے کی یہ ہے کہ عقد کے بعد اور خلوت ہونے سے پیشتر طلاق دیدیجاوے تو اس میں کوئی گناہ یا قباحت غلطی نہیں ہے کیونکہ یہ نکاح کوئی لغوی نکاح نہیں ہے بلکہ اصطلاحی نکاح ہے یعنی وہ ایک معاملہ ہے قول و قرار کا اور اس سے وہ غرض جو فطرت آلٰہی میں خلق ازواج سے ہے حاصل نہیں ہوئی ہے ؛

"لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن"۔ (بقر ۲۱ ع) یعنی اگر عورتوں کو جن سے عقد ہوا ہو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے الخ۔ ایسے ہی احزاب کی ۴۹ آیۃ ۶ ع ایسے اصطلاحی نکاح میں بھی عورت کے لیئے بڑی رعایت اور احسان کیا ہے یعنی جب ایسی صورت میں مہر نہ مقرر ہوا ہو تو دستور کے موافق اُسکو خرچ دینا چاہیئے اور اگر مہر مقرر ہو چکا ہو تو نصف مہر دینا چاہیئے اس قدر تو ضروری ہے اِلّا عورت سب چھوڑ دے یا مرد سب دیدے تو اَوْر بھی بہتر ہے۔ (دیکھو اُسی آیت کے بعد کی آیتیں) ؛

(۲) دوسری صورت امکان طلاق کی یہ ہے کہ عورت زنا کرے چونکہ خدا نے نکاح کو تحصین کا ذریعہ بنایا ہے اور ہر جگہ محصنین غیر مسافحین اور ولامتخذی اخدان کے لفظ فرمائے ہیں[۱]۔ تو جب اِسکے خلاف کوئی فعل ہوگا وہ فطرت آلٰہی وضع ربانی اور شرع اسلامی کے خلاف ہوگا[۲]۔ "ولاتعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اٰتیتموھن الّا ان یاتین بفاحشۃ مبینہ" (نسا ۳ ع) یعنی جائز نہیں کہ تم اپنی بیبیوں کو بند کر رکھو تاکہ اُن سے کچھ مہر میں چھوڑ والو مگر اس حالت میں کہ جب وہ صریح بے حیائی کا کام کریں۔ عن الحسن الفاحشۃ الزنا فان فعلت حل لزوج ان یسالہ الخلع (مدارک) یعنی حسن کہتا ہے کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے اور جب عورت زنا کرے تو مرد کو جائز ہے کہ اُس سے خلع چاہے۔ اور یہی مضمون سورہ طلاق کی پہلی آیت میں بھی ہے " ولا تخرجوھن من

---

[۱] نسا ۴ ع (مکرر) اور مائدہ ۱ ع ؛

[۲] اسکے پہلے کرھاً پر وقف موجود ہے اور یہ جملہ مستانف اور جدید ہے ؛

(۲) "وبعولتهن احق بردهن في ذٰلك ان ارادوا اصلاحاً" (بقر ۲۸ع)
یعنی عدت کے زمانہ میں اُن کے خاوندوں کا حق ہے اُن کا پھیر لینا اگر چاہیں صلح کرنی - اسمیں ترغیب ہے اسپر کہ ملے رہنے میں اصلاح ہے اور الگ ہوجانے میں فساد ۔

(۳) "لایحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموهن شیئاً" الایة (بقر ۲۹ع)
یعنی تمکو حلال نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو الخ اِسکو ملاؤ اُس آیت سے جہاں مہر کو قنطار کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی ڈھیروں بلا تعداد پس اس میں بھی مصلحت ہے کہ جب زر مہر سے کچھ بھی لے لینا حرام ٹھہرا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی تو یہ اسی مانعت طلاق کا بندوبست ہے ۔

(۴) "فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا" یعنی اگر کوئی تیسری بار بھی طلاق دیدے تو پھر وہ اسپر حلال نہیں ہوسکتی مگر اس صورت میں کہ وہ عورت کسی اَور سے نکاح کرلے اور پھر شاید وہاں سے ایسی ہی نا اتفاقی ہوکر طلاق تک نوبت آوے تب ہوسکتا ہے اس میں ہمیشہ حرام ہوجانے کی دھمکی ایسی مانعت طلاق کی تدبیر ہے - اور جب ایسی ایسی تحریریں اور تدبیریں منع طلاق کی ہیں تو دوسری جگہ سے طلاق کیوں ہونے لگی تھی ۔

(۵) زید نے اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہا جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم نے قطعاً منع فرمایا "وامسك علیك زوجك واتق اللّٰه" (احزاب ۲۲ع)

(۶) "والصلح خیر" (نسا ۱۹ع) یعنی عورت اور مرد میں باہم صلح کرلینی خوب چیز ہے ۔

(۷) "لاتدري لعل الله یحدث بعد ذالك امراً" (طلاق)
یعنی کیا معلوم ہے کہ خدا اسکے بعد نیا کام نکالے یعنی اُن میں صلح کی توفیق اور ترک ارادہ طلاق کی سبیل کردے ۔

۱۸ - قرآن میں دو ہی تین موقع طلاق کے جائز ہوسکنے کے پائے جاتے ہیں اور وہ صورتیں وہی ہیں جو اصلی اور قدرتی عقد کی

**Divorce permitted not to gratify the levity, caprice or profligacy of either party but only in the case of unfaithfulness of nuptial vow.**

اس سے نشوز اور بیوفائی اور غدر جو عورت کی طرف سے ہو مراد ہے چنانچہ سلڈن اور ملٹن نے رسالہ اگزور عبریہ اور اعتقادات عیسویہ میں بہت سی اسناد ربانیاں یہود کے محاورے اور کتب مقدسہ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے ؛

۱۹ - جبکہ مرد اور عورت میں جو ایک بڑی مضبوط زنجیر اور پکّے عہد سے باندھی گئی اور فطرت الٰہی کے قانون کے محکوم ہیں کوئی وجہ شدید اور باعث قوی نہ بسر ہو سکنے یا غرض اصلی کے نہ حاصل ہو سکنے کا ہو تو نا اتفاقی شدید اور بے لطفی ناقابل برداشت کیجاتیں یا زوج کے ترش مزاج یا تلون طبع ہونے کی صورت میں اس عہد موثق اور عقد دائمی کا ایسی آسانی سے دفعتہً اور بغتتہً ٹوٹ جا سکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ علاوہ ان تدارک اور تدبیروں کے جن کا بیان پچھلی دفعہ میں مفصل گذرا جب بناچاری و مجبوری ارادہ طلاق اور قصد مفارقت کی نوبت آجاوے تب بھی ایک مدت دراز کی مہلت فکر اور غور کرنیکو دی گئی اور اس عرصہ میں بھی کئی ایک تدبیریں صلح کی قایم کر دیں ؛

(۱) "اذا طلقتم النساء فطلقوا هن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا الله"[له] (سورہ طلاق ۱) عدت کے مقرر ہونے میں ایک خاص اور بڑی مصلحت یہی ہے کہ باہم صلح ہو جاوے اور بعولتهن احق بردهن في ذالك کا بیان اسی پچھلی دفعہ میں گذرا ؛

(۲) پھر اس عدت میں عورت کو اپنے گھر سے نہ جانے دینا چاہیئے اور نہ وہ عورت خود جاوے اِلّا یہ کہ زنا کی صورت ہو ؛

لا تخرجوا هن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان ياتين بفاحشة مبينة (طلاق)

(۳) پھر جہاں مرد خود رہے وہیں عدت والی عورت کو بھی جگہ دے ؛

"واسكنوا هن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن" - (طلاق)

یہ سب تدبیریں اس مصلحت سے ہیں کہ اُن کے باہم سے رنجش دور ہو اور باہم رغبت کریں - اور ہر کوئی ناعاقبت اندیش ذرا سی سو مزاجی یا اختلاف پر طلاق نہ دے بیٹھے ؛

(۴) بالآخرہ سورہ طلاق میں یہی ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد یہ کچھ ضرور

---

[له] جب تم طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو اُن کی عدت پر اور گنتے رہو عدت اور ڈرو اللہ سے ؛

بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ"۔ یعنی مت نکالو ان کے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی +

(۳) تیسری صورت امکان اور جواز طلاق کی مگر نہ خواہ مخواہ طلاق کی یہ ہے کہ نشوز اور ایذا اور بدخلقی عداوت نفاق سوء العشرۃ اور فساد منزل کی صورتیں پیش آویں اسکا علاج طلاق ہی نہیں بلکہ اسکی تدارک اسطرح پر چاہیئے +

(ا) "واللتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا" (نساء ع ۶)

یعنی جن عورتوں کی بدخوئی کا تمکو ڈر ہو تو اُن کو سمجھا دو اور جدا کرو سونے میں اور اگر اسپر بھی نہ مانیں تو مارو (آہستہ سے تادیبا) پس اگر مان جاویں تو اُن پر الزام نہ تلاش کرو (یعنی طلاق نہ دو)

(ب) "وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ" +

یعنی اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپسمیں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں (منصف) چاہینگے صلاح تو خدا ملاپ کردیگا ان میں +

(ج) "وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا" (نساء ۱۹ ع)

یعنی اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو وہ دونوں آپسمیں صلح کرلیں اور صلح خوب چیز ہے اور جیوں کے آگے دھری ہے حرص اور اگر تم نیکی کرو ان عورتوں سے (اس طرح پر کہ گو وہ تمھیں ناگوار ہوں مگر تم صبر کیئے رہو اور اُنکی صحبت کی رعایت کرو) اور بچو (لڑنے سے اور جی پھر جانے سے) تو خدا کو تمھارے سب کاموں کی خبر ہے +

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صرف حرامکاری کی صورت میں طلاق جائز رکھی ہے مگر جس لفظ کا ترجمہ حرامکاری کیا جاتا ہے وہ نہ صرف زنا ہی کیواسطے ہے بلکہ

ظلم کیا کرتے تھے مثلاً عورتوں کو حبس میں کر رکھتے تھے یا معطل چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ زرِ مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں یا طلاق کے بعد بھی اُن کو اس غرض سے روک رکھتے تھے کہ کسی اَور سے نکاح نہ کریں تاکہ زوج سابق کی ذلت نہ ہو مگر قرآن نے ان سب باتوں کو منع کیا اور زنِ مطلقہ سے کچھ واپس لینا کیسا اُلٹا اسے کچھ دینا واجب ٹھہرایا +

(۱) "ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ" یعنی عورتوں کو بند نہ کرو ستانے کے لیئے اور جو کوئی ایسا کرے اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا + (بقر۔ ۲۹ع)

(۲) "فاذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف" یعنی جب طلاق دی تم نے عورتوں کو اور وہ پہونچ چکیں عدت کو تو اب نہ روکو اُن کو کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جب راضی ہو جاویں موافق دستور کے + (ایضاً۔ ۳۰ع)

(۳) اس میں اس بات کا بھی اشارہ نکلتا ہے کہ عورت کے میکے کے لوگ اُسکو بعد عدت اپنے شوہر سے پھر ملجانے کو نہ روکیں +

(۴) "وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین"۔ (بقر۔ ۳۱ع)

(۵) اگر طلاق پانے والی عورت پیٹ سے بھی ہو تو جب تک وہ بچہ نہ جنے اُسکو کھانا کپڑا اپنی حیثیت کے موافق دینا ضرور ہے۔ اور اگر بچے کو دودھ بھی وُہی پلاوے تو پھر اُسکی اجرت جُداگانہ +

(۶) "وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن" + (طلاق)

یعنی اگر وہ عورتیں پیٹ سے ہوں تو اُن کو نفقہ دو جب تک بچہ ہو اور اگر دودھ پلاویں تمہاری خاطر تو اُن کو دو اُن کے نیگ +

۲۲۔ بیوؤں کے نکاح اور لونڈی اور غلاموں کے نکاح کا عام حکم عرب کی رسم کے خلاف اور رومن کیتھلک کے علی الرغم جاری کیا چنانچہ فرمایا ہے "وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم و

(Objections refuted).

نہیں ہے کہ طلاق ہی دیجاوے اور مفارقت ہی اختیار کیجاوے بلکہ یہ حکم ہے ÷
"فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف"۔
یعنی جب وہ پہونچیں اپنے وعدہ کو تو یا رکھ لو دستور سے یا جانے دو دستور سے ÷

۲۰ - اگر مخالفوں نے قرآن میں طلاق کے احکام مکرر دیکھکر سمجھا کہ صاحب قرآن کی نظر میں یہ ایک ہلکی ہی بات ہے اور عدم مبالات کی نظر سے دیکھکر سمجھتے ہیں کہ قرآن نے عموماً طلاق کے جواز سے حسن معاشرت کی خرابی تدبیر منزل کا فساد اور باہم آسایش کی گزران میں بدنظمی اور ترتیب اولاد میں ابتری روا رکھی مگر اُن لوگوں نے ان حکموں میں کبھی غور سے نظر نہیں کی کسی فقیہہ سے احکام پوچھ لیئے یا احکام قرآنی کو اُسکی رائے پر حمل کرلیا اور ظاہر ہے کہ فقیہہ کا منصب حمایت اسلام و دفع مطاعن نہیں ہے اُسکو ہر ایک صورت اور ضرورت کے احکام جو احکام قرآنی اور رائے اور قیاس سے نکل سکیں بتا دینے سے کام - البتہ متکلمین اسلام کا یہ کام ہے ÷

طلاق کو ایسے ناگزیر اور سخت موقع پر جن کا ہمنے بیان کیا ہے جائز رکھنا انسان کے حق میں بڑی بہبودی اور احسان کا کام ہے ایسے ازدواج سے جس میں دونوں کی زندگی حرام اور عیش تلخ ہو مخلصی دلانا عین حکمت ہے - جو لوگ طلاق کے باب میں بہت سخت ہیں وہ بھی دو ایک صورت طلاق کی جایز رکھتے ہیں - پھر جب کسی ضرورت شدید سے اُسکا جواز ماننا پڑا تو پھر اُسکے احکام قلمبند نہ کرنے بے عقلی ہے اور نہ اُن احکام کے بیان سے طلاق کی اباحت ایسی بے پروائی - آزادی اور مطلق العنانی سے ثابت ہوسکتی ہے اگر ایام جاہلیت کی رسوم ازدواج و طلاق کو دیکھا جاوے تو ثابت ہووے کہ جملہ احکام طلاق ان بدرسموں کی اصلاح اور تہذیب میں صادر ہوئے ہیں جن کی حرکتیں بہائم اور درندوں کی مانند تھیں یا ان شدید التعصب کے وہم باطل کی درستی کے لیئے تھے جو وقوع زنا پر بھی طلاق کو جایز نہ سمجھتے تھے پس ان سب افراط اور تفریط پر نظر کرکے اُسکی قباحتیں رد کی گئیں اور بُرائیاں دفع کی گئیں نہ از سر نو اجازت دی گئی ہو یا ابتداً جاری کیا ہو" ÷

۲۱ - اَب ہم پھر اُن احسانات اسلام کا بیان کرتے ہیں جو بنی نوع انسان پر مبذول فرمائے گئے ÷

Beneficial ordinances in the favor of female sex.

ایام جاہلیت میں طلاق کے حیلہ سے بہت

نکلیں۔ یہ نتیجہ اُس قانون کا تھا جسمیں اُس نے دینی عہدہ داروں کو مناکحت سے ممانعت کی تھی۔ اس نتیجہ میں جو جو خرابیاں ہوئیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پادریوں کے لڑکے جو باوجود اس تجرد کے ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے کالعدم قرار دئے گئے اور بینڈکٹ ۸ نے کونسل پنوپیا ۱۰۲۲ء میں اُن لڑکوں کو کالعدم قرار دے کے ہمیشہ کی غلامی میں دیدیا۔ اور شہنشاہ ہنری ۲ نے ان احکام کی تعمیل میں سیاست بھی ہمردیف کردی آخرالامر سینکڑوں برس کے بعد ان خرابیوں کی اصلاح شروع ہوئی۔ اور لوتھر گو سب سے اوّل تو نہیں مگر وہ بھی منجملہ منکرین مسئلہ تجرد تھے اور ۱۵۲۵ء میں کھترین دین پورا سے جو دائمی تجرد کی نذر کر چکے تھے مگر پھر اس سے پھر گئے تھے نکاح کیا۔ قرآن میں اس رہبانیت کی اصلاح ان لوتھر وغیرہ لوگوں سے صدہا سال بیشتر ہو چکی تھی۔ اور جو ٹھیک ٹھیک اسکی منشاء اور کیفیت تھی۔ اسپر اشارہ ہوا ہے ۔

" ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا " (حدید ۲۷)

یعنی عیسائیوں نے دنیا چھوڑنا نیا نکالا ہمنے ان پر واجب نہیں کیا تھا یہ اُنھوں نے خدا کی رضامندی کے لیئے نکالا مگر جیسے نباھنا چاہیئے تھا نہ نباھا۔

اور لا رھبانیہ فی الاسلام بارہ سَو برس سے مشہور ہے ۔

۲۳۔ اس مقام پر چند اعتراضات متعلق مسائل نکاح و طلاق نقل کر کے اُنکا جواب لکھنا بہت ضرور ہے گو میں دیکھتا ہوں کہ مضمون طول ہوا جاتا ہے۔ مگر ان اعتراضوں سے یہ فائدہ ہے کہ عوام ملاؤں کی آنکھیں کھلیں اور

(Objections refuted).

جواب سے یہ فائدہ ہے کہ اسلام یا قرآن پر سے بیجا تہمتیں دفع ہوں اور اُس کے احکام کی خوبیاں ظاہر ہوں اور نیز جو کچھ خالص احکام قرآن اور رسوم باطلہ میں فرق ہے وہ بھی عیاں ہو جاوے ۔

| اعتراض | جواب |
| --- | --- |
| لونڈیوں کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے | ہمنے اپنی نویں دفعہ میں بیان کیا ہے کہ |

اماءکم۔ ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ" لہ + (نور ۴ ع)

اس آیت کا آخری فقرہ کہ اگر وہ لونڈی اور غلام محتاج ہونگے تو خدا اُن کو اپنے فضل سے مالدار کر دیگا اسپر دلیل ہے کہ غلام بھی اپنے مال کے مالک ہوتے ہیں اگلے زمانہ میں اور اب بھی غلاموں کی یہ خرابی ہے کہ وہ آپ کسی جائداد کے مالک نہیں تصور کیئے جاتے اور اسی وجہ سے غلاموں کے مالک اُن کو ازدواج سے بھی محروم رکھتے تھے +

اہل عرب اپنے باپ کی جوروؤں کے نکاح میں مضائقہ کرتے تھے اس طرح کہ وارث خاندان اپنی سوتیلی ماؤں کو روک رکھتا تھا تاکہ وہ دوسری شادی نہ کریں اور عیسائیوں میں ایک قسم ایسی عورتوں کی تھی جو تمام عمر بے شوہر رہتی تھیں اور ایک فرقہ ایسے مردوں کا تھا جو مذہبی امور کی پابندی سے تمام عمر نکاح نہیں کرتے تھے۔ اور پوپ اور کونسل کے فتوے اس باب میں بہت سی قباحتوں کے باعث ہوئے۔ اور اُن کی بنا نہ صرف پوپ کی بدعات اور رسوم پر تھی بلکہ پولوس مقدس کی رائے کا رجحان بھی باوجود طمطاؤس $\frac{5}{14}$ کے اسیطرف تھا دیکھو اوّل کرنتھیون باب ۷ ورس ۸ و ۲۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۴۰ +

اور جو جو قباحتیں ان بدرسموں کے پیدا ہونے میں اور جو جو قاعدے کلیسا میں بڑے بڑے عہدے پلنے والوں کے تجرد کے لیئے مقرر ہوئے اُن کی ایک بڑی تاریخ ہے۔ عیسوی مشایخ میں سے جیروم (سنہ ۴۲۰) اور امبروس (سنہ ۳۹۷) اور رومانی اسقفون میں سے داماسیوس (سنہ ۳۸۴) اور سری سیوس (سنہ ۳۹۹) اسکے بڑے حامی تھے اور سنہ ۳۰۵ء کی کونسل البریس میں ہرشپ اور ڈیکن اور پادریوں کو تجرد کا عام حکم ملا اور تولیدو کی کونسل سنہ ۵۸۹ء میں یہ حکم نکلا کہ کلرجی (پادری) کسی عورت سے مشتبہ پایا جاوے تو قاضی اس عورت کو بیچڈالے اور اسکی قیمت مسکینوں کے صرف میں لاوے۔ اسقف جرجبیں اکبر تجرد کے مسئلہ کا بڑا حامی تھا اور ایک نقل مشہور ہے کہ جب اُس نے اپنا تالاب صاف کرایا تو اسمیں چھ ہزار بچوں کی کھوپریاں

لہ اور بیاہ دو رانڈوں کو جو تم میں ہوں اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں اگر وہ ہونگے مفلس اللہ اُن کو غنی کریگا اپنے فضل سے +

کردی ہے البستہ ایک امر خاص میں تو یعنی بیٹے کا اپنے باپ کی بیووں کا وارث ہونا اس میں تو اسلام نے عورت کو ایک سخت اور شدید خراب حالت سے چھڑایا ہے اور کوئی آزاد عورت شریعت اسلام کی رو سے اپنی مرضی کے خلاف نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہو سکتی۔ مگر ازدواج کی صورت میں جو حیثیت عورتوں کی اسلام نے قرار دی ہے وہ ایک ایسی کمینی اور ذلیل مخلوق ہے جو اپنے شوہر کی خدمت کے لئے مخلوق کی گئی ہے اور بغیر ایک گھنٹہ کے پیشتر سے خبر دینے کے نکال دی جاتی ہے اور خاوند کو ایسا اختیار مطلقاً فوراً بے غور و تامل طلاق دینے کا دیا ہے مگر عورت کے لئے کوئی رعایت اس قسم کی نہیں رکھی وہ تو اپنی مرضی کے خلاف اور معطل ہمیشہ اپنے خاوند کی لونڈی بنی ہوئی اور معلق رہتی ہے۔ جب کہ درحقیقت طلاق ہو جاوے تو وہ اپنے مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے گو اِس بات کا علم کہ عورت ایسا دعویٰ

بلا استبوظن اور تعصب قرآن کے احکام سے مقابلہ کیا جاوے ÷

جو باتیں معترض نے منکوحہ عورتوں کے حق میں قرآن سے منسوب کی ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن نے ازواج کی پیدایش مردوں کی تسکین اور محبت اور رافت کے واسطے کی ہے[1]۔ اور پھر اُن کو باہم ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے[2] اور اس میں اُن کے عزیز اور گرامی اور بالکل محتاج الیہا ہونے پر اشارہ کیا ہے اور اُن سے نیک طریق پر معاشرت کرنے اور صلح قایم رکھنے کی مکرر وصیت فرمائی ہے[3] اور اُن کے حقوق کو آزادی اور اختیار اور جملہ تصرفات میں مردوں کے مساوی قرار دیا ہے[4] اور جہاں تک نیچر اور عرف نے اجازت دی ہے جیسے عورتوں پر حق ہے ویسا ہی اُن کا بھی حق ہے[5]

اور تعجب ہے کہ معترض نے طلاق کو ایسا سمجھا کہ بغیر ایک گھنٹے کی نوٹس کے بھی مطلقاً

[1] سورہ روم ۳ ع۔
[2] سورہ بقر ۱۸۲ آیت۔
[3] نساء ۵ ع۔
[4] بقر ۲۸ ع۔
[5] نساء ۳ ع۔

اُن سے ہر کوئی مسلمان بلالحاظ اپنی چاکر عورتوں کے اور بغیر کسی رسم ماقبل یا ضمانت مابعد تصرف کرسکتا ہے اور لونڈیاں بنانے کی رسم اس نامحدود اجازت کے لیئے ایک ضروری شرط ہے اور کوئی مسلمان اپنے دل سے یا خوشی سے اس کے بند ہونے پر راضی نہوگا *

قرآن مجید کے لفظ نساء میں آزاد اور غیر آزاد دونوں داخل ہیں پس ہم کے عدد سے محدود ہیں - اور یہ بھی وہیں بیان ہوچکا ہے کہ لونڈیوں سے نکاح اُس صورت میں تھا جب کہ آزاد سے نکاح کا مقدور نہو پس جبکہ ایک کا وجود دوسرے کی نفی پر موقوف ہے تو دونوں کے جمع کرنے کی کوئی صورت نہیں - اور ہمنے بعض فقہا کے قول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اذا کان تحته حرة لم یجز له نکاح الامة ( ابوحنیفة امام - تفسیر کبیر ) پس یہ اعتراض قرآن پر بیجا ہے - اور بغیر کسی رسم کے اُن کا تصرف بھی ہیں تسلیم نہیں کرتا کیونکہ فانکحوا ھن باذن اھلھن میں صاف نکاح کا حکم ہے اور پھر دوسرا فقرہ محصنات غیر مسافحات[1] اور ولا متخذی اخدان اور یہی صورتیں مداومت کی ہیں - اور ضمانت کے واسطے مہر کا تعین کنیزکوں سے ویسا ہی ہے جیسا کہ آزاد سے وآتوھن اجورھن بالمعروف اور دیدو اُن کو اُن کے مہر موافق دستور کے ( نساء ۴ ع ) اور یہ بات کہ مسلمان کبھی اس رسم ملک یمین کے بند ہونے پر راضی نہ ہونگے اسکا جواب فقہا کے ذمہ ہے *

## ۲ - اعتراض

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کی حالت میں تہذیب اور اصلاح کی - مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلام نے ازدواج کی صورت میں بہ نسبت زمان جاہلیت کے عورت کی حالت زیادہ تر ذلیل اور پست

## جواب

شریعت اسلام کے اصلاحوں کی خوبی اور خصوصاً منزلی تدبیروں کا حسن تب ہی خوب معلوم ہوتا ہے جب جاہلیت کی رسوم اور آداب نکاح اور ملکوں کے بلکہ بلادِ فرنگ کی اب تک کی رسوم ازدواج کو

[1] یعنی وہ لونڈیاں قید میں آتیاں نہ مستی نکالیں اور نہ چھپٹی بازی کرتیاں *

پس ایسا مارنا جس کی تفسیر ضرب غیر مبرح سے کی گئی ہے اور گویا طلاق کا بدل ہے عورتوں کی حالت کو نقصان اور مضرت نہیں پہونچا سکتا اور اَور جگہ قرآن میں عورتوں کو ضرر پہونچانے کی صاف ممانعت ہے۔ چنانچہ۔

ولا تمسکوا ھن ضرارا لتعتدوا (بقر ۲۹ ع)

ولا تضاروا ھن لتضیقوا علیھن (طلاق)

## ۳۔ اعتراض

استبدال زوج یعنی ایک عورت کو طلاق دینا اس غرض سے کہ دوسری سے نکاح کریں قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے صرف اس شرط سے کہ مہر پورا ادا کیا جاوے پس جبکہ مابھا السرور اسطرح پر مجبور اور مقہور اور مقید اور مہجورا ور فی الفور دفعتہً غصہ میں یا اضطراراً نکالدی جاوے تو یہ کیونکر کہا جاوے کہ شریعت اسلامی نے عورتوں کے حق میں بہبودی کی مجھے اس کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو زیادہ آزادی بہ صحت و تندرستی زیادہ عفت سے اختیار حاصل تھا۔

## جواب

ان اردتم استبدال زوج کو ایک حکم ابتدائی اور جواز استبدال کی پروانگی سمجھنا خلاف مراد کلام الٰہی ہے کیونکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ طلاق کی حالت میں زر مہر میں سے کچھ بھی لے لینا کسی طرح درست نہیں اور اس طرح کے واپس لینے کو امر ناحق اور صریح گناہ قرار دیا اور نیز اسے خلاف عہد بھی بتلایا پس اس آیت میں گو ضمناً جواز طلاق کو تسلیم کیا مگر مقصود ممانعت طلاق ہے کیونکہ جب مہر کامل ادا کرنا اور اسمیں سے کچھ بھی نہ لینا ایک حکم محکم قرار دیا اور ادھر مہر کی کوئی حد نہیں رکھی۔ بلکہ قنطار کے لفظ سے اسکی تعداد کا بے شمار ہونا ظاہر کیا تو ایسی صورت میں طلاق کے مقدمے بہت ہی کم نکلینگے گویا کہ طلاق کو ایک بڑی مشکل شرط پر موقوف رکھا تو اس کا مقصود منع طلاق ٹھہرا نہ کہ جواز اور ایک لطف یہ ہے کہ ارد تم کا لفظ فرمایا ہے جس سے وقوع طلاق کی تسلیم و تجویز نہیں نکلتی۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت سے جواز طلاق (اور وہ بھی ناپسندیدہ اور قبیح طریقے سے) میں پیش کرنا ایک ناقص شہادت ہے۔ اور اس آیت کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے طلاق کو ترویج دی ایک بڑی بے باکی ہے کیونکہ اسکا

کرسکتی ہے دفعتاً مرد کی رائے نہ بدلنے
کی ایک ناخوش روک تو ہے مگر لونڈیوں
کے حق میں یہ ناقص قید بھی نہیں ہے
اور مرد کو صرف طلاق ہی کا اختیار نہیں ہے
بلکہ حبس کرنے اور مارنے کا حکم بھی صاف
صاف دیا گیا ہے۔ دیکھو سورہ نسا کی
۳۴۔آیت٭

اور فوراً موثر ہوجاتی ہے یا کوتہ اندیشی اور
غصہ کی حالت میں فوراً نافذ ہوجاتی ہے
حالانکہ جو وجوہ اور اسباب نکاح کے قرآن
میں لکھے ہیں وہ خود ہی مانع طلاق ہیں اور
پھر صورت ناگزیر اور واقع لاعلاج جو باعث
فساد منزل اور موجب انفکاک نظم ہو اُس سے
ایک یا دو مرتبہ کی طلاق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ
ایک بڑی مدت فکر اور تامل کے واسطے مقرر
فرمائی اور اُس میں صلح کی ترغیب دی اور پھر عدت اور رجعت اور تیسرے مرتبہ میں اسبات
کی تخویف فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ سب تدبیریں طلاق کے
حفظ اور ضبط کیواسطے ہیں۔ اور مرد کی رائے بدل جانے کا تدارک طلاق نہیں قرار دیا بلکہ
جھگڑے اور ناخوشی کے رفع دفع کرنے کی تدبیریں اَور ہیں جو ۱۸ دفعہ کی ۳ ضمن میں
بیان ہوئی ہیں٭

اور یہ بھی عجب ہے کہ معترض نے اِس بات سے انکار کیا کہ گویا طلب طلاق کا عورت
کو اختیار نہیں دیا گیا حالانکہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ میں صاف مسئلہ خلع کا
بیان ہے٭

اور جو عورت کے معلق رہنے یا عموماً معروض علیہا ہونے میں لکھتے ہیں وہ بھی خلاف
تصریحات قرآنی ہے کیونکہ ہر جگہ حسن معاشرت پر تاکید ہے فعاشروھن بالمعروف
(۴ ح ۱۴ ع) اور بالتخصیص اسی مقدمہ میں یہ بھی فرمایا فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا
کالمعلقہ اور یہ بھی عجب ہے کہ لونڈیوں کے حق میں ادا مہر کی شرط نہیں حالانکہ واتوھن
اجورھن بالمعروف (۵ ح ۲ ع) ہر کوئی قرآن میں پڑھ سکتا ہے٭

اور نشوز کی حالت میں کمال حکمت اور مصلحت ہے پہلے نصیحت کر دینا اور اگر اس سے
اصلاح نہ ہوسکے تو ہجرت فی المضاجع اور جب یہ تدبیر بھی فساد منزلی کی اصلاح کو کافی نہ ہو تو
بنا چاری اور مصلحتاً تادیب بھی مناسب ہے اور یہ سب صورتیں طلاق کی تدبیر سے
بہت ہی نرم اور کم ہیں نہ کہ خوردہ گیری کے لایق٭

کی حیثیت سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قید و بند
تو اُن پر ایسی ہے گویا کہ وہ منکوحہ ہیں
مگر حقوق زوجیت سے وہ صاف صاف
محروم ہیں وہ بالکل اپنے مالکوں کے اختیار میں
ہیں صرف ایک صورت مخلصی کی یہ ہے کہ
جب وہ ام ولد ہو جاوے تو بک نہیں
سکتی اور مالک کی وفات پر آزاد ہو جاتی
ہے سو بھی قرآن شریف میں نہیں ہے
ماریہ قبطیہ کی مثال پر قیاس کیا جاتا
ہے +

ہے اور وہ بھی مصلحت سے خالی نہ تھی
یعنی جس شخص کو نکاح آزاد کا مقدور نہو
اور بے نکاح رہنے میں زنا کا اندیشہ ہو
مگر با اینہمہ پھر بھی لونڈیوں کے نکاح سے
اجتناب ہی بہتر قرار دیا چنانچہ فرمایا کہ
"وان تصبروا خیر لکم" +
(دیکھو اس مضمون کی ۹ دفعہ)

# ۵۔ اعتراض

طلاق کے قاعدوں میں ایک قاعدے
کی نسبت بے بولے رہا نہیں جاتا کہ ایک
خاوند دو مرتبہ طلاق دیکر تو پھر سکتا ہے
مگر تیسری مرتبہ کے بعد پھر نہیں سکتا اور
یہ فعل کیسا ہی ناحق اور مضر ہو اور کیسے ہی
غصہ کا نتیجہ ہو اور اس سے کیسا ہی کچھ نہ
اُس بے جرم عورت کو۔ نہیں بلکہ اس کے
معصوم بچوں کو اثر پہونچتا ہو اور وہ شوہر
بھی کیسا ہی کچھ اس ظلم کی اصلاح چاہتا ہو مگر
اب وہ منسوخ ہی نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ
وہ طلاق دی ہوئی عورت ایک سخت شرط
پر پھر آسکتی ہے کہ پہلے اسکا کسی اَور سے
نکاح ہو اور یہ بھی اسے طلاق دیدے (بقر ۲۳۰) +

# جواب

طلاق بائن کی جو اخلاقی اور منزلی اور
تمدنی قباحتیں بیان ہوئی ہیں وہ احکام قرآنی
پر عاید نہیں ہوتیں۔ قرآن میں پہلے ہی اس
کوتہ اندیش تنک مزاج تلون طبع خفیف الحرکت
سبکسر مرد کے غیظ و غضب اور جوش و خروش
اور عدوان کا علاج کر دیا ہے اور کئی تدبیریں
اسکے روک تھام کی مثلاً عدت کا مقرر
ہونا اور ظاہر ہے کہ اتنے عرصہ دراز میں
وہ شخص اچھی طرح اپنے ارادہ سے پشیمان
ہو کر باز آسکتا ہے اور نیز یہ کہ مدت عدت
تک دونوں ایک ہی جگہ ایک ہی مکان
میں رہیں جو خاص اس غرض سے تھی کہ دونو
میں باہم صلح ہو جاوے۔ پھر اس عدت کے

مقصد یہ نہیں کہ تم طلاق دیا کرو بلکہ محل کلام یہ ہے کہ زر مہر میں سے کچھ نہ لیا کرو۔ گو ایسا موقع اُسی وقت پیش آویگا جبکہ طلاق ہوگی۔ مگر اس حکم کی منشاء دیکھنی چاہیئے کہ طلاق کے جواز کو صرف ضمناً تسلیم کرلیا ہے نہ یہ کہ اس سے اسکو بالاستقلال جائز کیا ہو اور اسی لیئے آرادتم کا لفظ بھی کہا اور محاورات میں بسا اوقات ایسا بول جاتے ہیں کہ نتیجہ میں گفتگو کرنی منظور ہوتی ہے تو سبب کا ذکر فرض و تسلیم کی صورت میں ہوجاتا مگر اس سبب کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہوتا۔

اور درحقیقت اس آیت میں اِس متلون مزاج ناعاقبت اندیش کی چھچھوری حرکت پر جو گھڑی میں گھر بناوے اور گھڑی میں بگاڑے تنبیہ کردی ہے تاکہ وہ بلا سبب اور بغیر ضرورت محض لذت حاصل کرنے کے لیئے استبدال زوج چاہتا ہو۔ اس صورت میں یہ حکم اس ارادہ کا قوی مانع ہوگا۔ پس ان سب تقریروں کے خلاصہ میں ہم کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے آداب میں بلکہ یہود اور رومن کی رسوم میں بھی عورت کی ذات بہت بدتر کتر ذلیل تر حالت میں اکثر بے اختیار اور قیدی کی طرح بسر کرتی تھی اور حسن معاشرت کے بہت سے فائدے اور زوجیت کے بہت سے حقوق سے محروم رہتی تھی اور انگلستانی رسمیں ابتک اسکے حق میں سخت اور شدید ہیں مگر اسلام کے شارع نے احکام قرآن میں عورتوں کی حالت کو ایام زوجیت اور بیوگی میں اگلے زمانہ کی حالتوں سے کہیں بڑھکر بہتر اور برتر کردیا۔ اور عدالت کے حکم اور عاشروھن بالمعروف کی وصیت اتامروا بینکم بالمعروف کے فتوے سے اس سے زیادہ خوشحال اور فارغ البال کردینے سے اس اصلی غرض کو جسپر محصنین غیر مسافحین میں اشارہ کیا ہے اس قدرتی تسکین اور باہمی اطمینان کو جو ھن لباس لکم سے مراد ہے بڑے کامل طور سے پورا کیا۔

## ۴۔ اعتراض

اور لونڈیوں کے حق میں جو مسلمانوں کی غلامی میں ہوں دشوار ہے کہ اُن کی حالت مذلت سے زیادہ جنس انسان کی اَور کوئی حالت قیاس میں آ سکے ان سے تو کمترین مخلوقات

## جواب

لونڈی اور غلام کی کامل آزادی اسلام میں ہوچکی ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے مگر یہاں پر اسیقدر کافی ہے کہ اس وقت میں کنیزوں سے تجویز کی تجویز ایک شاذ و نادر صورتمیں

شریعت میں بھی مطلقہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی - مؤبدا (سمارہ ۲۴/۴۴) مگر قرآن کی نظر میں اتفاق کو ترجیح ہے افتراق پر +

۴۲ - حیف ہے اگر اس مقام پر جناب پیغمبر صلعم کی خاص ازواج طیبات کے احکام نہ بیان کیئے جاویں گو اس تحریر کی وضع سے یہ بحث خارج ہو +

ہر ایک انسان کی عقل ضرور اس امر کی طلبگار ہوگی کہ مصلح قوم اور ہادی انام نے (جسنے ایسی حکمت اور مصلحت کے احکام جاری کیئے اور زمانہ جاہلیت کی رسوم قبیحہ اور عادات ضارہ کو روکا اور کم کیا) خود اپنا نمونہ کیسا دکھلایا - اور بالضرور ہر ایک شخص کا وجدان اسپر گواہی دیگا کہ ناصح ملت اور مہذب مذہب خود بھی ایک نمونہ ہونا چاہیئے - تمام اخلاق اور حسنات اور خیرات کا تاکہ لوگ اُس سے نفرت نکریں اور یہی امر اصل ہے مسئلہ عصمت کی +

جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام ازدواج عجب حکمت کے احکام تھے جن سے ہم اب بھی اس بات پر استدلال کر سکتے ہیں کہ کسی متنبی سے ایسے احکام صادر ہونے کی توقع اور احتمال نہیں کیونکہ یہ احکام بڑی تنگی اور قید نفس اور حرمان شدید کے ہیں - اوایل سورہ نساء کی آیت (جس میں عورتوں کی حد مقرر ہے) نازل ہونے سے پیشتر[1] جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ حکم ہوا تھا کہ ازواج موجود (جن کا عدد بعد کی مقررہ کی ہوئی نصاب سے زیادہ تھا) حلال ہیں (تنزیل میں بھی ان کی حلت کو ظاہر

---

[1] یہ بات کہ سورہ احزاب پہلے نازل ہوئی نساء سے اُس کے ثبوت میں یہ دلیلیں ہیں (۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برهان الجعبری کا ایک شعر یہ ہے -

الاحزاب مایدة امتحان والنساء + مع زلزلت ثم الحدید تاملا

(۲) ابن ضریس نے فضائل القرآن میں ابن عباس سے روایت کی ہے اسمیں مدنی سورتیں اس طرح پر ترتیب دی ہیں :- ثم البقرة ثم الانفال ثم ال عمران ثم الاحزاب ثم الممتحنة ثم النساء الخ'

(۳) بیہقی نے عکرمہ سے روایت کی ہے دلائل النبوة میں اس میں مدنی سورتوں کی ترتیب اس طرح پر ہے ویل للمطففین والبقرة وال عمران والانفال والاحزاب والمائدة والممتحنة والنساء الخ

مسلمانوں کی حیا و غیرت کا اسی پر قیاس
کر لیا جاوے کہ مطلقہ بائن کے پھر جائز
ہونے کے لیئے ایک مستحل یعنی عارضی شوہر
گویا اُجرت پر رکھ لیا جاتا ہے اسکی ایک
مثل مشہور ہو گئی ہے الف عشق و لا
مستحل +

بعد بھی ضرور نہیں کہ طلاق ہی دیجاوے
بلکہ اختیار ہے کہ یا رخصت کریں یا رہنے
دیں تو کیا اتنے عرصہ میں اور ان تدبیروں
پر بھی تلون مزاج کی دفعتاً طیش اور غضب سے
باز آنے کا موقع نہ ملیگا اور کیا اب بھی
وہ اپنی مجبوری اور بے سببی کا عذر
کر سکتا ہے اور کیا اتنی مدت تک اسکی
بدخوئی مستمر رہیگی - پس ان تینوں طلاقوں میں (الطلاق مرتان) اے علی التفریق
دون الجمع ++++ فان طلقها (اے ثالثة) (فلا تحل له) جو جُدا جُدا اک
عرصہ معتد بہ کے بعد ہوں شریعت نے کوئی عذر اور حیلہ ناگہانی قصد اور فلتہ ناخوشی کا
اُٹھا نہیں رکھا کہ جس سے اب جلد بازی اور تیز مزاجی پر ندامت اور افسوس ہو بلکہ اک
اختیاری فعل ہے کہ اُس کا الزام اپنی ہی عقل و تمیز پر ہو سکتا ہے +

اور حلالہ کا حکم بھی اس رسم طلاق کے گھٹانے اور کم کرنے کی نظر سے ہوا ہے اور
بیشک اُسکی رسوائی کسی صاحب غیرت کو ایسے ارادہ پر جرأت نہ کرنے دیگی یعنی کوئی حمیت
نہ طلاق بائن دیگا نہ حلالہ کی رسوائی اُٹھائیگا - اور محلل له اور محلل کی شناعت
پہلے ہی بیان ہو چکی ہے - ابھی ہم حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھتے ہیں لعن رسول اللہ صلعم
المحلل و المحلل له +

اور یہ تو ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ گویا شریعت نے اس بے جرم صاحب عفت
کی پردہ دری اس رسم گوارا کی ہو کیونکہ مستحل صرف اس عورت کو اس غرض سے کہ وہ اگلے
شوہر کو اس حیلہ سے حلال ہو جاوے پہلے ہی سے ارادہ کر کے تھوڑی دیر کے لیئے
نکاح کرے تو وہ ہرگز درست نہو گا کیونکہ نکاح میں تو مداومت اور تحصین اور عدم سفاح
اور تعاون فی العشرت اور باہم کی تسکین اور اتحاد مراد اور مقصود ہے تو ایسی صورت میں
محلل کا نکاح دائمی ہو گا جب تک کہ کوئی ایسی ہی ناگزیر ضرورت طلاق کی جن کا بیان
آگے ہو چکا ہے پیش نہ آوے - پس اس عورت کا بائن ہونے کے بعد حلال نہ ہونا اُس
مرد کے لیئے سزا ہے کہ اُس نے عہد الٰہی اور قانون قدرت کی رعایت نہ کی سو سوی

خالصة لك من دون المؤمنين ط قد علمنا ما فرضنا عليهم في ازواجهم وما ملكت ايمانهم لكيلا يكون عليك حرج ط (احزاب ۴۹) یعنی ہمنے حلال کیں تجھ کو تیری عورتیں (یا ہم جائز کر چکے ہیں تجھ کو تیری عورتیں) جن کے مہر تو دے چکا اور جن کا تو مالک ہو چکا فی کے ذریعہ سے (اب جو مہر دے چکنے کی وجہ سے حلال نہیں اُن کی تفصیل ہے) تیری چچا زاد اور پھوپی کے قبیلہ کی عورتیں اور ماموں زاد اور خالہ کے قبیلہ کی عورتیں جنھوں نے ہجرت کی تیرے ساتھ۔ اور وہ عورت جس نے اپنے آپ کو عرض کیا فیئی پر اور نبی نے بھی چاہا اُس کو نکاح میں (مراد خدیجہ رضی اللہ شاید) (یہ احکام جن میں اس وقت موجود عورتوں کے جائز رکھنے کا حکم ہے اس طرح پر کہ عین ان عورتوں کا اور ذات شخصیہ اُن عورتوں کی حلال ہو چکی اس حیثیت سے کہ اُن میں تغیر اور تبدل نہو سکے) خاص تیرے ہی لیئے (تاکہ تو ضبط اور ریگیس نمونہ ہو اوروں کو اور تاکہ اُس سے ظاہر ہو تیری عدم متابعت نفس اور مجبوری احکام الٰہی کی گو وہ خلاف ہوں خواہش ہائے بشری کے) سوائے سب مسلمانوں کے (کیونکہ) ہمکو معلوم ہے جو اُن پر حکم ہوا ہے اُن کی نسبت جو اُن کی عورتیں ہیں اور اُن کے ہاتھ کے مال ہیں (مسلمان لونڈیاں) (وہ یہ کہ اُن کے لیئے ذات معین نہیں اور اُن میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی معروف طور پر ہو سکتی ہے مگر تیرے لیئے خاص اُن عورتوں کی تخصیص ہے جن میں کمی بیشی اور تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا) تاکہ تجھ پر گناہ نہو (اُن خوردہ گیروں کی نظر میں جو محض کثرت پر نظر کر کے طعن کریں کہ نبی نے متابعت نفس کے لیئے ایسا کیا حالانکہ اصل حقیقت اُن کی فہم کے خلاف ہے چنانچہ پھر فرمایا) مگر۔

---

[۱] یعنی سورہ فرقان اور مومنون اور بقر میں جو کچھ ازواج کی نسبت احکام اور وصیت ہوئی۔ اور یہ سورتیں مقدم ہیں احزاب پر دیکھو قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول اور ابن ضریس کے رسالہ فضائل القرآن میں ابن عباس کی روایت۔

فرمایا گیا ہے [۱] اس طرح پر یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اُجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک [۲] وبنات عمک و بنات عماتک [۳] وبنات خالک وبنات خالاتک التی ھاجرن معک [۴] وامراۃ مومنۃ ان [۵] وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا

[۱] اس اظہار تحلیل سے یہ نہیں لازم آتا کہ اب تک جو کچھ ہوا وہ غیر حلال تھا کیونکہ ابتک جو ہوا تھا اُس کی حلت سنت یعنی فعل رسول اور انبیاء سابقین کے دستور اور قوم کی رسم اور قانون قدرت کی مطابقت سے ہوا تھا اور اب اسی تحلیل کا اظہار ہوا باین معنی کہ ہم حلال کر چکے ہیں ان کو مگر آیندہ الخ ۔

اور ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں نزول حکم متاخر ہے اور عمل متقدم مثلاً آیۂ وضو جو بالاتفاق بعد ہجرت نازل ہوئی مگر اس کا حکم مکی ہے ایسی ہے آیت جمعہ جو مدنی ہے مگر جمع کی فرضیت مکی ہے ایسے ہی فرضیت زکوٰۃ کا حکم بہت متاخر ہے اور اسکا عمل اوایل ہجرت سے ہے دیکھو اتقان میں ایک خاص باب اسی بیان میں ہے ما تاخر نزولہ عن حکمہ ( نوع ۱۲ )

اور یہاں تو سب صیغے ماضی کے ہیں اور وہ بھی امر کی صورت میں نہیں ہیں بلکہ خبر کے طور پر ہیں پس یہ آیت سابق ہی کی حلت ظاہر کرتی ہے ۔ آیندہ کیواسطے کوئی حکم نہیں دیتی ۔

[۲] تفسیر جلالین میں مما افاء اللہ کی تفسیر میں صفیہ اور جویریہ کا نام لکھا ہے اور دونوں مشہور ہے کہ آزادی کی حالت میں نکاح میں آئیں +

[۳] بنات عم سے نساء قریش مراد ہیں ۔

[۴] بنات خال سے نساء بنی ظہرہ مراد ہیں ۔

[۵] "ان وھبت" ۔ کوئی ایسی عورت مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی ۔ عن عبد اللہ ابن عباس ومجاھد لم یکن عند النبی امراۃ وھبت نفسھا منہ ۔ (معالم التنزیل) اور نہ اس میں کوئی حکم مستقبل کا ہے ۔ کچھ ضرور نہیں کہ اُن شرطیہ ہو محتمل ہے کہ "قد" کے معنی میں ہو اور تعلیل کے واسطے ہو ۔ پس حضرت خدیجہ مراد ہونگی اور نکرہ ممکن ہے کہ تعظیم کے لیے ہو +

حسنہن الاما ملکت یمینک[۱] ط (احزاب ۴۱) +

یعنی اسوقت سے سب عورتیں تجھ پر حرام ہیں اور اس لیئے اُن عورتوں سے کے (جن کا ذکر ہوا) بدلے اور عورتیں کرنی بھی (ایسی حالت میں کہ اُن میں کوئی مرجا وے یا

---

کے قول کو پھیر پھار کر اپنے ہی مطلب پر لاویں تو اُس کے معارضہ میں ہم انس کا قول پیش کرینگے جو کہتا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتے تک وہی حرمت کا حکم جو لا یحل لک النساء من بعد میں تھا قائم رہا چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال انس ومات علی التحریم۔

تفسیر فتح صفحہ ۵۲

تائید الاسلام مطبوعہ ۱۸۵۳ء کے ص ۱۰۸ و ۱۰۹ میں دو روایتیں ترمذی سے اس مطلب کے لیئے نقل ہوئی ہیں کہ سورہ احزاب کی ۴۱ آیت کے بعد ۳۹ - آیت نازل ہوئی یہاں زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں مگر اسقدر تنبیہ کرنی ضرور ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن ہیں اور حسن صحیح سے کمتر ہے۔ اُس کے راوی درجہ عدالت تک نہیں پہونچے گو فاسق بھی نہ ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ روایتیں صرف عبدالحمید بن بہرام کے واسطے ہیں اور اُس نے عبداللہ بن موسیٰ سے روایت کی ہے مگر عبد بن حمید کی روایت جو منقول ہے وہ وہ ہے جو شہر بن حوشب سے ہو چنانچہ ابو عیسےٰ ترمذی نے ان روایتوں کے بعد لکھا ہے سمعت احمد بن الحسن یذکر عن احمد بن حنبل قال لاباس بحدیث عبد الحمید بن بھرام عن شھر بن حوشب انتھی۔ پس وہ روایتیں کبھی اس لائق نہونگی کہ وہ نظم و ترتیب قرآن کو مختل کردیں یا کسی واہیات اور منکر مضمون کی اُن سے تائید ہوسکے +

[۱] ایک مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ گو اس آیت میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ازواج کی اجازت نہ ہوئی مگر ملک یمین میں تو آزادی حاصل ہے۔ اس مقام پر جو لفظ اڈلیبی ٹم اصل اعتراض میں ہے وہ تو ایک تیر جگر دوز ہے۔ مگر عامہ مسلمین کو اسکی کیا پرواہے۔ الا در حقیقت کوئی یہ پوچھے کہ حضرت ملک یمین لغت کی راہ سے لونڈی کو کہتے ہیں یا یہ لفظ منقول شرعی یعنی فقہا کی اصطلاح ہے۔ پہلی صورت کی سند لائیے اور دوسری صورت میں قرآن کے الفاظ کو فقہا کی اصطلاح پر محدود و محمول نہ فرمائیے۔ ابی العالیہ اور سعید بن جبیر اور عطا اور سدی متقدمین مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ملک یمین نکاح میں پائی جاتی ہے (دیکھئے تفسیر مجمع البیان اور نیز تفسیر کبیر) پس چونکہ مضمون عدم

"لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک

لہ من بعد التسع وھو فی حقہ کالاربع فی حقنا او من بعد الیوم حتی لو ماتت واحدۃ لم تحل لہ نکاح اخری (بیضاوی)

بعضے لوگوں کو اس آیت میں بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے - یعنی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں مگر قطع نظر اس سے کہ نسخ قرآن میں ہوا ہے یا نہیں ایک آفد لطف یہ ہے کہ اس کا ناسخ اس سے پہلے ہے - ان ھذا لشیٔ عجاب - حالانکہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اسپر اجماع بھی ہے - اور یہ بتواتر ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے قرآن پڑھتے تھے جس طرح اب آیتیں مرتب ہیں - پس ممکن نہیں کہ اُن آیتوں کی ترتیب میں ایسی صریح تاریخی غلطی ہوگئی ہو - علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں - الاجماع والنصوص المترادفۃ علی ان ترتیب الایات توقیفی لا شبھۃ فی ذلک اما الاجماع فنقلہ غیر واحدۃ منھم الزرکشی فی البرھان وابو جعفر بن الزبیر فی مناسباتہ وعبارتہ ترتیب الآیات فی سورھا واقع بتوقیفہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ من غیر خلاف فی ھذا بین المسلمین - انتھے - اور پھر قاضی ابوبکر (الباقلانی) کا قول نقل کیا ہے - ان الآیۃ ضبطت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب ای کل سورۃ ومواضعھا وعرفت مواقعھا کما ضبط عنہ نفس القرآن وذات التلاوۃ الخ -

علاوہ ازیں جس آیت کو اُس کا ناسخ ہونا تفسیر بیضاوی کمالین اور معالم میں نقل کیا ہے یعنی ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء اس میں ایک حرف بھی اسپر دلالت نہیں کرتا کہ ازواج موجودہ کے سوا اُن کے غیر سے نکاح کیا جاوے - بعض نے اَور بھی ترقی کرکے یہ کہا ہے کہ اس ۵۱ - آیت کی اَور بھی پہلے کی یعنی ۴۹ - آیت اسکی ناسخ ہے - لاحول ولا قوۃ - نسخ کیا ہوا ایک ویا ہے کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی - بلا دلیل اور بغیر ضرورت اُلٹی سیدھی باتیں خلاف تحقیق جو جی میں آتا ہے صرف بات کی پیچ پر کہدیتے ہیں - البتہ رجاء بالغیب ایک قول حضرت عائشہ کا نقل کرتے ہیں کہ ما مات رسول اللہ حتی احل لہ النساء یہی الفاظ ہیں تفسیر کشاف وکبیر اور صحیح ترمذی کے اور اس سے کوئی حرف زیادہ نہیں ہے اور یہ سچ ہے اسمیں اشارہ ہے اسپر کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج کی حلت تنزیل میں ظاہر ہو چکی ہے پس نسخ کا مذکور تو کہیں خواب وخیال میں بھی نہیں ہے - اب اگر اسپر بھی نہ مانیں اور حضرت عائشہؓ

مسلمانوں کی نسبت زیادہ دقت اور قید اور ممانعت تھی اور ایسا ہی شان نبی کے لایق بھی تھا۔ پس یہ صریح امتناعی احکام اور قہر نفس اور تحصین شدید کے جو مقتضائے بشریت پر صبر اور میلان قلبی پر جبر کرنے کے ہیں اُن سے صاف ثابت ہے کہ جناب پیغمبر صلعم نے جیسے اُور احکام تنزیل وحی کے مسلمانوں کی عفت اور پرہیزگاری کے بیان فرمائے اُن سے زیادہ اپنی مخالفت نفس کے احکام ظاہر فرمائے ❊

اس تقریر سے ڈین پریڈو اور فانڈر صاحبوں کے اعتراضات تو باطل ہو ہی گئے مگر بعض نافہم مسلمان جو اسلام کے نادان دوست ہیں اُن کی رکیک توجیہات اور خام خیالات بھی باطل ہو گئے وللّٰہ الحمد علیٰ ذالک ❊

۲۵- اور منجملہ برکات اسلام ایک یہ ہے کہ اپنی جان کی حفاظت اور مہلکوں سے صیانت کا حکم ہے ❊

Suicide and gladatorial shows mitigated.

(۱) ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[1] - (بقر ۱۹۱)

(۲) ولا تقتلوا انفسکم - (۵ ح ۲ ع) ❊

خودکشی جیسے اس پچھلی آیت میں اشارہ ہے

جاہلیت کے زمانہ میں عرب و روم وغیرہ آباد ملکوں میں جہاں سیاست اور قانون بنے تھے بے روک ٹوک جاری تھی اور بعضی صورتیں آپ سے آپ مر جانے کی عبادت میں داخل تھیں ❊

ایک ڈوایل کی رسم ممالک فرنگ میں عجیب رسم تھی کہ دو آدمی باہم مقاتلہ کرتے تھے اور گواہ بھی حاضر رہتے جو اُن کے ہاتھ میں آلات حرب دیتے اور انتظام کرتے تھے۔ اور اسکی بنا یہ اعتقاد ہوا کہ ضرور ہے کہ خدا ظالم کو بلا واسطہ سزا دے اور مظلوم کی نصرت کرے۔ چنانچہ یہاں تک یہ رسم بڑھی کہ مقدمات حقیقت میں اسی رسم کو محک عدالت اور عیار حقیقت قرار دیا۔ اگر ایک اُفتادہ زمین پر تنازع ہے تو اُنھوں نے کہا

---

[1] افضل العلما راڈویل صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلعم نے بالکل رائے کی آزادی کی تعلیم دی۔ انتہی۔ درحقیقت رائے کی آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور اُس کا ثمرہ قوم اور ملک کی اصلاح پر بہت مفید ہے ❊

طلاق پالے ) حرام ہوئیں گو اَوروں کی صورت پسند بھی ہو (تب بھی تجھ کو یہ سخت قید اور بند اور شتہیات نفس کے خلاف بلکہ میلان قلب کے بھی خلاف حکم دیا گیا جس میں نبی کا ضبط اور سایر مسلمین سے عفت اور مخالفت نفس میں استقلال اور برتری ظاہر ہو اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ کوئی جھوٹا آدمی ایسے احکام اپنی غرض کے خلاف صادر نہیں کر سکتا ) - مگر یہ حرمت اُن عورتوں سے متعلق نہیں ہے جو تیری ملک نکاح میں آچکی ہیں (کیونکہ پہلے سے فعل نبی اور عطاے مہر سے نکاح میں بطور معروف آچکی اور پچھلی آیت میں ان کی تحلیل بھی ظاہر ہو چکی ہے ) ٭

پس اب اس بیان سے ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ اس پہلی آیت میں (احزاب ۴۹ آیۃ) نہ تو کسی نئی بات کی ایجاد ہے اور نہ کسی امر غیر موجودہ کے پیدا ہونے کا حکم اور نہ آیندہ کو کسی نئی بات کا استحقاق ہے اور نہ کوئی مفید مطلب پروانگی ہے اور جو کچھ تخصیص من دون المومنین ہے وہ ممانعت اور قید کی صورت ہے نہ کہ آزادی اور بے قیدی کی کیونکہ عوام مسلمین کے لیئے صرف عدد کا تعین تھا نہ کہ منکوحات کا اور ممکن ہے کہ موت یا طلاق کی صورت میں ہمیشہ ادل بدل ہوتا رہے مگر جناب پیغمبر صلعم کی نسبت تخصیص تھی منکوحات کی کہ نہ تو ان عورتوں سے زیادہ کوئی اَور نکاح کر سکتے تھے اور نہ اُن کے بدلے میں نکاح کر سکتے تھے - پس ظاہر ہے کہ جناب پیغمبر کو نکاح کے باب میں اَور

---

حلت نسوان زنان موجودہ و منکوحہ پر بھی حاوی تھا کہ اس وقت کے بعد سے تمپر عورتیں حلال نہیں - اس لیئے الا ما ملکت یمینک کہنا ضرور ہوا کہ جو عورتیں ملک نکاح میں آچکی تھیں وہ مستثنی رہیں -

اور ملکت جو ماضی کا صیغہ ہے وہ تو حقیقت میں ماضی پر دلالت کرتا ہے اُسکو مستقبل پر حمل کرنا مجازی طور پر ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کے لیئے کوئی قرینہ صارف عن الظاہر ضرور ہونا چاہیئے - ایک صاحب فارسی کا یہ شعر تو پڑھتے ہیں - چار جا ماضی بیاید معنیش مستقبلہ الخ - مگر کوئی صاحب حقیقت سے عدول کرنے کی ضرورت شدید اور مانع قوی اور قرینہ واضح بیان نہیں کر سکتے - اور ظاہر ہے کہ صرف بیاید کچھ کام نہیں آسکتا -

فتدبر و لا تکن من الجاہلین و تامل حتی یاتیک الیقین -

اس میں کوئی جنس انسان کی ایسی باقی نہیں رہی جس پر اسلام نے شفقت کرنے اور نیکی سے پیش آنے کا حکم نہ دیا ہو۔ نہ صرف ایک یا دو ہی جگہ بلکہ مختلف طور سے اور جُدا جُدا تقریب سے ان احسانات اور خیرات کو بیان فرمایا ہے ؛

(ج) "ما انفقتم من خیر (۲) فللوالدین (۳) والاقربین (۴) والیتامیٰ (۵) والمساکین (۶) وابن السبیل"۔ (۲ ح)

(د) " (۲) وبالوالدین احسانا واما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلٰھما فلا تقل لھما اُف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما۔ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً"۔ (۱۵۔ ح)

اور ماباپ سے نیکی کرو اور جو کوئی ان دونوں میں سے بُڈّھا ہو جاوے تو نہ گھُرک اور نہ جھڑک اُن کو اور اُن سے ادب کی بات کہہ۔ اور جُھکا اُن کے آگے کندھے عاجزی کر کے پیار سے اور کہہ اے رب اِن پر رحم کر جیسا پالا اُنھوں نے مجھے چھوٹا سا "؛

(ﮦ) " وات (۳) ذی القربیٰ حقہ (۵) والمساکین (۹) وابن السبیل"۔

یعنی اور دیدے پالنے والوں کا حق اور محتاج کا اور مسافر کا (ایضاً)

(و) " ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا (۴) اولی القربیٰ (۵) والمساکین (۹) والمھاجرین فی سبیل اللّٰہ"۔ (نور)

اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں سے اور کشایش والے کہ ناتے والوں محتاجوں اور خدا کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کو مال نہ دیویں۔

(ز) " ووصینا الانسان (۲) بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھاً ووضعتہ کرھاً"۔ (احقاف ۲ ع)

اور ہمنے تقید کیا ہے انسان کو اپنے ماباپ سے بھلائی کا پیٹ میں رکھا اُسکو اُسکی مانے تکلیف سے اور جنا اُسکو تکلیف سے ؛

(ح) "فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبہ (۱۱) فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ (۴) یتیما ذا مقربۃ او (۵) مسکینا ذا متربۃ" ؛

اور انسان نہ ہمک سکا گھاٹی کو اور وہ گھاٹی کیا ہے ۔ آزاد کرنا غلام کا یا کھانا کھلانا بھوک کے دن میں لے پاپ کے لڑکے کو جو ناتے دار ہے یا محتاج کو جو خاک میں رُلتا

کہ آؤ لڑلیں جو مرجاوے وہ غیرحق پر تھا - کیا خوب عدالت تھی اور کیا اچھا فیصلہ ہوتا تھا اسلام میں شروع سے اُسکی اصلاح ہوئی اور صرف گواہوں پر یا قسم پر عیار عدالت قرار پایا اور نیز ذاتی تنازعات خارج از عدالت بھی اسی ڈوایل سے طے ہوا کرتے تھے - اسلام میں بہت اُڑکے ہوا تو مباہلہ ہوا *

کہتے ہیں کہ سنہ ء میں جرمن گنڈیبالڈ بادشاہ نے اس رسم کو قسم کی جگہ فصل خصومات میں مقرر کیا - ان دونوں قسم کے ڈوایل یعنی ایک تو عدالت کی حیثیت سے دوسری مغایر عدالت کئی طرح پر جاری رہی یعنی تلواروں سے لڑنا اور پستولوں سے گولی مارنا - اور دو اینٹی ایک زہر آلود ایک روٹی کی بنی ہوئی کھلانا - انگلستان کے بادشاہوں نے آخر زمانہ میں اس رسم کے بند کرنے کا بڑا اہتمام کیا لیکن فرانس میں اُس کا رواج کثرت سے رہا *

۲۶ - اور کئی ایک احکام بڑی تاکید سے ہر ایک طبقہ کے انسان سے نیکی اور رعایت کرنے کے قرآن میں بکثرت ہیں -

(۱) وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (نساء ع ۵)

پھر سورہ بقر میں ہے -

(ب) "واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسایلین وفی الرقاب" - (۲ - ح)

Islam inculcates to show kindness to parents, to kindred, to orphans, to poors, to neighbours whether kinsmen or strangers, to a fellow traveller, to wayfarers, to slaves and captives &c.

اس میں (۱ و ۲) والدین سے نیکی کرنی (۳) رشتہ داروں سے (۴) یتیموں سے (۵) محتاجوں سے احسان کرنا (۶) پروسی ناتے والے سے (۷) اور بیگانے پروسی سے (۸) اپنے رفیق سے (۹) مسافر سے (۱۰) غلاموں سے خادموں سے (۱۱) قیدیوں سے نیک سلوک کرنا اور اُن کو اپنا مال دینا بڑی تاکید سے واجب قرار دیا ہے *

ابھی آزاد کردو تو اُن کو اقرار لکھدو اگر ان میں نیکی دیکھو اور دو اُن کو اللہ کے مال سے جو تمکو دیا ہے ؛

اور جب مالک سے اس طرح اقرار نامہ ہوجاوے تو پھر سب پر (جنمیں مالک بھی ہے) واجب کیا کہ اس کا زر کتابت پورا کردیں اور مالک کو بھی لازم ہوا کہ اس اقرار میں سے ایک مقدار کثیر چھوڑ دے چنانچہ کلبی اور مقاتل اور نخعی نے یہی تفسیر کی ہے اور امام شافعی رح کا

فیصلہ

سب قراین پر نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتابت واجب ہے اور درحقیقت یہ بڑی فضیلت ہے اسلام کی ؛

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ امر مندوب ہے اُن کی واہیات سی حجت اور نامعقول سا قیاس ہے وہ کہتے ہیں کہ مکاتب کرنا اور بیچ ڈالنا برابر ہے اور بیع کرنا واجب نہیں ہے تو مکاتب کرنا بھی واجب نہ ہوگا گو مستحب ہو مگر افسوس کہ انھوں نے حکم کتابت کی خوبی نہیں پائی۔ ان کے ذہن اور طبیعتیں ایسی پست اور دبی ہوئی ہیں کہ انسان کی بھلائی اور فطرتی آزادی اور غلاموں کے آزاد کرنے کے محاسن اور اسلام کا مقصد اصلی غلاموں کے حق میں رعایت اور احسان کرنا اور اس امر خاص میں تمام دنیا کے مذاہب اور شرایع پر فوقیت اور فضیلت پانا اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ کتابت کے معاملہ کو بھی اُنھوں نے قرضہ کا سا معاملہ سمجھ لیا حالانکہ انھیں کے اصول موضوعہ پر کتابت کا روپیہ کوئی دین صحیح نہیں ہے کیونکہ آقا کا غلام پر کوئی قرضہ نہیں ہوسکتا ؛

اصل حقیقت یہ ہے کہ مکاتبت کا روپیہ آقا کو دلوانے کا حکم صرف اُس کے آنسو پونچھنا ہیں ورنہ ادھر تو آقا کو حکم واجب ہے کہ مکاتب کو اپنے مال میں سے دو ؛

اور لطف یہ ہے کہ امام شافعی اس وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ کو واجب جانتے حالانکہ یہ فرع ہے کتابت کی پس مکاتبہ بھی واجب ہوگا کیونکہ واجب کا مقدمہ بھی تو واجب ہے ؛

علاوہ ازیں ایک اور اعتراض اس حکم کے مندوب ہونے پر یہ ہے کہ مندوب درحقیقت مامور بہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مندوب میں ایجاب نہیں ہے اور امر ایجاب ہی کے واسطے حقیقت میں ہوتا ہے۔ اور اگر مندوب مامور بہ ہوسکے تو ترک مندوب گناہ ہوگا حالانکہ ترک مندوب بالاتفاق معصیت نہیں تو مندوب مامور بہ بھی نہیں ہوسکتا دیکھو مسلم الثبوت مقالہ ۲ باب ۲ اور کشف المبہم (ص ۱۸۸ تا ۱۹۰)

پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں امر ایجاب کے واسطے ہے۔

ہے " (بلد)

(ط) " فاما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر " (ضحیٰ)

سو جو یتیم ہو اُسکو نہ دبا اور جو مانگتا ہو اُسکو نہ جھڑک ۔

ان احکام کو جو جملہ طبقات ناس کی ہر ایک قسم پر حاوی ہیں توریت اور انجیل اور حکما سلف کی وصیتوں سے مقابلہ کرلو ایسی جامعیت اور تفصیل ایسی عمدہ ترتیب اور قدرتی نظام کی رعایت اور عموماً احسان کے احکام نہ پاؤگے ؁

۲۷ - غلاموں کی حالت بالتخصیص بڑی اصلاح کی محتاج تھی اُن کی آزادی اور آیندہ کے سد باب کے لیئے بڑی کوشش اور اہتمام ہوا اور کتاب کا امر محکم اور حکم لازم صادر کیا ۔

Islam liberated slaves not as only a merit, but as strict and an indispensable duty.

" والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً واتوھم من مال اللہ الذی آتاکم " - (نور)[1]

یعنی جو کوئی لونڈی یا غلام یہ کہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپیہ کما دوں گا مجھے

[1] داؤد الاصفہانی وغیرہ (جن کو یہ اہل الرائے اصحاب الظواہر کہتے ہیں) اور اَور علما ریہ کہتے ہیں کہ یہ امر کتابت کا ایجاب کے واسطے ہے یعنی جب غلام درخواست کرے اپنی آزادی کی اقرار نامہ پر اور مالک سمجھے کہ اس میں اُسکی بہتری ہے تو فوراً آزاد کردے ؁

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اسلام کی اصلی نیکی اور خیر اور اصلاح پر نظر کرتے ہیں تو بالضرور ہم اپنے وجدان سلیم سے یہی پاتے ہیں کہ یہ حکم وجوب کے واسطے ہے کئی وجہ سے (۱) یہ کہ امر تو ایجاب کیواسطے ہوتا ہے اور اس کا سبب نزول بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ حویطیب بن عبد العزی کے غلام نے جس کا نام صبیح تھا کتابت چاہی تو اُس کے آقا نے انکار کیا اسپر یہ حکم ہوا پس ظاہر ہے کہ انکار کے مقابلہ میں حکم دیا تو ضرور ہے کہ وہ حکم واجب ہو (۲) حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مکاتب کرنے کا حکم دیا اُس نے انکار کیا تو اُنہوں نے اُسکی تعزیر کی پس اگر کتابت واجب نہ ہوتی تو اسکو مارنا جبر اور ظلم ٹھہرتا حالانکہ اصحاب میں سے کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا تو گویا یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا (۳) عمر ابن دینار و عطا و داؤد بن علی اور محمد بن جریر بیاں پر وجوب کے قائل ہوئے ہیں ۔ پس ان

(باقی صفحہ ۵۹)

مکاتبہ میں بھی شرط کے معنی صحیح نہیں کیونکہ کتابت تو ماموربہ اور امر وجوبی ہے - پس آیت کے معنی بہت چسپاں اور مناسب ہونگے کہ جو تمہارے غلام تم سے آزادی پر اقرار نامہ لکھوانا چاہیں اُن کو لکھدو کیونکہ تم اُن میں بھلائی جان چکے ہو -

اور اس تفسیر پر ان علمتم فیہم خیراً میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ مکاتبہ تو واجب ہی ہے مگر بلا درخواست کتابت بھی فی نفسہ غلام کی آزادی واجب ہے ؛

۵ - اور لفظ اِنْ کی بحث میں دور کیوں جاؤ اسی آیت کے بعد کی آیت میں دیکھیئے اِنْ کیا معنی دیتا ہے ؛

ولا تکرھو فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصناً -

۲۸ - نہ صرف ایک مکاتب کرنے کا ہی حکم دیا بلکہ بہت سے احکام جن سے غلاموں کی سختی جاتی رہی اور اُن کی حالت میں نسبت سابق کے بہت کچھ آسایش اور بہبودی میں ترقی ہوگئی چنانچہ ہمارے یہاں کی کتب صحاح ومسانید ومجامع میں بہت سی حدیثیں اور فقہ کی کتابوں میں بہت سے مسائل ایسے عمدہ اور کثرت سے ہیں کہ اگر اسی قدر ہی احکام ہوتے تو بھی بہ نسبت اَور قوموں کے رسم قانون کے مسلمانوں کی رسم وقانون میں بہت ترقی اور آسانی تھی اور انھیں احکام قرآنی اور مسائل فقہیہ کی بدولت ہند کے مسلمانوں میں غلاموں اور خدمتگاروں میں صرف نام کا ہی فرق رہ گیا تھا - اور چونکہ اسلام کو غلاموں کے حق میں زیادہ رعایت منظور رہی ہے اسلیئے غلام کو اس ملک میں اپنے مایحتاج کی فکر نہیں کرنی پڑتی تھی اور نہ اسکو اپنے بال بچوں کی طرف سے تردّد رہتا تھا اس کے مسلمان آقا کو خود ہی اسکی تمام ضروریات کی فکر واجب ولازم ہوتی تھی اور اس سے بہ نرمی و ملایمت سے پیش آیا جاتا تھا - اور اس اتفاق کے بدلے میں غلام سے صرف گھر کا معمولی اور آسان کام لیا جاتا تھا - یہ کیفیت میں اُسوقت کی بیان کرتا ہوں جب ہندوستان میں انگریزی عملداری کی جانب سے غلاموں کیجانب دست اندازی نہیں ہوئی تھی (دیکھو رسالہ مکناٹن مطبوعہ ولسن) ہمکو اس بات کے ثبوت میں کہ مسلمانوں کے فقہی مسائل کا برتاؤ بھی غلاموں کے حق میں بہ نسبت اَور قوموں کی شریعت کے

Treatment of slaves among Muhammedans more liberal than in other nations.

بھی مختار ہے کہ مالک پر واجب ہے کہ مکاتب کو مال دیوے کیونکہ امر وجوب کے لیئے ہے +

تفسیر کبیر میں ہے ثالثھا ان ھذا الامر من اللہ تعالی للسادة والناس ان یعینوا المکاتب علی بما کتابتہ یمکنھم وھذا قول الکلبي وعکرمہ والمقاتل والنخعي + + قال الشافعي یجب علی المولی ایتاء المکاتب وھوان یحط عنہ جزءمن مال الکتابت اویدفع الیہ جزأ مما اخذ منہ + + وحجة الشافعي ظاہر قولہ واتوھم من مال اللہ الذي اتاکم والامر للوجوب الخ +

اور چونکہ امر وجوب کیواسطے ہے تواب ہمارا استدلال اس آیت سے یہ ہے کہ جبکہ غلاموں کی آزادی کتابت کے ذریعہ سے واجب ٹھہرائی گئی تو جو چیز اس آزادی کی ضد ہے یعنی غلام بنانا وہ حرام اور منع ٹھہرائی گئی کیونکہ اصول میں مسلم مسئلہ ہے۔ وجوب الشئے یتضمن حرمة ضدہ +

اور اصطلاحات پر بنا نہ رکھی جاوے تو بھی عقلاً ظاہر ہے کہ جس چیز کے گھٹانے کم کرنے روکنے اور موقوف کرنے کے واسطے تدبیریں کی جاویں گی تو ایسی شئے کا زیادہ کرنا یا ابتداء کرنا بڑھانا اور رواج دینا ضرور ممنوع ہوگا پس جبکہ اسلام نے فک رقبہ اور عتاق اور مکاتبہ کے احکام وجوبی صادر کیئے تو اسکی ضد استرقاق کو ضرور منع کیا +

ایک شبہ یہاں پر یہ ہوسکتا ہے کہ مکاتب کرکے چھوڑ دینے میں قید لگائی گئی ہے ان علمتم فیھم خیرا کی پس شرط کے مفقود ہونے پر بدستور غلامی کی حالت قایم رہیگی +

مگر یہ شبہ بے اصل ہے کیونکہ ضرور نہیں کہ ہر جگہ اِن شرطیہ ہو۔ اِنْ اَور طرح بھی قرآن میں کئی جگہ آیا ہے منجملہ اسکے تعلیل اور قد کے معنی ہیں اور جس چیز کا فعل محقق الوقوع ہو وہاں تعلیل ہی کے معنی مناسب ہونگے۔ دیکھیئے۔

۱۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ +

۲۔ اتقوا اللہ ان کنتم مومنین +

۳۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین +

اور قد کے معنی اس آیت میں۔

۴۔ فذکر ان نفعت الذکری +

اس میں شرط کے معنی صحیح نہیں کیونکہ ذکر اور وعظ تو ہر حال میں مامور بہ ہے ایسے ہی

ہوتی ہے اور اُس وقت کی رسم میں لڑائی کے قیدیوں سے چار طرح پر سلوک کیا جاتا تھا (۱) قتل کرنا (۲) غلام بنانا (۳) احسان رکھکر چھوڑ دینا (۴) فدیہ لیکر چھوڑنا - اس آیت نے صرف ۳ و ۴ صورت پر لڑائی کے قیدیوں کے حق میں عمل کرنا منحصر کیا اور ۲ اگلی صورتوں کو بالکل موقوف اور مسدود کردیا - اور یہ اسلام کی ایسی برکت اور اتنا بڑا احسان ہے کہ کسی مذہب وملت میں ایسی تدبیر انسان کی فلاح اور اصلاح کی نہیں کی گئی ۔

۳۰ - اس آیت محکم پر کئی طور سے بحث ہوئی ہے اور رسالہ تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام میں سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس - آئی نے بسط وتفصیل مالاکلام سے اس کے ہر ایک پہلو اور جانب پر بحث کی ہے اور اسلام میں یہ اول تحریر وتصنیف ہے جو اس آیۃ کی تنزیہ اور تفسیر میں ہوئی ہو اور جس نے تمام عالم پر اسلام کی فضیلت ثابت کی ہو اور ہمارا یہ مضمون ایسے فقہی مباحثوں کے لئے نہیں ہے اس میں ہم مختصر گفتگو نفس آیت کے متعلق کرینگے ۔

## (۱) زمانہ نزول آیت

مسلمانوں میں یہ اصطلاح کہ فلاں سورت مکی ہے یا مدنی مختلف ہے بعض تو اس اصطلاح کو زمانہ کی بنا پر رکھتے ہیں یعنی تاریخ کی حیثیت سے جو آیت قبل ہجرت نازل ہوئی ہو وہ مکی ہے اور جو بعد ہجرت ظاہر ہوئی ہو وہ مدنی ہے خواہ مکہ ہی میں سال حج یا سال فتح کو آئی ہو - اور بعضے اس اصطلاح کو صرف مکان کے متعلق رکھتے ہیں یعنی جو سورہ مکہ میں نازل ہوئی خواہ قبل ہجرت یا بعد ہجرت وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں وہ مدنی ہے (دیکھو تفسیر اتقان فی علوم القرآن - نوع ۱) اور اسی اصطلاح کی بنا پر سورہ محمد بھی مختلف ہے - بعضے کہتے ہیں مدنی ہے اور یہ سچ ہے کیونکہ بعد ہجرت نازل ہوئی - اور بعضے کہتے ہیں کہ مکی ہے اور یہی سچ ہے کیونکہ مکہ میں نازل ہوئی یعنی سنہ ہجری میں - پس یہ سورت جو بعد ہجرت کے مکے میں نازل ہوئی اس لئے مدنی ہے اور مکی بھی - پس یہ صرف اصطلاح کی تکرار تھی نہ حقیقت میں اس کے شہر مکہ میں بعد ہجرت نازل ہونے پر کچھ شبہ اور تردد ہو ۔

علامہ سیوطی نے اس سورہ کو مختلف فیہ سورتوں میں درج کیا ہے (مقام مذکور) اور لکھتے ہیں سورۃ محمد حکی النفسی قولا غریبا انہا مکیۃ - اس میں غرابت صرف اصطلاح

بہت نرم اور ملایم ہے یہ قول پیش کرنا ضرور ہے کہ جب ہندوستان میں مسٹر رچارڈسن
بندیلکھنڈ کے جج اور مجسٹریٹ نے ۱۸۰۸ء میں انسداد رسم غلامی میں ایک مسودہ قانون
تصنیف کیا تو اس میں اُنھوں نے یہ رائے دی کہ اگر ہندوستان میں سے رسم غلامی کو
قطعاً موقوف کردینا مناسب نہ ہو تو ہندوؤں کے شاستر کے احکام ترک کرکے اُن کی جگہ
ہر ایک بات میں شریعت اسلام کے احکام کو رواج دیا جاوے کیونکہ وہ غلاموں کے حق میں
بہت ہی ملائم ہیں ؞

۲۹ - یہ سب تدبیریں تو اُسوقت کے موجود غلاموں کی آزادی کی تھیں اور ہر چند کہ
عقل خیر اندیش کو آیندہ غلام بنانا اس سے ممنوع
پایا جاتا مگر اس وقت کے اذہان اور عقول انسان
کے فطرتی آزادی کا ادراک اچھی طرح نہیں کرسکتے
تھے اور ہر ایک بشر کا وجدان سلیم اسپر گواہی دیتا
ہے کہ وہ کبھی اپنی ذات یا عزیزوں کے لیئے
غلامی پسند نہ کرے گا اور یہ ایک قدرتی دلیل ہے
اُسکے فطرت الٰہیہ کے خلاف ہونے کی کہ اُسکی
ناجوازی اور ناگواری انسان کی طبیعت اور جبلت
میں رکھدی گئی ہے اور رسم قدیم جاہلیت کی گمراہی
سے عوام لوگ اس کے محاسن عقلی کو خوب نہیں

The Koran (Chapter XLVIII and 4) abolished future slavery and concubinage by ordering that the Captives of war to be either dismissed freely or ransomed a law of universal obligation.

پاتے تھے اور ایسے امور کی اصلاح صرف علوم کی بتدریج اشاعت اور تزکیہ اور حکمت کی تعلیم
سے ہوسکتی ہے تاکہ ہر ایک قوم احکام الٰہی کے بصیرت اور عقل کی ہدایت سے دریافت کرے
کہ درحقیقت تمامی خلق اللہ کی بہبود اور عافیت اور عقلی اور مذہبی تمدنی اور حسن عشرت کی
اصلاح اسی آزادی پر موقوف ہے اس لیئے ضرور ہوا کہ آیندہ کی رسم غلامی کے موقوف
اور مسدود ہونے کے لیئے صاف صاف حکم دیا جاوے - چنانچہ سورہ محمد میں فرمایا -

" فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا
الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا " ؞

چونکہ لڑائیوں کے قیدی غلام بنائے جاتے تھے غلامی کی رسم کی ابتدا یہی معلوم

حیث وجد تموا ھم لان سورۃ براءۃ اٰخر ما نزل او مخصوص بحرب بلا سیاق و تعین عندھم القتل والاسترقاق فالمن العتاقۃ لا غیر۔ یعنی یا تو اُن کو احسان کھکر چھوڑ دو اور یا بمقابلہ استرقاق کے اُن سے فدیہ لیلو اور یہ آیت تینوں اماموں کے نزدیک غیر منسوخ ہے اور ابی حنیفہ کے نزدیک منسوخ ہے۔ اقتلوا المشرکین سے کیونکہ سورہ براءۃ آخر نازل ہوئی یا بدر کی لڑائی سے مخصوص ہے اور اُن کے نزدیک قتل او راسترقاق متعین ہے پس مَن کے معنی بجز چھوڑ دینے کے اور کچھ نہیں ہیں۔

## (ج) بحث نسخ

امام شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ تو اس آیت کو ثابت بتلاتے ہیں الا حضرات حنفیہ اسکو منسوخ ٹھہراتے ہیں اور ناسخ اس کا سورہ براءت کی پانچویں آیت کو قرار دیتے ہیں۔ نسخ کی بحث میں تاریخ کا تعین تو ضرور ہے کیونکہ منسوخ کو زمانہ میں تقدم ہونا چاہیئے اور ناسخ کو تاخر۔ مگر امر تنقیح طلب میں کسی قدر بے انضباطی ہوتی ہے اور عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ سورہ براءت آخر ما نازل ہے مگر یہ حجت ٹھیک نہیں ہے آیتوں کے باب میں تو روایتیں بہت ہی مختلف ہیں اور ہر ایک نے اپنے علم اور رائے سے بعضی بعضی آیتوں کو اخر ما نزل قرار دیا ہے الا سورتوں میں بھی اختلاف ہے۔

اخرج مسلم عن ابن عباس رضي الله عنه قال اٰخر سورة نزلت اذا جاء نصر الله والفتح۔

اخرج الترمذي والحاكم عن عايشة قالت اٰخر سورة نزلت المائدہ۔

واخرج ايضاً عن عبد الله ابن عمر قال اٰخر سورة نزلت سورة المائدہ والفتح (اذا جاء نصر الله)

وفي حديث عثمان المشهور براءة من اٰخر القرآن نزولا۔ (اتقان نوع ٨)

(عن البراء ابن عازب اٰخر سورة نزلت كاملة براءة بخاري)

اگر یہ روایتیں صحیح ہوں تو ان اختلافات کی تطبیق اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ ہر ایک شخص نے اپنی معلومات کو بیان کیا پس اس میں کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

قال البيهقي يجمع بين هذه الاختلافات ان صحت بان كل واحد اجاب

کی بنا پر ہے نہ کہ حقیقت میں +

## (ب) آیت کی دلالت

اس میں کچھ گفتگو اور نزاع نہیں ہوسکتی کہ اس آیت میں لڑائی کے قیدیوں کے لیے بجز من اور فدا کے اور کوئی صورت نہیں ہے اور اختیار نہیں کہ سوائے ان دو صورتوں کے اور کسی طرح سے پیش آیا جاوے۔ متعدد مفسرین صحابہ وتابعین جو اس آیت کے نسخ کے قائل ہیں وہ ہمارے استدلال کے مؤید ہیں کیونکہ اگر اس آیت سے قیدیوں کا غلام بنانا بھی کسی تاویل بعید و توجیہ غیر سدید سے نکل سکتا تو نسخ کی کیا ضرورت تھی۔ تفسیر کمالین میں ہے روي عن ابن عمر عباس والحسن ابن سيرين وقال ابو حنيفه والاوزاعي هي منسوخة لقوله تعالى فی البراءة واقتلوا المشركين حيث وجدتموا هم لان البراءة آخر ما نزل وروي عن قتادة ومجاهد وعطاء وسدي وروي عن ابن عباس ايضاً اور تفسیر بیضاوی میں ہے منسوخ عند ابي حنيفة او مخصوص بحرب بدر فانهم قالوا بتعين القتل او الاسترقاق - اور بیضاوی کے حاشیہ پر لفظ منسوخ کی ذیل میں لکھا ہے۔

واليه ذهب ابن عباس وقتادة وابن جريج والسدي والضحاك ومجاهد وروي نحوه عن ابی بكر رضي الله عنه ـ

پس ان فقہا و مفسرین جن میں صحابہ و تابعین بھی داخل ہیں یعنی (۱) ابن عمر (۲) عباس (۳) حسن ابن سیرین (۴) ابوحنیفہ (۵) اوزاعی (۶) قتادہ (۷) مجاہد (۸) عطاء۔ (۹) سدی (۱۰) ابن عباس (۱۱) ابن جریج (۱۲) ضحاک (۱۳) ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ اس آیت میں بجز ان دو صورتوں کے اور کوئی تیسری صورت نہیں سمجھتے تھے اور اسی لیے بضرورت قتل یا استرقاق اس کو منسوخ بتلاتے ہیں +

اور (۱۴) امام شافعی و (۱۵) مالک و (۱۶) حنبل تو اس آیت کو مخصوص بھی نہیں بتلاتے چہ جائیکہ منسوخ۔ چنانچہ محلے شرح موطا میں لکھا ہے۔ قوله فاما منا بعد واما فداء الخ اے فاما تمنون منا بالاطلاق واما تفدون فداء بالاسترقاق وهو ثابت عند الائمة الثلاثة منسوخ عند ابي حنيفة لقوله اقتلوا المشركين

حکم ہے کہ جب لڑائی کے بعد بقیۃ السیف رہ جاویں اُن قیدیوں کو یا تو احسان رکھکر چھوڑ دیا جاوے اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے اور سورہ برارت کی چوتھی آیت میں حکم ہے کہ مشرکوں کو جنہوں نے عہد توڑا ہے قتل کیا جاوے۔ پس ان میں کچھہ تعارض نہیں ہے ؛

(۲) کوئی حدیث صحیح جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے آج تک مدعیان نسخ نے نقل نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ براءت کی چوتھی آیت سے سورہ محمد کی چوتھی آیت کو منسوخ کیا ؛

(۳) کسی صحابی سے کسی خبر واحد یا ضعیف میں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کردیا اور نہ مدعیان نسخ کوئی ایسی روایت بتلا سکے۔ البتہ اوزاعی کا ایک قول پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ ترمذی نے لکھا ہے۔ قال الاوزاعي بلغني ان هذه الاٰية قوله تعالیٰ فاما منا بعد واما فداء نسختها فاقتلوا هم حيث ثقفتموهم۔ مگر اوزاعی ہوں یا کوئی اَور ہوں اُن کو ایسے بے پر کی خبریں ملا کریں ایسی خبروں سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ نقل صریح اور روایت صحیح جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے نہو ایسی خبریں محض بیکار ہیں ؛

(۴) نسخ کا امکان انہیں احکام میں ہوسکتا ہے جو غیر موقت ہوں اور سورہ محمد کی چوتھی آیت تو موقت ہے حتی تضع الحرب اوزارها پس یہ کسی طرح منسوخ نہیں قرار پا سکتی۔ علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان نوع ۴۷ میں لکھا ہے۔ وقسم هو قسم مخصوص لا من قسم المنسوخ وقد اعتنى ابن العربي بتحريره فاجاد كقوله ان الانسان لفي خسر الا الذين اٰمنوا۔ والشعراء يتبعهم الغاوون الا الذين اٰمنوا۔ فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره۔ وغير ذالك من الاٰيات التي خصت باستثناء او غاية وقد اخطا من ادخلها في المنسوخ۔ ومنه قوله ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن قيل انه نسخ بقوله والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب وانما هو مخصوص به۔ انتهى۔

(۵) آیتوں کی تاریخ نزول معلوم ہونی بہت دشوار ہے اور ہر ایک راوی اپنے علم اور قیاس سے کہتا ہے۔ اور اسکے علاوہ سبب نزول کی اصطلاح ایسی غیر منضبط اور وسیع مقرر ہوئی ہے کہ جس بات پر کسی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے یا اس آیت کی مراد بیان کرنی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی یہی بولتے ہیں نزلت في كذا۔ پس اکثر تو ایسی روایتیں محض راویوں کے اجتہاد اور رائے پر ہیں نہ کہ تاریخی حالات اور نقل واقعات پر۔ ابن تیمیہ نے لکھا

بما عندہ ۔

قال ابو بکر فی الانتصار ھذہ الاقوال لیس فیما شیئ مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقل قالہ یضرب من اجتھاد وغلبۃ الظن یحتمل ان کلا منھم اخبر عن اخر ما سمعہ من النبی الخ (اتقان ۱۲)

پس تنقیح طلب اس امر کو قرار دینا چاہیئے کہ (۱) آیا دونوں آیتوں میں یعنی سورہ محمد کی ۴ آیت اور سورہ براءۃ کی ۴ آیت میں ایسا اختلاف ہے کہ بغیر تسلیم نسخ کے رفع ہی نہیں ہو سکتا اور (۲) ان دونوں میں کونسی آیت (نہ کہ سورت) مقدم ہے تاریخ نزول کے اعتبار سے (نہ کہ تاریخ اشتہار یا قرارت خاص کے لحاظ سے) *

ہمنے جو یہ دو امر تنقیح طلب قرار دیئے ہیں اُن کو سب محققوں نے نسخ کے لیئے ضروری قرار دیا ہے ۔ ابن الحصار نے کیا خوب تقریر کی ہے *

انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عن صحابی یقول آیۃ کذا نسخت کذا * * * * وقد یحکم بہ عند وجود التعارض المقطوع بہ مع علم التاریخ لیعرف التقدم والتاخر * * * * ولا یعتمد فی النسخ علی قول عوام المفسرین بل ولا اجتھاد المجتھدین من غیر نقل صحیح ولا معارضۃ بینۃ لان النسخ یتضمن رفع حکم واثبات حکم تقرر فی عھدہ صلی اللہ علیہ وسلم فالمعتمد فیہ النقل والتاریخ دون الرای والاجتھاد یعنی نسخ میں تو صرف رسول کے بیان صاف پر یا صحابی کے قول پر کہ اس آیت نے اُس آیت کو منسوخ کیا رجوع ہو سکتا ہے اور جبکہ دونوں آیتوں میں قطعی تعارض پایا جاوے اور ساتھ ہی اُس کے تاریخ سے اُن کا آگے پیچھے نازل ہونا بھی ثابت ہو جاوے تب نسخ مانا جا سکتا ہے ۔ اور یوں نسخ میں عوام مفسروں کا قول اعتبار کے لائق نہیں ہے بلکہ مجتہدوں کے اجتہاد کا بھی اعتماد نہیں ہے کیونکہ نسخ میں ایک حکم کا جو رسول کے وقت میں مقرر تھا اُٹھانا یا ثابت کرنا ہوتا ہے پس اس میں نقل اور تاریخ ہی پر اعتماد ہو سکتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر *

پس اب ہم ان دونوں تنقیحوں کی نسبت یہ لکھتے ہیں کہ ۔

(۱) ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض واقع نہیں ہے ۔ سورہ محمد کی چوتھی آیت میں فدیہ کا

مُسلمانوں کا اندیشہ و تامل بھی اُن کی احتیاط اور پرہیزگاری پر دال ہے ؛
لشکر میں تو سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں خصوصاً اوطاس وغیرہ لڑائیوں میں کئی
لوگ جو ابھی جدید الاسلام تھے بہت جمع تھے اور اوطاس کے قیدیوں میں عورتوں کو دیکھکر
بعض نے ایام جاہلیت کی رسم[1] برتنے کا ذکر کیا ہوگا۔ مگر اور اصحاب نبی نے اس امر کو
گناہ سمجھا اس لیئے کہ ان عورتوں میں کے ہر ایک کے ازواج بھی مشرکوں میں موجود تھے
(اور بعض بے شوہر بھی ہونگی اور بعض کے شوہر بھی قید میں ساتھ ہی ہونگے) کیونکہ
قید ہوجانے سے نکاح تو فسخ نہیں ہوسکتا[2] پس وُہی ۲۴- آیت سورہ نساء کی اس وقت
پڑھی گئی جو ۲۶- آیت سے متعلق ہے اور جس کے معنی یہ ہیں کہ زنان عفیفہ تمپر حرام
ہیں مگر وہ عورتیں جن کو تم بِلک نکاح میں لے آئے۔ اور اس طرح سے اُن لوگوں کو
حکم الٰہی سنا کر اُس ارادہ قبیح سے باز رکھا ؛
مگر بعضے جاہلیت کی سی تربیت اور طبیعت والے راوی اپنے سبقِ ظن کی وجہ سے
اس واقعہ کو اُلٹا سمجھے یا قصداً اسی رسم کی طرف اسے پھیرنے لگے مگر بعضے راویوں نے
جن پر تہذیب اسلام نے زیادہ اثر کیا تھا اتنا فقرہ شرح کے طور پر بڑھایا اذا انقضت
عدتھن[3] حالانکہ اس آیت میں محصنات سے زنان شوہر دار مراد ہی نہیں ہوسکتیں پھر
عدت کی کیا ضرورت ہے۔ پھر بعضے مفسروں نے اس میں ایک اور حکم الٰہی کی مخالفت
دیکھکر یہ تاویل کی کہ وہ قیدی عورتیں مسلمان ہوجاویں تب اُن پر یہ حکم جاری ہو ورنہ مشرکہ
سے تو ملک یمین کے طور پر مباشرت جائز نہیں (دیکھو تفسیر الجلالین ۵ ح آیت ۱)
حالانکہ کتب سیر و مغازی میں اوطاس کی قیدی عورتوں کے مسلمان ہوجانے کا ذکر
نہیں ہے ؛

---

[1] ایام جاہلیت میں جس عورت کو قید کر لیتے لڑائی میں اس کے اگلے نکاح کو فسخ سمجھکر اس سے
بے تکلف اور بلا توقف تصرف جایز سمجھتے تھے اسلام میں اسکی بڑی ممانعت ہوئی۔

[2] قال ابو حنیفۃ لو سبی الزوجان لم یرتفع النکاح ولم تحل للسابی (تفسیر بیضاوی)

[3] ابو علقمہ الہاشمی کی ایک روایت میں یہ فقرہ بڑھا ہوا ہے اور اسی کی اَور روایتوں
میں نہیں ہے۔

ہے قولھم نزلت الآیۃ فی کذا یراد بہ تارۃ سبب نزول ویراد بہ تارۃ ان ذلک داخل فی الآیۃ وان لم یکن السبب کما تقول عنی بھذہ الآیۃ کذا اور زرکشی نے برہان میں لکھا ہے۔ قد عرف من عادۃ الصحابۃ والتابعین ان احدھم اذا قال نزلت ھذہ الآیۃ فی کذا فانہ یرید بذلک انھا تتضمن ھذا الحکم لا ان ھذا کان السبب فی نزولھا فھو من جنس استدلال علی الحکم بالآیۃ لا من جنس النقل لما وقع۔ پس جبکہ محاورات کی یہ کیفیت اور اطلاقات کی یہ صورت ہو تو دشوار ہے کہ واقعی سبب نزول دریافت ہوسکے ؛

(۶) کسی موقع خاص یا مشہد عام پر چند آیات کا پڑھا جانا یہ نہیں ثابت کرتا کہ وہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو۔ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سورہ براءت کے شروع کی آیتیں دیکر بھیجا تھا کہ حج اکبر کے دن ۹ھ ہجری میں پڑھ سنانا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ سورہ برات کی وہ آیتیں اُسیوقت نازل ہوئی تھیں ؛

## (د) والمحصنات من النساء کی تفسیر

بعضے لوگوں نے سورہ نساء کی ۲۷ آیت اس مراد سے پیش کی ہے کہ سورہ محمد کے بعد بھی آزاد عورتوں کی جو قید ہو آویں لونڈی بنانے کی اجازت ہے (استغفر اللہ) اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت پیش کی ہے جس کا ماحصل بروایت مسلم و ترمذی نسائی اور ابوداؤد (قطع نظر از زیادت ونقصان الفاظ) یہ ہے کہ اوطاس کے قیدیوں میں عورتیں بھی پکڑی آئیں تو مسلمانوں نے اُن عورتوں سے مباشرت کرنے کو گناہ سمجھا اور خوف کھایا کیونکہ اُن کے ازواج موجود تھے اسپر یہ آیت نازل ہوئی والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم الخ اس میں نزول کا لفظ ان معنیوں میں تو صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت اسیقدر اور اُسیوقت نازل ہوئی تھی کیونکہ تاریخ کی راہ سے سورہ نساء ۳ھ ہجری کے قبل کی ہے اور ۲۶ اور ۲۷ آیت کے سیاق سے بھی اُس کا علیحدہ ہونا بے موقع معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہاں نزلت یا تو وہی اصطلاح ہے کہ یتضمن ذلک الحکم یا راوی نے اُسکو اُسیوقت سنا ہو یا اُور سلسلہ کے راویوں نے اسکو غیر منضبط طور سے بیان کیا غرض اس سے قطع نظر کرکے نفس روایات کا مضمون جیسا میں سمجھتا ہوں عین حق وصواب ہے اور اُس وقت کے

(۸) یا ایھا الذین اٰمنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم (انفال)

(۹) واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ وبعہد اللہ اوفوا ذالکم وصکم بہ (انعام ۱۹)

(۱۰) یا ایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود (مائدہ)

(۱۱) واحفظوا ایمانکم۔ (مائدہ)

(۱۲) یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ (ایضا)

(۱۳) یا ایّھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدان والاقربین۔ (نساء)

(۱۴) ان اللہ یامُرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ۔ (نساء)

(۱۵) لا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحاً ان اللہ لا یحب کل خوان کفور واقصد فی مشیک واغضض من صوتک (لقمان)

(۱۶) ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا۔ (اسری)

(۱۷) یا ایُّھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان۔ (حجرات)

(۱۸) یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسّسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ۔ (حجرات)

(۱۹) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

(۲۰) وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئی الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا

اور نہ اُن کی استمرار کا زمانہ پورا ہونے پایا کیونکہ بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کی قید اور رہائی احسان کے طور پر حسب حکم سورہ محمدؐ آیت ۴ ہو گئی تھی +

غرضکہ یہ تاویلیں اور شفاعتیں ان معنوں پر اُٹھانی پڑتی ہیں جو بعضے راویوں اور فقیہوں نے اپنے سبق ظن سے اختیار کر لی ہیں ورنہ کلام الٰہی تو ہر ایک عیب و قصور سے پاک ہے +

۴۱۔ معاملات میں سچائی اور عدالت دیانت داری ایفائے عہد اور وزن اور پیمانہ میں راستبازی اصلاح منزل اور اطاعت حکام اور منع فتنہ و فساد ادائے امانت کے احکام غرض جو جو باتیں حسن معاشرت کے اصول اور بنیاد ہیں اور جن پر ریاستوں اور سلطنتوں میں امن و امان قایم رہتا ہے اور جن پر خلایق کی بہبود منحصر ہے اُن کی نسبت صاف صاف تعلیم ہوئی ہے +

Islam enjoins charity, truthfulness in testimony, honestly in weights and measures and the faithful observance of covenants.

(۱) ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون (تطفیف)

(۲) لا تطغوا فی المیزان۔ اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان۔ (رحمٰن)

(۳) ولا تبذر تبذیرا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا (اسریٰ)

(۴) ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔

(۵) اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔ (ایضاً)

(۶) اوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم۔ (ایضاً)

(۷) واوفوا بالعھد اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا۔ ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتھا۔ (اسریٰ)

(۲۴) قل لا اجد فیما اوحي الي محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة اودما مسفوحاً او لحم خنزیر فانه رجس او فسقاً اُهل لغیر الله به فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربك غفور الرحیم۔ (انعام)

اور نیز سورہ مائدہ کی ۳-آیت ؛

(یہی حکم بعینہ انجیل میں ہے دیکھو اعمال الحواریین ۱۵-۲۰ فرق اتنا ہے کہ حال کے نسخوں میں بمقابلہ لحم خنزیر لفظ (زنا) ہے مگر قیاس اس کا مقتضی ہے کہ اصل عبارت انجیل میں کوئرنایس (لحم خنزیر تھی) جس کی صورت حال کے نسخوں میں پورنیاس (زنا) ہوگئی ہے کیونکہ اس وقت حواریوں میں یہود کی رسمی شریعت کی بحث تھی نہ کہ اخلاقی احکام کی پس زنا کو خون اور گلا گھونٹے جانور اور بتوں کی قربانی سے کیا مناسبت تھی اسکا

تہذیب [illegible] صفحہ ۲۷

محمد بن حمران میں ہے انہما سألا ابا عبد الله علیه السلام عن ذبائح الیهود والنصاری والمجوس فقال کل وقال بعضهم انهم لا یسمون فقال ان حضرتموا هم فلم یسموا فلا تاکلوا واذا غاب فکل ۔اور روایت عبد الملک قال قلت لابي عبد الله علیه السلام ما تقول في ذبائح النصاري فقال علیه السلام لا باس بها قلت انهم یذکرون علیه المسیح فقال انما ارادوا بالمسیح الله

یعنی راوی نے ابا عبد اللہ سے پوچھا کہ یہود ونصاریٰ ومجوس کا ذبیحہ کھانا چاہیئے تو حضرت نے فرمایا کہ کھا پھر راوی نے عرض کیا کہ وہ خدا کا نام نہیں لیتے تو فرمایا کہ اگر تمھارے سامنے خدا کا نام نہ لیں تو نہ کھاؤ اور اگر غیبت میں ذبح کریں تو کھاؤ ۔ اور عبد الملک کی روایت میں ہے کہ میں نے ابا عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ یہود ونصاریٰ کے ذبیحوں کی نسبت کیا فرماتے ہیں تو ارشاد کیا کہ کھاؤ تب میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ مسیح کا نام لیتے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ مسیح سے بھی اُن کی مراد خدا ہی ہے ۔ اور زکریا بن ابراہیم سے روایت ہے قال دخلت علي ابي عبد الله علیه السلام فقلت اني رجل من اهل الکتاب واني اسلمت وبقي اهلي کلهم علی النصرانیة وانا معهم في بیت واحد لم افارقهم بعد فاٰکل من طعامهم فقال لي ایاکلون لحم الخنزیر قلت لا ولکنهم یشربون الخمر فقال لي کل معهم واشرب ۔ انتهی

بین اخویکم۔ (حجرات)

اور بھی چند متفرق احکام جو مصالح نوعیہ کے قایم رکھنے اور اُن میں باہمدگر تعلقات کی رعایت اور پابندی کے لیئے ضرور ہیں یہ ہیں۔

(۲۱) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذي القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغي۔ (نحل)

(۲۲) یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون۔

(مائدہ)

(۲۳) طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم[1]۔ (ایضاً)

---

[1] شیخ الاسلام محي الدین نووی نے شرح صحیح مسلم (صفحہ ۹۷۔ جلد ۲ مطبع منشی نول کشور) میں لکھا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم قال المفسرون المراد بہ الذبائح و لم یستثن منھا شیئاً لا لحماً ولا شحماً ولا غیرہ وفیہ حل ذبائح اھل کتاب وھو مجمع علیہ ولم یخالف فیہ الا الشیعۃ ومذھبنا ومذھب الجمھور اباحتھا سواء سموا اللہ تعالیٰ ام لا۔ وقال قوم لا یحل الا ان یسموا اللہ تعالیٰ فاذا ذبحوا علی اسم المسیح او کنیسۃ ونحوھا فلا تحل تلک الذبیحۃ عندنا وبہ قال جماھیر العلماء یعنی مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت میں ذبیحہ کی حلت مراد ہے اور کوئی چیز اس میں سے مستثنی نہیں ہوئی نہ گوشت نہ چربی نہ کچھ اور۔ اور اس میں اہل کتاب کے ذبیحوں کی حلت ہے اور اسپر سب کا اجماع ہے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا مگر شیعوں نے اور ہمارا اور سب مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اُن کے ذبیحے مباح ہیں خواہ وہ خدا کا نام لیں یا نہ لیں۔ اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ جبھی حلال ہوگا جبکہ خدا کا نام لیں اور جب مسیح کے نام پر یا اُن کی کنیسۃ پر ذبح کریں تو حلال نہیں۔ اور اسی بات کو سب علما نے کہا ہے ٭

البتہ امامیہ مذہب والے اس مسئلہ میں منفرد ہیں مگر بعضے متقدم اور رئیس علما مثلاً شیخ مفید و ابن جنید و ابن ابی عقیل انسے اس میں خلاف منقول ہے۔ اور بعضی روایتیں اس کے جواز میں ہیں چنانچہ صحیح جمیل و

(بقیہ [illegible])

(۶) فاعف عنهم وقل سلام۔ (زخرف)

(۷) فاعف عنهم واصفح ان اللہ یحب المحسنین۔ (مائدہ)

(۸) واعرض عنهم وعظهم وقل لهم فی انفسهم قولاً بلیغا۔ (نساء)

(۹) قل للذین آمنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ۔ (جاثیہ)

قرآن میں اس کی پیشین گوئی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو مخالفوں سے بڑی اذیت پہونچیگی اور اُن کو ہدایت ہوئی تھی کہ وہ صبر کرتے رہیں +

(۱۰) ولتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور۔ (۳ ح)

## BENEFICIAL EFFECTS OF ISLAM.

# اسلام کے وعظ اور اصلاح کی تاثیر

" اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے۔نہیں نہیں جس طرح "

" سے کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اسی طرح تمدن اور "

" حسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیرووں کے برتاؤ میں ایسا ملا جلا دیتا "

" ہے کہ کسی طرح اُن سے الگ نہیں ہو سکتیں اور بطور فطرتی عادتوں کے دکھلائی "

" دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھکر اصلی طبیعت ہو جاتی ہیں + "

سید احمد

(پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۲ نمبر ۱)

۳۳۔ یہاں تک جو احکام بیان ہوئے اُن کی منشا انسان کی حالت کی اصلاح و تہذیب تھی تو اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاح نے جو بڑی وقت اور مشقت اور کمال رافت او شفقت سے ہوئی تھی کیا کیا نتیجے پیدا کیئے اور اس سے کیسی تعجب انگیز اور دائم الاثر تاثیریں ظہور میں آئیں اور کس طرح سے اُس نے قوموں اور ملکوں میں آسایش اور عافیت اور خلایق کی بہبودی کو از سر نو زندہ کیا اور کس طرح سے مہلک اور مضر

ذکر تو خارج از محل اور بے موقع تھا - البتہ پورنیاس یعنی لحم خنزیر وغیرہ چیزوں پر جن سے یہود کی رسمی شریعت میں حلت اور حرمت متعلق تھی بحث ہوئی تھی کہ غیر قوم عیسائیوں پر بھی اُس کا بارڈالا جاوے یا نہیں - ہمارے اس قیاس کی تائید اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے کہ ڈاکٹر بینٹلی اور مسٹر ریوس یہ دونوں محقق جنہوں نے انجیل کے نسخوں کے اختلاف او تصحیح میں بڑی محنت اور تحقیق کی ہے اسی عبارت کو ٹریاسس کو ترجیح دیتے ہیں) +

(۲۵) ولاتقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف في القتل انه كان منصورا - (اسریٰ)

(۲۶) يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون - انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلواة فهل انتم منتهون - (مائدہ)

۳۲ - صبر اور تحمل کے احکام اور بُرائی کے بدلے میں بھلائی کرنا اور مخالفوں کی تقصیروں سے درگذر کرنا اور اپنے دشمنوں کے حق میں دعا کرنا بہت تاکید اور تکرار سے سکھلایا گیا ہے -

Universal forgiveness and forbearance has invairably been inculcated in the Koran.

(۱) ولا تستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي احسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كانه ولي حميم - (حم سجدہ)

(۲) فاعفوا واصفحوا حتى ياتي الله بامره - (بقر)

(۳) وليعفوا وليصفحوا الا تحبون ان يغفر الله لكم - (نور)

(۴) يا ايها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوى - (مائدہ)

(۵) يا ايها الذين آمنوا ان من ازواجكم واولادكم عدوا لكم فاحذروهم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان الله غفور الرحيم - (تغابن)

ذلک حتی بعث اللہ الینا رسولاً منا نعرف نسبہ وصدقہ وامانتہ وعفافہ فدعا الی اللہ لنوحدہ ونعبدہ ونخلع ماکنا نعبد نحن واباءنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ لانشرک بہ شیئاً وامرنا بالصلاۃ والزکاۃ والصیام فعدد علیہ امور الاسلام ثم قال وامر بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونہانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ واتبعنا علی ما جاء بہ من اللہ تعالیٰ فعبدنا اللہ تعالیٰ وحدہ ولانشرک بہ وحرمنا ما حرم اللہ علینا واحللنا ما احل لنا فعدا علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادۃ الاوثان من عبادۃ اللہ تعالیٰ وان نستحل ماکنا نستحل من الخبائث فلما قہرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترنا علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لانظلم عندک یا ایہا الملک" ؁

۲۵ - مکہ کی تیرہ و تاریک حالت جو قبل اسلام تھی اور پھر زمانہ اسلام میں اہل مکہ میں اخلاقی اور روحانی نورانیت اور سرسبز ضیا ر ایمان باللہ اور حسن اخلاق کی روشنی ایسی تعجب انگیز اور حیرت خیز ہے کہ ایسی تاثیر الٰہی اور برکت ربانی کا اقرار ہمارے مخالفوں کو بھی ہے - والفضل ما شہدت بہ الاعداء -

سر ولیم میور صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ " ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی گو ایک خفیف اور ناپائدار سا اثر یہودیت نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا جیسے کہ ایک دریا چہ غیر رواں کی سطح کا ادھر ادھر لہر کھاتا مگر تہ میں محض بے حس و حرکت رہنا - تمام عرب توہمات و ظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیبیوں کو جو اور جائداد کی مانند میراث میں آئیں بیاہ لیتا اُن کے غرور اور افلاس سے رسم دختر کشی بھی اُن میں جاری ہو گئی تھی جیسے ہندوؤں میں اُن کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا اور اُن کا ایمان ایک مسبب الاسباب بالکل علی الاطلاق

Previous dark and torpid state of Mecca and Arabia.

رسموں کو نیست و نابود کیا اور کئی ایک اور خرابیوں کو جو بالکل مٹ نہیں گئیں بہت کچھ اُن کی اصلاح اور درستی کی۔ اور ان سب کا اثر انسانوں کی ذات واحد اور جماعت اور ریاست پر یکساں نفع بخش اور سود مند ظہور میں آیا اور آتا جاتا ہے ✤

۳۴۔ اسلام کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ کفار مکہ کی اذیت اور تکلیف دہی سے کئی ایک مسلمان ملک ابی سینیا کو چلے گئے وہاں کے عیسائی بادشاہ نیگرس (نجاشی) کے دربار میں حضرت جعفر نے جو تقریر دلپذیر فرمائی ہے وہ ایام جاہلیت اور ابتدا زمانہ اسلام کا حال خوب آئینہ کر دیتی ہے مکے سے جو لوگ ان مسلمانوں کو پکڑ لانے کے لیئے گئے تھے اُن کے مقابلہ میں حضرت جعفر کی تقریر یوں ہوئی۔

**Appeal of an early Moslem to the beneficial effects of Islam.**

"ہم لوگ جہالت اور بت پرستی اور بدکاری میں زندگی بسر کرتے تھے۔ زور آور کمزور پر ظلم کرتا تھا۔ ہملوگ جھوٹ کے عادی تھے۔ اور خدمات مہمان نوازی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ تب ایک نبی قایم ہوا جسکو ہم لڑکپن سے جانتے تھے اور جس کے حسن اخلاق۔ دیانت اور طریق عمل سے ہملوگ خوب واقف تھے اُس نے ہمکو سکھلایا کہ خدا واحد کی عبادت کریں۔ عہد اور میثاق اور قسم کو پورا کریں۔ اپنے قرابت داروں کی مدد کریں۔ شرائط مہمان نوازی کو پورا کریں اور جملہ ناپاک چیزوں اور کفر و غداری سے پرہیز کریں۔ ہم اُس پر ایمان لائے اور ہمنے اُس کا ساتھ دیا لیکن ہمارے ملک کے لوگوں نے ہمکو اذیت دی ہمپر ظلم کیا اور ہمسے ہمارا مذہب چھوڑوانا چاہا اور اب ہم اپنے آپ کو بادشاہ کی حمایت میں لے آئے ہیں" ✤

یہ تقریر تو ایک انگریزی کتاب سے لی گئی ہے مگر سیرت کی کتابوں میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ (دیکھو سیرت ہشامی صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰ مطبوعہ لنڈن ۱۸۶۵ء) اور کتاب سبیل الہدی والرشاد فی سیرت خیر العباد مشہور بسیرت شامی میں اس طرح پر ہے۔

(اج ب ۱۹) "فقال الجعفر ایہا الملک کنا قوماً اہل جاہلیۃ نعبد الاصنام ونا کل المیتۃ ونأتی الفواحش ونسیء الجوار ویاکل القوی الضعیف فکنا علی

مقدس کعبہ کو (جو اُن کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا) چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے۔ اور یہاں بھی اسی عجیب تاثیر نے ۲ یا ۳ برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی"

"اہل مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گذار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اُس وقت تک خواب خرگوش سے نہ چونکے جب تک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی عربی کی نہیں سنیں۔ تب البتہ دفعتاً ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے"

(ج ۲ ص ۲۶۹ - ۲۷۱)

اس تقریر کے بعد مصنف نے سورہ فرقان کی چند آیتیں قدمائے مسلمین کے محامد واوصاف میں ترجمہ کی ہیں اُن کو ہم جداگانہ مقام پر لاوینگے۔

۳۶ - اسلام کی اصلاح کی قوت تاثیر کے ثبوت میں طبقہ اول کے مسلمانوں کا حسن اخلاق اور نیک کردار اُن کے ظاہری اور باطنی فعال واحوال میں ایک تعجب انگیز لیکن مصدق گواہی والی شاں ہے کہ اس تعلیم الٰہی کی تاثیر سے وہ لوگ کیا تھے کیا ہو گئے تھے ہر چند کہ قرآن کا منشار یہ نہیں ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کا تذکرہ یا تاریخ لکھے مگر نیکیوں پر رغبت اور اُور منکرات سے منع کرنا اس لئے بعض مقامات پر جو اگلے زمانہ کے مسلمانوں کی کیفیت بیان ہوئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ کمال درجہ میں اخلاق اور فضائل سے آراستہ و مہذب تھے اور دینی اور دنیوی برکتوں سے معمور تھے اور یہی غرض تھی نبی کی بعثت سے "ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمہ"

**Mighty effects of Islam on the conduct of early Moslems as described in the contemporary records of the Coran.**

(۱) ۲۳ - الا المصلین

۲۴ - الذین ھم علی صلاتھم دائمون -

۲۵ - والذین فی اموالھم حق معلوم للسایل والمحروم -

۲۶ - والذین یصدقون بیوم الدین لہ

لہ (۱) مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر قایم ہیں۔ اور جن کے مال میں حصہ ٹھہر رہا ہے سائل کا۔ اور درماندہ کا اور جن کو انصاف کے دن کا یقین ہے۔

پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی سی ہئیت کا اُن کا ایمان تھا انھیں کی رضامندی مناتے تھے اور اُنھیں کی ناراضگی سے احتراز کرتے تھے قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُس کی اُنھیں خبر ہی نہ تھی "

"ہجرت سے ۱۳ برس پیشتر تو مکہ اس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں بیجان پڑا ہوا تھا مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا - سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کے خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے - اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے اسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات و خیرات پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے - اب اُنھیں شب و روز اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال ہے یہ کہ وہی رزاق

Effects produced on the Moslem converts by the thirteen years of Mahomet's ministry at Mecca.

ہماری ادنیٰ حوایج کا خبرگیراں ہے - ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقات زندگانی میں اور اُن کی خلوت اور جلوت کے ہر ایک حادثہ یا تغیرات میں وہ اُسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے - اور اُن پر بالا وہ لوگ اس نئی روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضل خاص و رحمت باختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہل شہر کے کفر کو خدا کی تقدیر کیئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے - محمد (صلعم) کو وہ اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے جو کہ اُن کی ساری اُمیدوں کے واسطے ماخذ تھے اور اُنھیں کی مناسب اور کامل اطاعت کرتے تھے "

" ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بالحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپئے مخالفت و ہلاکت تھے - مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا اور گو ایسا کرنا اُن کی ایک مصلحت تھی مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ لوگ تعریف کے مستحق ہیں - ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ کر جب تک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہو وے حبش کو ہجرت کر چکے تھے - اور اب پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی اور اُن میں نبی بھی اپنے عزیز شہر کو اور

۶۶ ۔ انھا ساءت مستقرو مقاما ۔
۶۷ ۔ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما ۔
۶۸ ۔ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التي
حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما ۔
۶۹ ۔ یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مھانا
۷۰ ۔ الا من تاب واٰمن وعمل عملا صالحا فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم
حسنات وکان اللہ غفورا رحیما ۔
۷۱ ۔ ومن تاب وعمل صالحا فانه یتوب الی اللہ متابا ۔
۷۲ ۔ والذین لا یشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما
۷۳ ۔ والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا ۔

---

۶۶ ۔ وہ بری جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور بری جگہ رہنے کی ۔
۶۷ ۔ اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ اڑا دیں اور نہ تنگی کریں اور ہے
اس کے بیچ ایک سیدھی گذران ۔
۶۸ ۔ اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے سوا کسی حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان
کا جو منع کیا اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ
بھڑے گناہ سے ۔
۶۹ ۔ دونا ہوا اس کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر ۔
۷۰ ۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دیگا اللہ برائیوں
کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ۔
۷۱ ۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ ٹھہرایا ہے اس کی
طرف ٹھہرانا ۔
۷۲ ۔ اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر
تو نکل جاویں بزرگی رکھ کر ۔
۷۳ ۔ اور وہ جب ان کو سمجھائیے ان کے رب کی باتیں نہ ہو پڑیں ان پر بہرے اندھے ۔

۲۷ - والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون -

۲۸ - ان عذاب ربھم غیر مامون

۲۹ - والذین ھم لفروجھم حافظون -

۳۰ - الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین

۳۱ - فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون -

۳۲ - والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون

۳۳ - والذین ھم بشھاداتھم قایمون -

۳۴ - والذین ھم علی صلاتھم یحافظون -

۳۵ - اولئک فی جنات مکرمون - (معارج)

(ب) ۶۳ - وعباد الرحمان الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما -

۶۴ - والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما -

۶۵ - والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما -

---

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں (بیشک ان کے رب کے عذاب سے بےخوف نہ ہوجانا چاہیئے) - اور جو لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھتے ہیں (مگر اپنی بیبیوں پر یا حرمیں جو ملک نکاح میں آچکیں) اس وجہ سے کہ اُن کو محصنات سے نکاح کا مقدور نہیں) اور جو ان سے بڑھ جاوے تو وُہی ہے حد سے بڑھنے والے - اور جو لوگ اپنی امانتیں اور اپنا قول پورا کرتے ہیں اور جو اپنی گواہی پر قائم ہیں - اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وُہی لوگ جنت میں ہیں عزت سے -

(ب) ۶۳ - اور بندے رحمان کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرتے ہیں اُن سے بےسمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت -

۶۴ - اور وہ رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں یا کھڑے -

۶۵ - اور وہ جو کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اُسکا عذاب بڑی چٹی ہے -

(د) ۲۰ - الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق -
۲۱ - والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون
سوء الحساب -
۲۲ - والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما
رزقناھم سراً وعلانیۃ ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اولئک
لھم عقبی الدار - (رعد)
(ہ) - ۸ - یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیرا -
۹ - ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا -
۱۰ - انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا -
۱۱ - انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا - (دھر)
(و) - کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن
المنکر وتؤمنون باللہ - (آل عمران ۱۲ ع)

---

(د) ۲۰ - اور وہ جو پورا کرتے ہیں اقرار اللہ کا اور نہیں توڑتے اقرار -
۲۱ - اور وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا جوڑنا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ
رکھتے ہیں بُرے حساب کا -
۲۲ - اور وہ جو ثابت رہے چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھتے نماز اور خرچ کیا
ہمارے دیئے میں سے کھلے اور چھپے - کرتے ہیں بُرائی کے مقابل بھلائی
ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر - (رعد)
(ہ) ۸ - پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اُس دن سے کہ اُس کی بُرائی پھیل پڑیگی -
۹ - اور کھلاتے ہیں کھانا اُسکی محبت پر محتاج کو اور بے باپ کے لڑکے اور قیدی کو -
۱۰ - ہم جو تمکو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا مُنہ چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلا نہ چاہیں شکر گزاری -
۱۱ - ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اوداس کی سختی سے (دہر)
(و) - تم ہو بہتر سب لوگوں سے جو پیدا ہوئے ہیں حکم کرتے ہو اچھی بات کا اور منع کرتے ہو
بُری بات سے اور ایمان لائے ہو اللہ پر - (آل عمران ۱۲ ع)

۷۴ - والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریٰتنا قرۃ اعین
واجعلنا للمتقین اماما -

۷۵ - اولٰئک یجزون الغرفۃ بما صبروا ویلقون فیھا تحیۃ وسلاما
(فرقان)

(ج) ۱ - قد افلح المومنون ؂
۲ - الذین ھم فی صلاتہم خاشعون
۳ - والذین ھم عن اللغو معرضون
۴ - والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون -
۵ - والذین ھم لفروجہم حافظون -
۶ - الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین -
۷ - فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک فاولٰئک ھم العادون -
۸ - والذین ھم لاماناتہم وعہدہم راعون -
۹ - والذین ھم علیٰ صلوٰتہم یحافظون -
۱۰ - اولٰئک ھم الوارثون -
۱۱ - الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون (مومنون)

---

۷۴ - اور وہ جو کہتے ہیں اے رب دے ہمکو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہمکو پرہیزگاروں کے آگے -

۷۵ - اُن کو بدلا ملیگا کوٹھوں کے جھروکے اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لیتے آوینگے اُن کو وہاں دعا اور سلام کہتے - (فرقان)

(ج) ۱؎ - فلاح پائی ایمان والوں نے - جو اپنی نمازمیں نِوے ہیں اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکات دیا کرتے ہیں اور جو اپنی خواہشوں کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو اُن پر الزام نہیں پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں اور اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پاویں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اسمیں سدا رہینگے - (مومنون)

The prospects of Anti-Mahometan Arabia were unfavorable to the hope of political main or national regeneration.

باہم ایسے متفرق اور ایک دوسرے سے
بے نیاز ہو رہے تھے کہ ان میں کوئی اُمید
مذہبی اصلاح اور اتحاد قومی کی نہ تھی اور یہ وجہ
بھی تھی کہ کبھی کسی غیر مُلک والے یا رئیس کو
اُن پر تسلط اور تمکن حاصل نہیں ہوا کیونکہ جب
جماعتیں ایسی متفرق ہوں کہ کوئی ان کا راس و
رئیس نہ ہو تو اُن کا مسخر اور منقاد کر لینا بہت
دشوار ہوتا ہے ۔

یہود بھی تو عرصہ سے عرب کے اطراف و جوانب میں بلکہ وسط عرب میں رہتے تھے اور
عیسائیوں کی کئی ریاستیں اور سلطنتیں قرب و جوار میں مثل سلطنت مصر و شام و حبشہ
تھیں اور نیز خاص عرب میں حراء و غسان اور یمن کی عیسائی بادشاہتیں اور نجران میں بنی
حارث اور یمامہ میں بنی حنیفہ اور تیمہ میں بنی طے اور نیز بنی تغلب یہ سب عیسائی قومیں
رہتی تھیں مگر اُن سے نہ تو کچھ عرب کی حالت تمدن میں اصلاح نہ اُن کے اخلاق میں کچھ اثر
نہ اُن کے اوضاع و اطوار میں شایستگی نہ اُن کے رسم و رواج میں تغیر واقع ہو سکا ۔ اور
مذہب میں تو سب برابر ہی سے تھے +

Islam united the hostile tribes of Arabia in a brotherly union.

خوب غور کرو اعراب کی حمیت اور عصبیت کی کینہ کشی اور عداوت کی رسم کو اور پھر
دیکھو اسلام کی صلح اور عفو کے احکام کو اور اسکے
نتیجہ میں ملاحظہ کرو عرب کی مذہبی اصلاح رسوم
کی تہذیب اور موافقت عام مُلکی اتحاد اور
قومی یگانگت گویا ازسرنو ایک طبقہ جدید پیدا
ہوگیا وہ خِلقت ہی بدل گئی وہ جبلت ہی جاتی رہی +

اگر حضرت موسیٰ کے انتظام سیاست میں تھوڑا سا بھی غور کرو تو بہت فرق پاؤ حضرت
موسیٰ ایک ایسی قوم اور جماعت پر گئے جو باہم متحد تھے اور اسپر طرہ یہ کہ ایک جابر بادشاہ
کی غلامی میں گرفتار اور کسی ادنیٰ سے محرک یا چھڑانیوالے کے وقف انتظار تھے حضرت
موسیٰ کو کچھ بھی تکلّف نہیں کرنا پڑا اور اُس قوم نے دلی آرزو اور اخلاص سے اُن کو اپنا

۴۷ - یہ کیفیت تو انسان کے ذاتی افعال اور خصال کی اصلاح اور تہذیب کی تھی اب دیکھنا چاہیئے کہ جماعت قوم پر اسلام نے کیا اثر کیا یعنی تمدن کی حیثیت سے کونسی بڑی برکت اور خیر کثیر ظاہر ہوئی +

**Its beneficial effects on the political state of the world.**

اسلام کے قبل تمام قوم عرب باہم ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے مگر اسلام نے اُن کو ایک رشتہ برادری میں منسلک کر کے سب کو بھائی بنا دیا۔ اُن کی عداوت مبدل بہ اُلفت ہو گئی اور وہ باہم کے شب و روز کے کشت و خون ایک لخت مسدود ہو گئے اور صلح اور امان اور اتفاق قومی ہر قوم اور قبیلے میں پایا گیا +

لا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا[1] - (آل عمران ۱۱ ع)

ایسا تصرف انسان کے دلوں پر ایک عجیب شان تصرف ہے اور بے نظیر مثال ہے جس کے حاصل کرنے میں سالہا سال کی ملکی تدبیریں اور نظام سلطنت قاصر رہ جاتے ہیں۔

والف بین قلوبہم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بینہم[2] (انفال ۸ ع) +

یہ کیسا کچھ اسلام کا فیض ہوا کہ جس کے نتیجہ میں عربوں کے خون خرابے اور باہم کے جدال و قتال موقوف اور معدوم ہو گئے اور ایک دوسرے سے فیاضی اور ہمدردی کرنے میں ساعی اور سرگرم ہو گئے اور نہ صرف خونریزی اور مقاتلات کو روکا بلکہ کینہ کشی اور غرور کی جڑ کاٹی اور تمام ملک میں امن و امان و صلح و آشتی قائم کر دی +

جس شخص کو ایام عرب پر نظر ہو گی وہ خوب سمجھتا ہو گا کہ عرب کی قومیں اور قبیلے

---

[1] اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم آپس میں دشمن پھر اُلفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اُس کے فضل سے بھائی - (آل عمران ۱۲ ع)

[2] اور ان کے دل میں الفت ڈالی اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ اُلفت دے سکتا اُن کے دل میں لیکن اللہ نے اُلفت ڈالی اُن میں - (انفال ۸ ع)

اہتمام کے حاشیہ پر گابن صاحب لکھتے ہیں کہ مراکشی نے تعصب کے مارے رومن کیتھلکوں کی زیادہ خیرات اور صدقات کا شمار کیا ہے کہ ۱۵ ہزار شفاخانے ہزاروں بیماروں اور زائروں کے لیے بنے ہوئے ہیں اور ۱۵ سو عورتوں کو ہر سال جہیز ملتا ہے ۵۶ مدرسے خیراتی بنے ہوئے ہیں اور ۱۲۰ جلسے برادران ایمانی کے اپنے بھائیوں کی اعانت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ - اور لندن کی فیاضی تو اس سے بھی بڑھکر ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ اس میں سے لوگوں کی انسانیت کی طرف منسوب ہو سکتا نہ یہ کہ مذہب کی حیثیت سے ہو - انتہی +

(۱) سورہ بقر میں ہے " ان تبدوا الصدقات فنعما هي وان تخفوها و تؤتوها الفقراء فهو خير لكم " (۲ ح)

(۲) " الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون " قول معروف و مغفرة خير من صدقة يتبعها اذى والله غني حليم (۲ ح)

(۳) " والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصه " (حشر ۹)

ابراہیم ریس کے مجمع العلوم میں ایک جگہ لکھا ہے کہ خیرات دینے میں ایثار اور اسکے ترغیب دینے میں مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ سرگرم کوئی مذہب نہیں ہے - قرآن نے قبول دعا کیواسطے خیرات کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ نماز ہمکو آدھے رستے تک پہونچاتی ہے اور روزہ ہمکو عرش الٰہی کے دروازے تک لیجاتے ہیں - اور خیرات سے ہمکو خدا کے گھر تک بار ملتا ہے - خیرات کو اہل اسلام بہت ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بہت سے مسلمان خیرات دینے کی شہرت میں ضرب المثل ہیں بالتخصیص حضرت حسن بن علی جو کہ محمد (صلعم) کے نواسے تھے روایت ہے کہ اُنھوں نے اپنی حیات میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصفا نصف بانٹ دیا اور دو مرتبہ تو سب جو کچھ تھا دیدیا - اور عوام مسلمین نیکیاں کرنے کے ایسے عادی ہو رہے ہیں کہ حیوانات تک سے وہ نیکی کرتے ہیں + (دیکھو سائیکلوپیڈیا ریس لفظ آمز)

سرداراور نجات دہندہ قبول کر لیا کیونکہ وہ تو مضطر اور بے بس تھے اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے اور باینہمہ وہ لوگ رہائی پاکر شایستہ و منقاد نہوئے۔ اصل غرض تنزیہ باری اور توحید الٰہی کے کئی بار خلاف ظہور میں آیا برخلاف عرب کی قوم کے - ان میں حد کے مرتبہ کا تفرق اور مباینت تھی اور جناب پیغمبر صلعم ان کے جملہ دین و آئین کو گمراہی قرار دیتے تھے ان کے خداؤں اور بتوں کو بیکار محض بتلاتے تھے اور وہاں کے کسی ایک قبیلہ نے بھی کلیتہً جناب پیغمبر کو تسلیم اور قبول نہیں کیا شروع ہی سے مشرکوں کا معارضہ اور مقابلہ ہونے لگا مگر آخر کو قرآن کے احکام و نصایح کی تاثیر یہ ہوئی کہ انھیں لوگوں میں سے ہزاروں اور لاکھوں ایمان لائے اور اپنے عزیز بتوں اور پیارے ٹھاکروں اور عمر بھر کے مسجود اور شب و روز کے معبود کو ترک اور موقوف کر دیا اور وہ قومی تفرق اور طبعی بغض و عناد سب جمعیت واحدہ اور قومی اتحاد اور اخوت سے بدل گیا ؛

۴۸ - اور منجملہ مصالحہ نوعیہ اور امور مفید عام احکام صدقات اور خیرات اور خدا کی راہ میں مال دینے اور فقیروں اور محتاجوں کی کفالت کرنے کے ہیں خصوصاً صیغہ وقف جسے زمانہ جاہلیت میں کوئی نہیں جانتا تھا اور اس امر خاص میں مسلمانوں کی فیاضی اور سخاوت تواریخ دہر اور صفحات عالم پر ثبت ہے ؛

Instituted charitable designs.

اڈوارڈ گبن صاحب ایک مشہور اور عالیقدر مورخ لکھتے ہیں کہ (جلد ۶ ص ۵۰)

"مسلمانوں کی نیکیاں (خیرات) جانوروں تک کے حق میں ہوتی ہیں اور قرآن میں محتاج و مسکین کی اعانت کرنے کی بکرر تاکید ہوئی ہے اور اسکو نہ محض تبرع یا ثواب کے طور پر بلکہ فرض اور حکم ناگزیر کے طور پر واجب قرار دیا ہے شاید محمدؐ (صلعم) ہی صرف ایسے صاحب شریعت ہیں جنہوں نے خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہو اس کی مقدار معین جائداد کی نوعیت اور مقدار پر بدلتی ہے مثلاً زر نقد غلہ یا مویشی اثمار و اسباب تجارت مگر جب تک کہ مسلمان اپنے مال کا دسواں حصہ نہ دے اس نے شریعت کی تکمیل نہ کی - دریقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی اور جن لوگوں کی اعانت ہمکو لازم ہے اُن کو ضرر پہونچانا ممنوع ہے - کوئی نبی عالم لاہوت اور برزخ کے مغیبات و اسرار بیان کیا کرے مگر احسانیات کے احکام میں اسکو ہمارے ہی دل کے احکام بیان کرنے ہونگے" ؛

۲ - افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت - والی السماء کیف رفعت - والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت[1] (غاشیہ)

۳ - الم نجعل الارض مہادا - والجبال اوتادا - وخلقنا کم ازواجا - وجعلنا نومکم سباتا - وجعلنا الیل لباسا - وجعلنا النہار معاشا - وبنینا فوقکم سبعا شدادا - وجعلنا سراجا وھاجا - وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا - لنخرج بہ حبا ونباتا - وجنات الفافا - (نبا)

۴ - والارض وضعہا للانام - فیہا فاکہۃ والنخل ذات الاکمام والحب ذوالعصف والریحان ٭ ٭ ٭ مرج البحرین یلتقیان - بینہما برزخ لا یبغیان - (رحمٰن)

۵ - افلم ینظروا الی السماء فوقہم کیف بنیناھا وزیناھا ومالھا من فروج - والارض مددناھا والقینا فیہا رواسی - وانبتنا فیہا من کل زوج بہیج - تبصرۃ وذکری لکل عبد منیب ونزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا بہ جنات وحب الحصید - والنخل باسقات لہا طلع نضید - رزقا للعباد واحیینا بہ بلدۃ میتا - (ق)

---

[1] ۲ - کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر کیسے بنائے ہیں اور آسمان پر کیسا بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کیسے کھڑے کیئے ہیں اور زمین پر کیسی صاف بچھائی ہے -

۳ - کیا ہمنے نہیں بنائی زمین بچھونا اور پہاڑ میخیں اور تمکو بنایا جوڑے جوڑے اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی اور بنائی رات اوڑھنا اور بنایا دن روزگار کو اور چنی ہمنے اوپر سات چنائی مضبوط اور بنایا ایک چراغ چمکتا اور اتارا نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا کہ نکالیں اُس سے اناج اور سبزہ اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے -

۴ - اور زمین کو رکھا واسطے خلق کے اس میں میوہ ہے اور کھجوریں جسکے میوہ پر غلاف ہیں اور اناج جسکے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبو کے ٭ ٭ ٭ چلائے دو دریا جو آپسمیں ملکر چلتے ہیں اُنکے بیچمیں ہے ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے -

۵ - کیا نگاہ نہیں کیا آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہمنے بنایا اسکو اور رونق دی اور اُس میں نہیں کوئی سوراخ اور زمین کو پھیلایا اور ڈالا اسمیں بوجھ اور اُگائی اُسمیں ہر قسم کی رونق کی چیز سوجھانے کو اور یاد دلانے کو اُس بندے کو - جو رجوع رکھے اور اتارا ہمنے آسمان سے پانی برکت کا پھر اُگائے ہمنے اس سے باغ اور اناج کھیت کا اور کھجوریں لمبی اُن کا گابھا ہے تہ پر تہ روزی دینے کو بندوں کے اور جلایا اس سے ہمنے دیس مردہ -

# قرآن کے معدن حکمت اور مسلمانوں کے مصدر علوم ہونے کا ذکر

## LITERARY BENEFITS OF ISLAM.

۳۹ - زمان جاہلیت میں تمام عرب میں کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی اور بجز علم انساب اور شعر گوئی کے اور کوئی تعلیم نہ تھی پس پہلی کتاب مستطاب جو عرب میں مدون ہوئی وہ قرآن مجید ہے جو علاوہ اس کے کہ ارشادات الٰہی اور احکام ربانی کا مصدر ہے علوم حکمیہ عقلیہ اور حکمت الٰہیہ کا بھی معدن ہے - بعد اس زمانہ نزول وحی اور انتشار علوم الٰہیہ کے مسلمان کئی ایک جلیل القدر اور عظیم الشان علوم کے موجد اور ماخذ ہوئے اور علوم متعارفہ کو بہت کچھ تہذیب و اصلاح کر کے دور دور کے ملکوں میں پھیلایا اور کئی ایک ملک کے مالک مسلمانوں کی بدولت اہل علم ہو گئے اور جس زمانہ میں کہ اور سب قومیں جہالت کے تیرہ و تاریک قعر میں پڑی تھیں مسلمانوں ہی میں علم کا رواج پایا جاتا تھا ٭

۴۰ - (۱) منجملہ علوم مشتہرہ قرآن مجید نیچرل فلاسفی اور نیچرل تھیالوجی ہے - نیچرل فلاسفی جس سے مراد علم مناظر قدرت و مظاہر فطرت ہے اس سے قرآن مجید مالامال ہے اس میں حقائق موجودات اور محاسن کائنات کا بیان کثرت سے پایا جاتا ہے اور

**Natural Philosophy and Theology of the Koran.**

پھر ان سے وجود واجب تعالیٰ اور اس کے علم و قدرت پر استدلال ہر جگہ ہوتا گیا ہے ٭

(۱) انا صببنا الماء صبا - ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حبا و عنبا و قضبا - و زیتونا و نخلا - و حدائق غلبا - و فاکھۃ و ابا - (عبس)

---

(۱) ہمنے ڈالا پانی اوپر سے - اور پھر چیرا زمین کو - پھر اُگایا اُس میں اناج انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں - اور گھنے باغ اور میوہ اور دوب -

۱۰- الم تران الله انزل من السماء ماء فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها و من الجبال جدد بيض وحمر مختلف الوانها وغرابيب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه - (فاطر)

۱۱- خلق السموات بغير عمد ترونها والقى في الارض رواسي ان تميد بكم وبث فيها من كل دابة وانزلنا من السماء ماء فانبتنا فيها من كل زوج كريم (لقمان)

۱۲- الله الذي يرسل الرياح فتثير سحابا فيبسطه في السماء كيف يشاء ويجعله كسفا فترى الودق يخرج من خلاله فاذا اصاب به من يشاء من عباده اذا هم يستبشرون - (روم - ۲۵)

۱۳- وان لكم في الانعام لعبرة نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربين - ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا - (نحل)

---

۱۰- تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے طرح طرح کے اُن کے رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ اور طرح طرح کے اُن کے رنگ اور کالے بھجنگ اور آدمیوں میں کیڑوں میں چوپایوں میں کئی رنگ کے ہیں -

۱۱- بنائے آسمان بے تھمبے اُسے دیکھتے ہو اور ڈالے زمین پر بوجھ کہ تمکو لیکر جھک نہ پڑے اور بکھیرے اُس میں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہمنے آسمان سے پانی - پھر اُگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے -

۱۲- اللہ جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُبھارتا ہے بدلی پھر پھیلاتا ہے اُسکو آسمان میں جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اُسکو تہ پر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اُسکے بیچ سے پھر جب اُسکو پہونچایا جس جگہ چاہے اپنے بندوں میں تبھی وہ لگے خوشیاں کرنے -

۱۳- اور تمکو چوپاؤں میں عبرت کی جگہ ہے پلاتے ہیں ہم تم کو اُس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو اور میووں میں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اُس سے نشا اور روزی خاصی -

ﷺ ۶- والذی خلق الازواج کلہا وجعل لکم من الفلک والانعام ماترکبون لتستوا علیٰ ظہورہ ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ وتقولوا سبحان الذی سخرلنا ھٰذا وما کنا لہ مقرنین ۔ وانا الیٰ ربنا لمنقلبون ۔ (زخرف)

۷- ومن اٰیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ان یشاء یسکن الریح فیظللن رواکد علیٰ ظہرہ - ان فی ذلک لاٰیات لکل صبار شکور ۔ (شوریٰ)

۸- ان فی خلق السموات والارض لاٰیات للمومنین - وفی خلقکم وما یبث من دابۃ اٰیات لقوم یوقنون - واختلاف اللیل والنھار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتہا وتصریف الریاح اٰیات لقوم یعقلون (جاثیہ)

۹- واٰیۃ لہم اللیل نسلخ منہ النہار فاذاھم مظلمون - والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم - والقمر قدرناہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم - لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار - وکل فی فلک یسبحون - (یٰس)

---

ﷺ ۶- جس نے بنائے سب چیز جوڑے اور بنا دیئے تمکو جو پائے اور کشتی جسپر سوار ہوتے ہو تا چڑھ بیٹھو اسکی پیٹھ پر پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان جب بیٹھ چکو اُسپر اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں دیا ہمارے یاور ہم نہ تھے اسکے مقابل ہونیوالے اور ہمکو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ۔

۷- اور ایک اسکی نشانی ہے چلتے جہاز دریا میں جیسے پہاڑ اگر چاہے تھام دے ہوا پھر رہجاویں سارے دن ٹھہرے اسکی پیٹھ پر مقرر اسمیں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق کی بات مانے ۔

۸- بیشک آسمانوں میں اور زمین میں بہت پتے ہیں ماننے والوں کو اور تمہارے بنانے میں اور جو جانوروں کے پھیلانے میں پتے ہیں لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ جو اُتاری اللہ نے آسمان سے روزی پھر جلائی اس سے زمین کو مرگئے پیچھے اور بدلنے میں ہواؤں کے پتے ہیں ان لوگوں کو جو بوجھتے ہیں ۔

۹- اور ایک نشانی ہے ان کو رات ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے دن پھر رہجاتے ہیں اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے اپنی ٹھہری راہ پر یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر کا اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں کہ پھر آ رہے جیسے ٹہنی پرانی یہ نہ سورج کو پہونچے کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں تیرتے ہیں ۔

^۱۶^ ۵- والانعام خلقها لکم فیها دفء ومنافع ومنها تاکلون ولکم فیها جمال حین تریحون وحین تسرحون - وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیه الا بشق الانفس ان ربکم لرؤف الرحیم - والخیل والبغال والحمیر لترکبوها وزینة ویخلق مالا تعلمون - (نحل)

۱۷- وله الجوار المنشات فی البحر کالاعلام - (رحمان)

۱۸- ولا اقسم بالخنس الجوار الکنس - (کورت)

غرض کہ اسی طرح تمام قرآن میں نیچرل ہسٹری اور نیچرل تھیالوجی کے اصول کی مفصل کیفیتیں اور مکرر اشارتیں ہیں مگر یونانیوں کی طبعی والٰہی کی نہیں بلکہ حقیقی باتوں کی اور نیز دیگر علوم حکمیہ کے اشارے خصوصاً علم جیالوجی کے اصول پر کثرت سے حوالہ ہوا ہے مگر جن لوگوں نے اس علم کا نام بھی نہ سنا ہو وہ اس کے استنباط پر کیسے قادر ہوسکتے ہیں *

۱۴- (۲) دوسرا ایک عظیم الشان علم جو خاص مسلمانوں میں ایجاد ہوا وہ علم اسماء الرجال ہے جس کو یونانی زبان میں بیوگرافی کہتے ہیں Mahomedan Biographies. جس کثرت سے مسلمانوں نے اس علم خاص پر توجہ کی اور جس دقت اور تلاش سے ہر ہر اہل علم اور راویوں کے حالات ضبط کیئے اور اُن کے مولد اور منشا رکا بیان اور مزاج کی دقعت اور رائے کے تغیرات اور عام رویہ کے حالات کو ڈھونڈھا اور بڑی بڑی مجلد کتابوں میں قلمبند کیا وہ آج تک کسی قوم میں اور کسی مذہب میں نہیں ہوا *

---

۵ ۱۶- اور چوپائے بنادیئے تمکو اُن میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تمکو اُن سے رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اُٹھا لیجلتے ہیں بوجھ تمہارے اُن شہروں تک کہ تم نہ پہونچتے وہاں تک مگر جان توڑ کے بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے اور گھوڑے بنائے اور خچریں اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو اور رونق ہو اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

۱۷- اور اُس کے ہیں جہاز اُنچے کھڑے دریا میں جیسے پہاڑ۔

۱۸- سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے سیدھے چلنے دبک جانے والوں کی۔

۱۴[1] - واوحي ربك الى النحل ان اتخذي من الجبال بيوتاً ومن الشجر ومما يعرشون - ثم كلي من كل الثمرات فاسلكي سبل ربك ذللا يخرج من بطونها شراب مختلفا الوانه فيه شفاء للناس (نحل)

۱۵ - والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا وجعل لكم السمع والابصار والافئدة لعلكم تشكرون - الم يروا الى الطير مسخرات في جو السماء ما يمسكهن الا الله ان في ذلك لآيات لقوم يوقنون - والله جعل لكم من بيوتكم سكنا وجعل لكم من جلود الانعام بيوتا تستخفونها يوم ظعنكم ويوم اقامتكم ومن اصوافها واوبارها و اشعارها اثاثا ومتاعاً الى حين - والله جعل لكم مما خلق ظلالاً وجعل لكم من الجبال اكنانا وجعل لكم سرابيل تقيكم الحر وسرابيل تقيكم باسكم كذلك يتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون - (نحل)

---

[1] ۱۴ - اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں چھتریاں ڈالتے ہیں پھر کھا ہر طرح کے میووں سے اور چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑی ہیں نکلتی ہے اُن کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے کئی رنگ ہیں اس میں آزار چنگے ہوتے ہیں آدمیوں کے ؂

۱۵ - اور اللہ نے نکالا تمکو تمہاری ماں کے پیٹ سے کچھ نہ جانتے تھے اور دیئے تمکو کان اور آنکھیں اور دل شاید تم احسان مانو کیا نہیں دیکھتے اُڑتے جانور حکم کے باندھے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا اُن کو اللہ کے سوا اسمیں پتے ہیں اُن لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اور اللہ نے بنا دیئے تمکو تمہارے گھر بسنے کی جگہ اور بنا دیئے تمکو چوپایوں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے لگتے ہیں تمکو جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں ہو اور اُن کی اون سے اور ببریوں سے اور بالوں سے کتنے اسباب اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک اور اللہ نے بنا دی تمکو اپنی بنائی چیزوں کی چھائیں اور بنا دی تمکو پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ اور بنا دیئے تمکو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی کے اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی کے اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر شاید تم احسان مانو -

محمد بن بابویہ قمی اور کشی اور نجاشی اور شیخ ابو جعفر طوسی نے کتابیں لکھیں اور متاخرین کی کتابیں مثل تصنیف علامہ حلی و تقی الدین بن داؤد و شیخ شہید ثانی اور اُن کے بعد فاضل محمد استرابادی و میر شرف الدین علی (صاحب کتاب ایجاد المقال) مشہور و معروف ہیں ✦

اور محققین اہل سنت میں متاخرین کی مشہور کتابیں مثل استیعاب ابن عبد البر اور میزان الاعتدال في نقد الرجال حافظ شمس الدین ذہبی کی اور نیز کاشف اور کتاب الضعفاء المتروکین اور شیخ الاسلام محي الدین نووی کی کتاب تهذيب الاسماء و تقریب اور امام ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب و تقریب التہذیب و لسان المیزان اور اصابه في تميز الصحابه اور علامہ سیوطی کی تدریب الراوي شرح تقریب النواوي اور اَور کتابیں نامی اور مستند ہیں ✦

۴۲ - (۳) ایک اَور علم جلیل الشان علم حفظ اسناد اور اصول درایت ہے دوسری صدی ہجری سے مسلمانوں میں حدیثوں کے قلمبند کرنے اور روایتوں کو جمع کر کے لکھنے کا شوق ہوا اور بیسیوں تصنیفیں روایتوں کی جمع ہو گئیں اس لیئے ان کے تنقیہ اور راویوں کی جرح و تعدیل خوب ضبط اور تحقیق سے نہیں ہوئی حتی کہ اہل صحاح نے اس میں بڑا ضبط اور اہتمام کیا مگر متقدمین رجال کی نظر میں ان میں بھی بہت راوی متکلم فیہ اور مجروح نکلے ✦

Preservation of traditions and their critical examination not to be found in any other nation.

البتہ جو طریقے اصول درایت کے قایم کیئے اور جس طرح روایتوں کو اصطلاحی قسموں پر تقسیم کیا اُن سے اُن کی دقت نظر باریک بینی ذہانت اور عدم تقلید خوب ثابت ہے بتلاؤ میں امہرمزی نے ایک مختصر تصنیف فن درایت میں لکھی پھر حاکم نیشاپوری معروف بابن البیع نے معرفت حدیث میں کتاب لکھی اور پھر احمد بن عبد اللہ ابو نعیم صفہانی نے کتاب النہایة فن حدیث میں لکھی اور خطیب بغدادی نے جنکی شہرت اور تلقی بالقبول تمام علماء اسلام میں

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب جن کی مہارت علوم عربیہ میں مشہور ہے اور بڑے صاحب نظر تھے اُنھوں نے جب صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرس کی ہدایت اور کلکتہ ایشیاٹک سوسئٹی کے زیر اہتمام کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ تصنیف علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی (مات ۸۰) چھاپنی شروع کی تو اُس کے دیباچہ میں بزبان انگریزی یہ مضمون لکھا کہ "مسلمانوں کے علوم کی عزت علم اسماء الرجال ہے نہ تو کوئی ایسی قوم گذری اور نہ کوئی اَب ہے جس نے مسلمانوں کی مانند بارہ سَو برس کے عرصہ میں ہر ایک اہل علم کے حالات زندگی قلمبند کیئے ہوں۔ اگر مُسلمانوں کی کتب رجال جمع کی جاویں تو غالباً ہمکو پانچ لاکھ علماء مشاہیر کا تذکرہ مل جاوے۔ ان کی تاریخ میں کوئی قرن یا نامی جگہ ایسی نہیں ہے جس کا کوئی آدمی اس تذکرہ میں نہو" انتہی ؛

فن رجال میں تحقیق وتلاش کی ترقی ابن سعد کے زمانہ میں خوب ہوئی جس کی کتاب اسماء رجال و احوال رواۃ کے طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ اور محمد بن اسمٰعیل بخاری اور ابن ابی خیثمہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں عموماً راویوں کی بیوگرافی لکھی اور عجلی اور ابن حبان اور ابن شاہین نے ثقہ راویوں کو الگ چھانٹا اور ابن عدی اور پھر ابن حبان نے مجروح اور ضعیف راویوں کو جُدا کیا۔ اور بعضوں نے خاص خاص کتب حدیث کے راویوں کے طبقات اُن کے موالید اور وفیات علیحدہ علیحدہ لکھے مثلاً ابی نصر الکلاباذی نے بخاری کے راویوں کو اور ابی بکر منجویہ نے مسلم کے راویوں کو اور ابی الفضل بن طاہر نے دونوں بخاری اور مُسلم کے راویوں کو اکٹھا جمع کیا اور عبدالغنی المقدسی نے کل صحاح ستہ کے راویوں کو کتاب الکمال فی معرفۃ الرجال میں ضبط کیا اور پھر مزی نے اس کتاب کا خلاصہ کیا جس کا نام تہذیب الکمال ہے۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو خلاصہ کر کے اور اَور بہت کچھ اسپر زیادہ کر کے تہذیب التہذیب نام کی کتاب لکھی۔

اور فرقہ امامیہ میں بھی اس فن کی تدوین قدیم زمانہ سے ہوئی چنانچہ حسن بن علی بن فضال اور عبداللہ بن جبلہ نے (سنہ [illegible]) اسماء رجال میں کتابیں لکھیں اور حمید بن زیاد نینوی نے (سنہ [illegible]) رجال کی جرح وتعدیل میں کتاب لکھی اور محمد بن عیسیٰ بن عبید بن یقطین نے بھی اس فن میں کتابیں لکھیں اور ایسے ہی شیخ محمد بن یعقوب کلینی اور شیخ صدوق

یعنی کلمہ کی ازلیت اور واجب الوجود سے اُسکی معیت ویسی ہی اعتقاد کرنے جیسی فلو یہودی فیلسوف اور یونانیوں نے کی تھی ✽

یہود میں علم حکمت و معقولات کا رواج حضرت داؤد اور سلیمان سے ہوا۔ حضرت سلیمان کے رسالے حکمت کے مختلف علوم کے مدت سے محفوظ نہیں (علم حیوانات میں سے بالتخصیص علم منطق الطیر کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہ اُڑتے جانوروں کا علم ایک شاخ ہے نیچرل ہسٹری کی۔ اور منطق کا لفظ یونانی زبان کے لوجی کے مقابلہ میں ہے جس کے معنی ہیں علم جیسے جیولوجی۔ ذولوجی فزیولوجی ہیں اور اسی منطق الطیر اور دیگر علوم سلیمانی کا ذکر کتاب اسلاطین باب ۵ پسوق ۱۴ (نسخہ عبرانی) میں ہے۔ مگر بعد زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہودیوں نے علوم حکمیہ میں بہت کم ترقی کی۔ قید کے زمانہ میں اُنھوں نے بہت سی نئی باتیں حاصل کیں اور بعد میں فلسفہ یونان میں سے بہت کچھ حق اور باطل باتیں حاصل کیں۔ اور کتاب حکمت سلیمان میں فلسفہ یونان بھرا ہوا ہے۔ اور بعد میں فلسفہ کو یہود میں بہت ترقی ہوئی۔ اور اسی فلسفہ کی بنا پر ان میں کئی فرقے مثلاً صدوقی۔ فریسی وغیرہ ہو گئے اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں فریسیوں میں بھی کئی فرقے اَور ہو چلے تھے اور اسی زمانہ میں ہلل یہودی حکیم اور فیلسوف اور شماعی (یونانی سمیاس شاید سمعون۔ لوق ۲ و ۲۵) اور گملیل (اعمال ۵/۳۴ و ۲۲/۳ شاید وہی جو اُستاد پولوس مقدس تھا) بہت نامی زبردست اور صاحب مذاہب متبعہ گذرے ✽

جب سے فلسفہ یونان یا کالدینیاں نے رواج پایا تھا یہودیوں نے روح کے تناسخ اور غیر فانی اور پہلے سے پیدا ہو چکنے کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا[۱]۔ پیروان فیثاغورس و امپیلقوس بلکہ افلاطون سے بھی مسئلہ تناسخ[۲] و تقدیم خلق ارواح کے[۳] ایجاد ہوئے

---

[۱] دیکھو تاریخ رویتہ الکبرا مصنفہ گبن باب ۴۷ ✽

[۲] تناسخ کا سا مسئلہ حواریان مسیح کے اعتقاد میں بھی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو انجیل یوحنا ۹/۲ ✽

[۳] عالم ارواح کا مسئلہ یعنی سب روحیں آدمیوں کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہو چکی

ظاہر ہے اس فن میں کتاب کفایة لکھی اور آور کتابیں مثل شرف اصحاب الحدیث والسابق و اللاحق و المتفق و المفترق و المؤتلف و المختلف و تلخیص المتشابه وغنية المقتبس في تميز الملتبس و تمیز متصل الاسانید وغیرہ ذلک تصنیف کیں اور جیسیکہ اپنے زمانہ میں خطیب تمام ایشیا میں بے مثل تھے ایسے ہی انھیں کے معاصر فرنگستان میں (پانچویں صدی میں ہے) ابن عبد البر صاحب کتاب الاستیعاب حافظ عصر تھے +

یہ علم سیاقت سلسلہ رواۃ کی تحقیق اور راویوں کی تفتیش مسلمانوں ہی سے مخصوص ہے یہود و نصاریٰ میں احادیث اور روایتوں پر عمل رہا اور کتاب تالمود اور مشنا وغیرہ کتب یہود روایتوں کے مجموعہ ہیں۔ ان میں سے مشنا کی روایتیں دوسری صدی عیسوی میں قلمبند ہوئیں۔ اور تالمود ہجرت سے سَو برس پیشتر لکھی گئی مگر سلسلہ اسناد گویا کہ ندارد ہی ہے چہ جائے ان میں وہ باریکیاں اور نازک خیالیاں اور خبر کے افادہ علم کرنے یا مفید یقین ہونے کے معقول قاعدے معلوم ہوئے ہوں -

۳۴ - (۴) ایک آور علم مہتم بالشان علم کلام ہے۔ یونانیوں میں علوم عقلیہ و حکمت کی اشاعت سن عیسوی سے پانچ یا چھ سَو برس پیشتر ہوگئی تھی اس لیئے یہودیوں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہب پر یونانی فلسفہ کا کم و بیش ضرور اثر ہوا یہود کی دینی کتاب یعنی توراۃ میں تو اس کا کچھ اثر نہیں

Grecian phislosophy and its influence on the people of the Book.

پایا جاتا کیونکہ اسکی تالیف یا تصنیف اس فلسفہ کی اشاعت سے سالہا سال پیشتر کی ہے البتہ مصریوں کے علوم و فنون کا تعلق توراۃ کے احکام سے اگر کوئی شوق کرے تو دریافت ہوسکتا ہے مگر یونانی فلسفہ کی اشاعت ہوجانے کے بعد یہود کے عقاید میں بہت کچھ فلسفیت آگئی تھی اور عیسائیوں نے تو اول و اجل عقاید کو اسی طرز پر قایم کیا اور حضرت یوحنا اور پولوس نے اور بطوس نے بھی شاید عموماً یونانیوں کی زبان اور علوم کی شہرت اور رواج سے اور خصوصاً فلو یہودی سرآمد فلاسفہ و جامع معقول و منقول کی معاصرت اور کچھ مصاحبت سے بھی تعدد قدما کا سا مسئلہ بالتخصیص لوگوس

في تدوين الحديث والفقه والتفسير فصنف ابن جريج بمكة ومالك الموطا بالمدينة والاوزاعي بالشام وابن ابي عروبة وحماد بن سلمه وغيرهما بالبصرة ومعمر باليمن وسفيان الثوري بالكوفه وصنف ابن اسحاق المغازي وصنف ابو حنيفه رحمة الله الفقه والرائے ثم بعد يسير صنف هشيم والليث و ابن لهيعه ثم ابن المبارك وابو يوسف وابن وهب وكثير تدوين العلم و تبويبه ودونت كتب العربيه واللغة والتاريخ وايام الناس (تاريخ الخلفاء سيوطي) *

چیمبرس کے سائکلوپیڈیا میں ایک مختصر سی کیفیت اسلام میں ترقی علوم وفنون کے بیان میں لکھی گئی ہے اُس کا کچھ انتخاب یہاں نقل کیا جاتا ہے *

"۷۴۹ء میں خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب وفنون حکمت کا ظہور ہوا اور المنصور (سنہ ۷۵۴ - ۷۷۵ء) کے ایام حکمرانی سے ہارون الرشید (سنہ ۷۸۶ - ۸۰۸ء) تک بڑی فیاضی سے اُن کی تربیت ہوئی بہت سے مُلکوں سے اہل علم طلب کیئے گئے اور بادشاہانہ سخاوت سے اُن کی بہت کچھ داد و دہش کی گئی اہل یونان وشام وایران قدیم کی عُمدہ عُمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر مشتہر اور شایع ہوئیں - خلیفہ مامون نے (جس نے ۸۱۳ سے ۸۳۳ء تک سلطنت کی) سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا اور ہمیشہ کی صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دیجاوے کہ چند عرصہ کے لیئے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ وحکمت سکھلاوے فلسفہ حاصل کرنے کے لیئے ایسے زر خطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملیگی - اسی مامون کے زمانہ میں بغداد - بصرہ - بخارا اور کوفے میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی اور اسکندریہ - بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کُتب خانے بنائے گئے - اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا - اور عموماً دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھلانیوالے نظر آتے تھے - فرانس اور اور ممالک فرنگستان کے طالب علم جوق جوق اُندلس کو آنے شروع ہوئے اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے - اُندلس میں ۱۴ مدرسے اور ۵ بڑے بڑے کُتب خانے جن میں سے حاکم کے کتب خانے میں ۶ لاکھ کتابیں تھیں جمع ہوئے - یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اُس زمانہ سے ملائی جاوے جو قبل زمانہ

اُنھیں سے یہودیوں نے اور اُن سے عیسائیوں نے سیکھا اور اسی طور سے مسئلہ وجود لوگوس یعنی کلمہ اس طرح پر کہ وہ عین ذات الٰہی اور قدیم ہے عیسائیوں نے فلسفہ یونان سے حاصل کرکے اپنے دینی عقاید کے مسئلوں میں شامل کرلیا حتی کہ حواریوں کے زمانہ میں فلو یہودی فیلسوف جس طور کہ فلاسفہ یونان کے تتبع پر لوگوس کا مسئلہ بیان کرتا تھا بعینہ اسی طور پر حضرت یوحنا حواری نے جیسا کہ مشہور ہے اپنی انجیل کے دیباچہ میں (باب اول ۱۔ ۱۴[1]) اسے درج کیا۔ اس سے پایا گیا کہ فلسفہ کا بہت بڑا اثر یہودیوں اور علے الخصوص عیسائیوں پر ہوا مگر مسلمانوں نے فلسفہ یونان کے مقابلہ میں علم کلام ایجاد کیا اور عمدہ عمدہ کتابیں اصول عقاید کی لکھیں اور اُس کی تردید اور تطبیق میں کوشش کی +

۴۴۔ مسلمانوں میں علوم کی عموماً ترقی اور حکمت اور فلسفہ یونان کی تحصیل دوسری صدی سے شروع ہوئی +

Real progress of moslems in Sciences.

علامہ ذہبی نے ۱۴۳ھ کے بیان میں لکھا۔ شرع علماء الاسلام في هذا العصر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷ تھیں مسلمانوں میں بھی آیا اس اعتقاد سے کچھ اُن کی الٰہیات میں خلل نہیں واقع ہوا کیونکہ اُس کا اثر ذات الٰہی کے متعلق مسئلوں پر کم پہونچتا ہے مگر ہر چند کہ عوام یا متفلسفین نے اسے قبول کیا الا محققین اسلام اور جامع معقول و منقول علماء مثل سید مرتضی علم الہدیٰ و امام غزالی نے اس سے انکار کیا اور عوام الناس جو سورہ اعراف کی (۱۷۱) آیت اور بعض روایتوں سے جن کو اصحاب مولود بہت پڑھتے ہیں اس پر غلط استدلال کیا تھا اچھی طرح پر اُس کے صحیح معنی ظاہر کیئے ہیں چنانچہ سید مرتضی نے کتاب غرر و درر میں اور امام غزالیؒ نے کتاب النفخ والتسویہ (المضنون به علی غیر اهله) میں اُس کی تفصیل کی ہے۔

[1] "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا وہی ابتدا سے خدا کے ساتھ تھا" (انجیل یوحنا) مگر یاد رہے کہ نسخہ کلیمنس الکسندریانوس میں پہلی آیت یوں ہے + + + اور کلام خدا میں تھا + + + پس حال کی عبارت سے جو تعدد قدما لازم آتا ہے جاتا رہتا ہے۔ اور دوسری آیت تو چند قدیم اور معتبر نسخوں میں جو محققین گریسباخ اور میتھائی نے مقابلہ کی پائی نہیں جاتی +

ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی میں ترجمہ کے ذریعہ سے اسکی
اشاعت ہوئی گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلے سے حاصل ہوا تھا
منطق اور علم مابعد الطبیعۃ پر زیادہ توجہ ہوئی - اور مسلمانوں میں مشاہیر اہل فلسفہ یہ لوگ

الفارابی

ہوئے ہیں - الکندی بصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا - الفارابی جس نے ۹۵۴ء
میں اصول (؟) میں کتاب لکھی - ابن سینا (مات ۱۰۳۶) جس نے منطق اور علم
مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا و تشخیص امراض اور شناخت ادویات نباتی
میں بڑی ترقی کی - ابن یحیی جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی - الغزالی (مات ۱۱۱۱) جس نے

ابن یقظان

کتاب تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کی - ابوبکر ابن طفیل (مات ۱۱۹۰) جس نے اپنے قصہ حی
ابن یقدان (مطبوعہ پوکوک مقام اکسفورڈ سنہ ۱۶۷۱ء) میں انسانوں کا حیوانوں سے
ظہور میں آنے کا مسئلہ بیان کیا اور اس کا شاگرد ابن الرشد جو ارسطا طالیس [illegible] کے مفسر ہونے
میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا - ان لوگوں کا اور ان کے مسلک کا [illegible] بیان ہمبولدس اور
رٹر کی کتابوں میں مفصل ملیگا *

" بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان [illegible] خواص ادویہ میں
مہارت کامل حاصل کرنے کو ہمبولٹ نے معلومات جغرافیہ سے منسوب [illegible] * * *
* * * * * * * * * * * * علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے
عرب ہی کی ایجاد ہے جن کو نہایت قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے
مل گئے تھے - معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں نے ہی ایجاد کی اور دواؤں کے
مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انھیں سے ہوئی - اور مدرسہ سلرنو کے ذریعہ سے
یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا - (دیکھو رسالہ کوس موس مصنفہ ہمبولٹ جلد ۲ ص ۵۸۱
ترجمہ بوہن) دوا سازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی
اور تین سو برس تک یعنی ۸ سے ۱۱ صدی ع تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی

جندیسابور

اور جندیسابور بغداد - اصفہان - فیروزآباد - بلخ - کوفہ - بصرہ - اسکندریہ - قرطبہ وغیرہ میں
فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہو گئے - اور طبابت کے ہر ایک صیغہ میں بجز علم
تشریح کے بڑی ترقی ہوئی - اس کے استثنا کی یہ وجہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح
منع کی گئی ہے (؟) علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے - ہارون الکندی

(محمد صلعم) گذرا تو ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے ؛

"جغرافیہ - تاریخ - فلسفہ - طب - طبعیات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا - اور عربی الفاظ جو اب تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں مثلاً الکحل عظیمہ زینہ نادر اور بہت سے ستاروں کے نام وغیرہ ذٰلک اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا - مگر بعد کے زمانہ میں ان سے جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کو حاصل ہوا - ایشیا اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علم جغرافیہ میں پرانی عربی کتابیں اور سفر و سیاحت کے رسالے تصنیفات ابوالفدا ادریسی لیو افریقانوس ابن بطوطہ ابن فضلان ابن جبیر البیرونی المنجم اور اوروں کی تحریریں اب تک مفید اور گرامی قدر ہیں" ؛

"علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مؤرخ جس کا حال ہمکو ملتا ہے محمد الکلبی ہے (جو سنہ ۸۱۹ء میں مرگیا) مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مؤرخ گذرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا ان میں اول مسعودی - طبری - ہمزہ - اصفہانی اور یوطیکیوس بطریق اسکندریہ ہیں (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب و معدن الجواہر ہے) ان کے بعد ابوالفرح اور جارج الماقین (ہر دو عیسائی) اور ابوالفدا وغیرہ ہیں - نویری نے جزیرہ سلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب کی لکھی - بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابوالقاسم قرطبی (وفات ۱۱۳۹ء) تمیمی وغیرہ نے متعدد کتابوں میں لکھے ہیں جس کسی کو ان حالات کے دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو قطریر کی تصنیفات خصوصاً وان ہیمر کی کتابوں پر رجوع کرے" ؛

ابوحمزہ اصفہانی

+ + + + + + + + + + + + + + + +

"عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت تھی جو اوسط زمانے کے معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا عربوں نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اسپین میں اس کی بڑی شہرت

ہے بہت سے مقامات پر عربی کی استعانت سے صاف صاف سمجھ میں آنی شروع ہوئیں۔ کیونکہ عہدِ عتیق میں بہت سے ایسے محاورات صرف ہوئے ہیں اور ایسے عادات کا بیان ہے جو اہل یورپ نہیں سمجھتے تھے مگر عرب میں اُن کا استعمال اور رواج تھا۔ مگر افسوس کہ یہاں کے مسلمان باوجود شدت احتیاج زبان عبری یا یونانی نہیں سیکھتے اور بڑے بڑے افضل الفضلا یہ نہیں جانتے کہ فارقلیط کس زبان کا لفظ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے زمانہ کے اکثر علمائے دین اور نیز مفسرین سابقین چہارم قرآن کے مضمون کو اس وجہ سے اچھی طرح نہیں سمجھ سکے کہ اُن کو یہود کی زبان اور رسوم وعادات مذہب و خیالات طریق معاشرت اور اُن کی کتب دینی پر اطلاع نہیں[۱]۔

ہنری لوئیس نے ہسٹری آف فلاسفی میں لکھا ہے کہ۔

"مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہونچا۔ اس امر خاص میں یورپ اُن کا ممنون احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے کہ اُن لوگوں نے علم ہندسہ اور ہیئت اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور انھیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہوکر فرنگستان میں علم پھیلا"[۲]۔

اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی کی اول تجویز میں اس امر کا اعتراف ہے کہ شاید عربوں اور فارسیوں سے زیادہ کسی قوم میں علم تاریخ و تذکرہ و فن بدیع کے ذخیرہ جمع نہیں ہیں۔ اُن کی تاریخوں اور تذکروں کی کتابیں جن میں اُن کے اردگرد کے ملکوں کے حالات لکھے ہیں وہی کتابیں اصلی ماخذ ہیں اُن ملکوں کی تاریخ اور نامی اشخاص کے تذکرہ کی۔ اُن کی تاریخیں جنگ مقدس کے بیان کی جن میں صحیح صحیح حالات لکھے ہوئے ہیں اُن کے پڑھنے میں ہر ایک پڑھنے والے کا دل لگیگا اور اہل تاریخ کو اُن سے بڑی مدد ملیگی۔ فن ادب اور خصوصاً قصص و حکایات میں تو کوئی اُن سے بڑھکر نہیں ہوا اور جو کچھ ایسی کتابیں

---

[۱] واركعوا مع الراكعين (بقرہ ۴۵) کی تفسیر میں مفسرین متحیر ہیں اور بعضے بڑے مفسر لکھتے ہیں "لان اليهود لا ركوع في صلواتهم" اور ایسا ہی تفسیر بیضاوی۔ معالم۔ کمالین وغیرہ میں ہے !!!۔

[۲] پرچہ تہذیب الاخلاق جلد ۴ ص ۱۴۲۔

ابی سینا[5]- جس نے قانون لکھا اور ایک عرصہ تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی - علی بن عباس - اسحاق بن سلیمان - ابو القاسم - اور روش[6] جس نے طب کی تکمیل کی اور علی ابن عیسیٰ وغیرہم" +

" ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبر و المقابلہ کو وسعت دی بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا الحسن نے علم مناظر و مرایا میں تصنیف کی اور نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا جابر بن عقلہ نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب مجسطی کو الهازنی (م) اور سوجیوس نے سنہ ۸۱۲ء میں عربی میں ترجمہ کیا - اور دسویں صدی عیسوی میں البانتن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن جبر الباقی نے رفتار شمس کی دریافت کی - البطراجیوس نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی اور ابو الحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی" انتہی

۴۵ - اسلام کی علمی فیض بخشی دور و دراز ملکوں میں بھی ہوئی اور ممالک فرنگستان کے رہنے والے بھی مسلمانوں کی ترقی علوم سے بہرہ یاب ہوئے فرنگستان کے عیسائیوں کو مسلمانوں کی وجہ سے عربی زبان اور عرب کے اخلاق و عادات کے علم سے بہت بڑا فائدہ دینی یہ ہوا کہ عہد عتیق کی کتابیں جن کی زبان عبرانی مدت سے متروک الاستعمال

**Literary benifits of Islam to meet distant provinces.**

---

[5] قانون فی الطب عبرانی زبان میں بھی ترجمہ ہوا - اور لاطینی زبان کا ترجمہ سنہ ۱۵۹۵ء میں چھپا اور اور فلسفہ کے رسالے لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر سنہ ۱۴۹۰ و ۱۵۲۳ و ۱۵۶۴ع میں شہر وینس میں چھاپے گئے اور قانون کا عربی متن سنہ ۱۵۹۳ع میں روما میں چھاپا گیا - چ ۶

[6] یعنی ابن رشد جن کا پورا نام ابو الولید محمد بن احمد بن محمد ابن رشد ہے ولادت سنہ ۱۱۴۹ع مقام قرطبہ اور وفات ۱۱۹۸ یا ۱۲۰۶ میں - ابن رشد کی تصنیفات سے ترجمہ حکمت ارسطا طالیس اور شرح ارسطا طالیس اور طب میں کلیات مشہور ہیں اور اکثر لاطن میں ترجمہ ہوئی اور جرمن میں اصل بھی چھپی - چ ۶

بنا عیان و شہود پر ہے بہت مفید اور کار آمد ہے *

اس زمانہ میں بعضے دُور اندیش و دردمند اور مستعد مسلمانوں نے یورپ کے علوم جدیدہ کا اکتساب اور علوم اسلامی سے اُس کی تطبیق دینی چاہی ہے اور طرز معاشرت اور شایستگی عادات و طرز تحریر اور طریق تعلیم میں یورپ کا تتبع اختیار کیا ہے چنانچہ میکائل صباغ شامی جن کی کتاب بزبان عربی و فرانسیسی پاریس (۱۸۰۵ء) میں چھپی اور شیخ رفاعۃ القاہری جن کی متعدد تصنیفات نئی طرز پر قاہرہ اور پاریس میں منطبع ہوئیں اور اُن میں ایک کتاب تلخیص الابریز في تلخیص الباریز ہے جسمیں فرانس کے سیر و سفر کا حال لکھا ہے - اور سیف افندی بیروتی جس نے ڈی ساسی کے چھاپے ہوے مقامات ہریری (سنہ ۱۸۴۸ء) پر محققانہ نظر کی اور جنرل خیر الدین احمد وزیر مملکت ٹونس (مدرسیس) جن کی کتاب اقوام المسالک في احوال الممالک کا اردو ترجمہ بھی یہاں مشتہر ہونیوالا ہے - اور شیخ احمد افندی جن کی کتاب کشف المخبا عن فنون اوربا جس کی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی نے کتب درسیہ میں داخل ہونے کی تجویز کی ہے - اور مولوی کرامت علی صاحب جونپوری متولی امام باڑہ محسنیہ ہوگلی صاحب رسالہ ماخذ علوم معہ ضمیمہ عمدہ مصنفین ہیں - اور مولوی مہدی علی صاحب کی فرزانہ اور دردمند تقریریں اور حکیمانہ تحریریں مُسلمانوں کی درد انگیز حالت پر نہایت مرتبہ پُر تاثیر ہوتی ہیں - خصوصاً جناب مولوی سید احمد خاں بہادر کی کوششیں جو مختلف طور سے بانحاء شتی مُسلمانوں کی خراب حالت اور نکبت و فلاکت اصلاح اور درستی اور علوم جدیدہ کی اشاعت اور حمایت اسلام میں بر روے کار آرہی ہیں اُنہوں نے اکثر مخالف اور موالف کے پژمردہ بلکہ مردہ دلوں میں تحریک پیدا کر دی - اور ہندیوں کے تنگ و تاریک خیالات کو حقیقی نور کی آبیاری سے ترو تازہ کرنے کا سامان کیا - اور بالتخصیص مدرستہ العلوم المسلمین کی بنیاد ہمارے دین اور دنیا کی آرائش اور آسایش کا سرچشمہ ہے *

Modern writers have attempted to imitate European forms of thoughts and sentiments.

۴۷ - یہ مختصر تحریر اسلام کی دنیوی نعمتوں کے بیان میں جیسی کہ مفصل اور متین چاہیے

فرنگی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں اُن کے پڑھنے سے افسوس آتا ہے کہ ایسی کتابیں جن سے
ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے بہت کم ترجمہ ہوئی ہیں۔ اور فی الحال ہمکو کیسی ہی فضیلت ایشیا
کے علوم وفنون پر حاصل ہو مگر جہاں سے ہمنے اپنے مبادی علوم کو حاصل کیا تھا اُسکا
دریافت کرنا بے سُود نہوگا۔ اس نسبت میں ہمکو تسلیم کرنا چاہیئے کہ ایشیا کی زمین فرنگستان
کی ٹہری ہن اور معلم ہے۔ اور اگرچہ وحشیوں کے ایک گروہ نے اُس کے مُلک غرب و شمال
سے سیلاب کی مانند پھیل کرکے اُس کی روشنی کو بجھادیا مگر توبھی ہملوگ غرناطہ قرطبہ اور
سیولی کی مسلمان سلطنتوں کے ممنون احسان ہیں جنہوں نے پھر علم کی روشنی قایم کی۔
کیونکہ یورپ نے بہت سے وہ علوم وفنون جو اب اُس نے بڑے اعلٰے درجہ پر پہنچائے
ہیں ابتداء میں وہیں سے حاصل کیئے تھے۔ ریاضی اور طب کی ایشیائی تصنیفوں سے تو اب
شاید کچھ علم نہ حاصل ہو مگر جبکہ یونانیوں سے علم جاتا رہا تھا تو خلفاء کے عہد میں ان علوم
کی ترقی کا نشان پانا علم کے شایق کو بے مذاق نہ معلوم ہوگا کیونکہ یونان کی مشہور کتابیں خلفاء
بغداد نے عربی میں ترجمہ کرائی تھیں تو کچھ بعید نہیں کہ یونانیوں کی بعضی مفقود کتابیں اب عربی
لباس میں پائی جاویں الخ

۴۶ - یہ کیفیت ترقی کی مسلمانوں کی چند صدیوں تک رہی مگر فقہاء کی کثرت اور فقہ میں
بیجد توغل ہونے سے وہ ترقی رُک گئی اور زوال
شروع ہوگیا۔ اور اب اس اخیر زمانہ میں جہل اور
اُس کی وجہ سے نکبت اور فلاکت مسلمانوں کے
نصیب حال ہوئی جس طرح پر کہ متقدمین مسلمانوں نے
حکمت قدیم اور فلسفہ یونان کی تحصیل و تحقیق میں
جُودت اور ذہانت دکھلائی اور اپنے اصُول
عقاید سے اُسکی تطبیق یا تردید کرنے میں ناموری
حاصل کی اسی طرح واجب اور لازم تھا کہ متاخرین اہل اسلام بھی حکمت جدید اور فلسفہ مجددہ
کو حاصل کرکے اپنی فضیلت اور اسلام کی حقیقت تمام دنیا پر ظاہر کرتے کیونکہ ان فنون علوم جدیدہ
کی تحصیل بہت آسان ہے اور نیز حکمت جدید مذہب اسلام کی مؤید اور مصدق ہے اور
فلسفہ فرنگ میں وہ دقتیں جو فلسفہ یحیثیہ قیاسیہ میں تھیں نہیں ہیں اور فلسفہ شہودیہ حِسی کی

All this culture of early ages of Mohamedanism presents a strong contrast to the ignorance which now prevails among them.

ہوگئے - اور فسطاط - بغداد - قرطبہ اور دلّی کتنے شہروں کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ
کو کپکپا دیا - اور قرآن کی قدر ہمیشہ اُن تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیئے جو اُس نے
اپنے (طوعاً یا کرہاً) ماننے والوں کے عادات اور اعتقادات میں داخل کیں - بُت پرستی
کے مٹانے - جنّات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قایم کرنے - اطفال کُشی

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۲

اہل یورپ میں اب تو یہ عام رائے ہے کہ یہ قصّہ دروغ محض اور بے بنیاد ہے - چیمبرس کے
انسائکلوپیڈیا جلد ایک میں اسکندریہ کے کتب خانہ کے بیان میں لکھا ہے کہ متعصب
عیسائیوں کے ایک گروہ نے بسرکردگی ارک بشپ تھیوفلیس حملہ کرکے ۳۹۱ء میں
جوپٹر سراپیس کے بُت خانہ کو ڈھا دیا اور غالباً وہاں کے علمی خزانہ یعنی کتب خانہ کو بھی برباد
کیا - اور یہ اُس وقت میں ہوا کہ کُتب خانہ کی تباہی شروع ہوئی نہ کہ ۶۳۲ء میں عرب کے
ہاتھوں سے خلافت عمر رضي اللہ عنہ میں - وہ قصّہ جس میں یہ ہے کہ عربوں کو بہت سی کتابیں
جو چھ مہینے تک حمام گرم کرنے کے لیئے کافی ہوں وہاں مل گئی تھیں سخریہ کے طور پر مبالغۃً
بیان کیا گیا ہے - مورخ اُروسیوس جس نے اس مقام کو بعد ازاں کہ عیسائیوں نے اُسے
خراب کر ڈالا تھا ملاحظہ کیا لکھتا ہے کہ اُس نے اُس وقت کتب خانہ کی صرف خالی الماریاں دیکھیں *

مُسلمانوں میں تاریخی واقعات میں تسامح اور مساہلت بہت ہوئی ہے اس وجہ سے بے تکے
اُڑجاتے ہیں شاید اس قصہ کی ابتدا عبد اللطیف (۱۱۶۲ - ۱۲۳۱) صاحب تاریخ مصر سے ہوئی
ہو اس کے بعد ابو الفرج یوس (۱۲۲۶ - ۱۲۸۲) عیسائی مؤرخ ارمنی اسقف کے ذریعہ
سے بہت شہرت ہوئی اور احمد المقریزی قاہری (۱۳۶۰ - ۱۴۴۲) اور ابن خلدون وغیرہ
مؤرخوں نے مقلدانہ نقل کیا - مگر یوطیکیوس مصری بطریق اسکندریہ (۸۷۶ - ۹۴۰ع) اور
جارج الماسین مصری مورخ (۱۲۲۳ - ۱۲۷۳ع) ان دونوں عیسائی قدیم وجدید مورخوں نے
اور شاہ اسمٰعیل ابو الفدا (۱۲۷۳ - ۱۳۳۱) مسلمان مورخ اور نیز آدھ وشی اس امر کا ذکر نہیں کیا - اور اوڈوارڈ گبن
(۱۷۳۷ - ۱۷۹۴) اور الکسندر ہمبولٹ جرمنی نے بڑی قوت سے اُس کا انکار کیا ہے (دیکھو تاریخ رومیہ جلد ۶
صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ ۱۸۶۲ع) (اور جلد ۲ کتاب کاس موس صفحہ ۵۸۲ سنہ ۱۸۶۴ع) *
مجھے ایک حیرت ہے کہ جبکہ کتب خانہ اسکندریہ ۶۳۲ میں جل گیا تھا تو نسخہ قدکس اسکندریہ جو
قبل ہجرت کا لکھا ہوا کہلاتا ہے کیونکر بچ سکا ہوگا ! چ غ *

A brief review of the positive benefits produced by Islam on the moral and political society and in private life shows that it is of heavenly origin, and a blessing to the world.

تھی نہیں ہو سکی اور بہت سے محاسن ملی و مدنی اور اخلاق اور معاشرت کی خوبیاں جو اسلام کی وجہ سے مسلمانوں میں پھیلیں وہ اچھی طرح سے تحریر میں نہیں آسکیں اور جو فائدے غیر قوموں اور دور و دراز کے ملکوں کو اسلام کے نور سے حاصل ہوئے اُن کا بھی استقرا اس تحریر میں نہیں ہو سکا کیونکہ ان سب مضامین کے لیے ایک ضخیم کتاب اور اُس کے لیے بہت بڑا سامان چاہیئے اور نیز حوالوں اور سندوں کے بیچ میں آ پڑنے سے سلسلہ کلام اور تقریر کے نظام میں خلل پڑ جاتا ہے مگر تاہم جس قدر اسلام کی خوبیاں اور اُس کے اثر میں بدیہی نتیجے ہمنے بیان کیئے ہیں اُن سے ثابت اور ظاہر ہے کہ جماعت اور قوم کے تمدن اور اخلاق پر اور نیز شخصی تہذیب اور تزکیہ میں اسلام کی جو تاثیر ہوئی اور جو اصلاح اسکی مدنظر رہی وہ اُس کے منجانب اللہ ہونے کی مضبوط دلیل ہے - اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ کسی فیلسوف کی حکمت یا کسی مزوّر کی جھوٹی باتیں ایسی الٰہی تاثیر اور عام اصلاح نہیں پیدا کر سکیں ؛

اس تقریر کو مَیں اس شہادت پر ختم کرتا ہوں جو فضل العلما ریورینڈ راڈویل صاحب نے قرآن کے ترجمہ میں لکھی ہے - ہر چند کہ وہ اسپر تجویز خونریزی و غلامی وغیرہ کے غیر صحیح الزامات لگاتے ہیں مگر اُس کے کریمانہ اخلاق اور حکمت بالغہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بالآخر لکھتے ہیں کہ عرب کے سیدھے سادے بھیڑیاں چرانیوالے خانہ بدوش بدو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو - وہ لوگ مملکتوں کے بانی مبانی اور شہروں کے بنانے والے اور (جتنے کتب خانہ اُنھوں نے خراب کیئے[1] تھے اُن سے زیادہ) کتب خانوں کے جمع کرنیوالے

[1] معلوم نہیں مصنف نے کس حادثہ پر اشارہ کیا ہے - لوگوں کے ذہن اسی طرف جاوینگے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی ویرانی جو عمرو بن العاص کے ہاتھ سے خلیفہ ثانی کے حکم سے ہوئی - مگر

(۲) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ہاجرہ کی نسبت ایک روایت ہے وہ بھی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ حضرت ابوہریرہؓ سے ہے *

۱۔ بخاری نے کتاب البیوع باب شراء المملوك من الحربي وهبته وبيعه میں روایت کی ہے *

حدثنا ابو اليمان اخبرنا شعيب حدثنا ابو الزناد عن الاعرج قال ابو سلمة قال ابو هريرة ارجعوها الى ابراهيم واعطوها هاجرة فرجعت الى ابراهيم فقالت اشعرت ان الله تعالى كبت الكافر واخدم وليدة

حدیث کی ابوالیمان نے کہ خبر دی مجھکو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابوالزناد نے اعرج سے کہا ابوسلمہ نے کہا ابوہریرہ نے لوٹاؤ سارہ کو ابراہیم کے پاس اور دو اُسکو ہاجرہ پھر آئی سارہ ابراہیم کے پاس پھر کہا جانا تمنے کہ اللہ تعالے نے ناکام کیا کافر کو اور خدمت کو دی لڑکی *

یہ روایت ابوہریرہ رضي الله عنه پر موقوف ہے *

۲۔ صحیح بخاری کتاب البیوع باب قبول الهدية من المشركين میں ہے۔

قال ابو هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم هاجر ابراهيم الخليل بسارة فدخل قرية فيها ملك او قال جبار فقال اعطوها هاجرة الخ

کہا ابوہریرہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ ہجرت کی ابراہیم خلیل نے ساتھ سارہ کے پھر آئے ایک شہر میں اُس میں تھا ایک بادشاہ یا کہا ایک ظالم (یہ شک راوی کا ہے) پھر کہا دو سارہ کو ہاجرہ * الخ

یہ روایت بلا اسناد ہے *

صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب قول الله تعالى واتخذ الله ابراهيم خليلا میں ہے۔

حدثنا محمد بن محبوب حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن محمد عن ابي هريرة قال لم يكذب ابراهيم الا ثلث كذبات اثنين منهن في ذات الله

روایت کی محمد بن محبوب نے کہ نقل کی مجھ سے بن زید نے ایوب سے اُس نے محمد سے اور اُس نے ابوہریرہ سے کہا نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ

کی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ بہت سے توہمات کو دور کرنے اور ازواج کی تعداد کو گھٹا کر اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بیشک عربوں کے لیئے برکت اور قدوم حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہ ہو۔ اور جبکہ ہر ایک عیسائی کو بالضرور اس امر پر افسوس ہوگا کہ مسلمان فتحمندوں نے بہت سے پھولے پھلے مشرقی کلیسے ڈھا دیئے مگر اُسی وقت اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ یورپ نے منطق فلسفہ کا علم۔ طبابت اور فن عمارت عربوں ہی سے حاصل کیا۔ اور مسلمانوں نے عیش و عشرت کے بہت سے سامان اور مفید چیزوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو پہچاننے میں مشرق اور مغرب کے قلابہ ملا دیئے "

(دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۸۶۱ء)

# ہاجرہ

## الحجۃ الظّاہرہ فی حریۃ الہاجرہ

## سوال

حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السلام کا لونڈی ہونا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جس کے راوی بھی مجروح نہوں ثابت ہے یا نہیں اور اگر ثابت نہیں ہے تو جو روایات اس باب میں ہیں اُن کا ماخذ کہاں سے ہے۔ آیا یہود سے یا صاحب الوحی علیہ السّلام سے۔ اور وہ روایتیں اس درجہ کی ہیں کہ بموجب اصول اسلام اُن سے حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا تسلیم ہوسکتا ہے یا نہیں۔

سید احمد

بنارس۔ ۲۴ مارچ ۱۸۷۵ء

## جواب

(۱)۔ کوئی حدیث صحیح مرفوع ایسی نہیں ہے جس میں حضرت ہاجرہ اُمّ اسمٰعیل علیہ السلام کو لونڈی یا سریہ یا ملک یمین کہا ہو ۔

پڑھنے تھے پس اشارہ کیا اپنے ہاتھ سے کہ کیا حال ہے پھر کہا لوٹایا اللہ تعالیٰ نے مکر کافر اور فاجر کا اُسی پر اور خدمت کو دی ہاجرہ کہا ابوہریرہ نے یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو۔

یہ روایت بھی مرفوع نہیں ہے۔

۴۔ صحیح بخاری کتاب النکاح باب اتخاذ سراري وثواب من اعتق جاریة ثم تزوجها میں ہے۔

حدثنا سلیمان بن حماد بن زید عن ایوب عن محمد عن ابی هریرة لم یکذب ابراهیم الا ثلث کذبات بینما ابراهیم علیه السلام مر بجبار ومعه سارة فذکر الحدیث فاعطاها هاجرة قالت کف الله ید الکافر واخدمنی هاجرة قال ابوهریرة فتلك امکم یا بني ماء السماء۔

حدیث کی سلیمان بن حماد نے زید سے اُس نے روایت کی ایوب سے اُس نے محمد سے اور اُس نے ابوہریرہ سے کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نے مگر تین جھوٹ جبکہ ابراہیم علیہ السلام گذرے ظالم پر اور اُن کے ساتھ تھی سارہ پس ذکر کی ساری حدیث پھر دی سارہ کو ہاجرہ کہا روکا اللہ تعالےٰ نے ہاتھ کافر کا اور خدمت کو دی ہاجرہ کہا ابوہریرہ نے پس یہ ہے تمہاری ماں اے عرب والو۔

یہ روایت ابوہریرہ پر موقوف ہے۔

۵۔ صحیح بخاری کتاب الاکراہ باب اذا استکرهت المرأة علی الزنا میں ہے۔

حدثنا ابوالیمان اخبرنا شعیب حدثنا ابوالزناد عن الاعرج عن ابي هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم هاجر ابراهیم بسارة و دخل بها قریة فیها ملك من الملوك او جبار من الجبابرة فارسل الیه ان ارسل بها فارسل بها فقام الیها فقامت توضی وتصلی فقالت اللهم ان کنت

حدیث کی مجھ سے ابوالیمان نے کہ خبر دی مجھ کو شعیب نے کہ حدیث کی مجھ سے ابوالزناد نے اعرج سے اُس نے ابوہریرہ سے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی ابراہیم نے ساتھ سارہ کے اور آئے شہر میں اُس میں تھا بادشاہ بادشاہوں سے یا ظالم ظالموں سے پھر بھیجا اُس نے ابراہیم پاس کہ بھیجے سارہ کو پھر بھیجا

عزّ وجل قوله اني سقيم وقوله بل
فعله كبيرهم هذا وقال بينما هو ذات
يوم وساره اذا اتی علی جبار من الجبابرة
فقيل له ان ههنا رجلا معه امراة من
احسن الناس فارسل ليه فساله عنها
فقال من هذه قال الخليل اختي
فقال الخليل لسارة ليس علے وجه
الارض مومن غيري وغيرک و
ان هذا سالني عنک فاخبرته انک
اختی فلا تكذ بيني فارسل اليها
فلما دخلت عليه ذهب يتناولها
بيدہ فاخذ فقال لها ادعي الله لي ولا
اضرک فدعت الله فاطلق ثم تناولها
الثانية فاخذ مثلها او اشد فقال
ادعي الله ولا اضرک فدعت الله تعالے
فاطلق فدعا بعض حجبته فقال
انكم لم تاتوني بانسان انما اتيتموني
بشيطان فاخدمها هاجرة فاتته
وهو قائم يصلي فاومأ بيدہ مهيم فقالت
رد الله كيد الكافر والفاجر في نحره و
اخدم هاجرة قال ابو هريرة تلك
امكم يا بني ماء السماء

دو ان میں سے تو صرف اللہ عز وجل کے
ہیں کہنا ابراہیم کا مَیں بیمار ہوں اور کہنا
اُن کا بلکہ کیا ہے یہ اُن کے اس بڑے
نے اور کہا جبکہ وے ایک دن ساتھ سارہ
کے آئے ایک ظالم کے پاس ظالموں سے
پھر کہا گیا ظالم سے کہ یہاں ایک آدمی ہے
اُس کے ساتھ ایک عورت اچھی ہے سب
آدمیوں سے پھر بھیجا ظالم نے ابراہیم کے
پاس اور پوچھا سارہ سے کہ کون ہے یہ کہا
خلیل نے میری بہن ہے پھر کہا خلیل نے
سارہ کو نہیں ہے زمین پر مومن سوا میرے
اور تیرے اور اس ظالم نے پوچھا مجھ سے
تجھ کو پس خبر دی ہے اس کو مَیں نے کہ
تو میری بہن ہے پس مت جھٹلائیو تو مجھ کو
پھر بھیجا ظالم نے سارہ کے پاس جب
آئی وہ اُس کے پاس گیا کہ پکڑنے لگا سارہ
کو اپنے ہاتھ سے پس جکڑا گیا پھر کہا سارہ
سے دُعا کر اللہ سے میرے لیئے اور نہ
تکلیف دوں گا تجھ کو پس دعا کی پس کھولا
گیا پس پکڑنے لگا اُن کو دوسری مرتبہ
پس جکڑا گیا ویسا ہی یا اُس سے بھی سخت
پس کہا دُعا کر تو اللہ سے اور نہ تکلیف دونگا
تجھ کو پس دعا کی اللہ سے پس کھولا گیا پھر
بولایا اپنے دربانوں میں سے پھر کہا تم نہیں لائے میرے پاس آدمی تم لائے میرے پاس
شیطان کو پھر خدمت کے لیئے دی سارہ کو ہاجرہ پھر آئی سارہ اور ابراہیم کھڑے نماز

صواب یعنی صحیح اور درست قرار دیا ہے۔(۶) اور عبد الرزاق کی روایت میں معمر سے بھی وقف ہے ÷

قسطلانی نے شرح بخاری میں یہ لکھا ہے (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹)

ولم یصرح برفعه في رواية حماد بن زيد الى رسول الله على المعتمد الموفق لرواية والنسفي وكريمته كما رواه عبد الرزاق عن معمر۔

نہیں تصریح کی گئی اس کے مرفوع ہونے کی روایت حماد میں رسول اللہ تک اوپر معتمد کے جو موافق ہے روایت کریمہ اور نسفی کے جیسا کہ روایت کیا عبد الرزاق نے معمر سے ÷

(اور جلد ۸ ۔صفحہ ۱۳)

كذا اورد موقوفا الكريمة والنسفي وكذا عند ابي نعيم وجزم به الحميدي قال الحافظ ابن حجر واظنه الصواب في رواية حماد عن ايوب۔

ایسا ہی آیا ہے موقوف کریمہ اور نسفی کی روایت میں اور ایسا ہی نزدیک ابونعیم کے اور اُسی کا یقین کیا حمیدی نے کہا حافظ ابن حجر نے مجھ کو گمان غالب ہے کہ وقف ہی صواب ہے روایت حماد میں ایوب سے ÷

البتہ جریر بن حازم نے ایوب سے جو روایت کی ہے اُس نے مرفوع کر دیا ہے مگر بخاری نے حماد کی روایت کو ترجیح دی ہے اور جریر بن حازم کی روایت قبول یا نقل نہیں کی ÷

علامہ قسطلانی نے مقام مذکور پر لکھا ہے۔

وان ذلك هو السر في عدم ايراد رواية ابن جرير مع كونها نازلة ÷

اور یہی بھید ہے نہ لانے روایت ابن جریر میں باوجود ہونے روایت حماد کے اُتری ہوئی ÷

صحیح مسلم میں جو روایت مرفوع ہے اس کا راوی ایوب سے جریر بن حازم ہے اور وہی روایت ایوب سے حماد نے موقوف نقل کی ہے اور حماد جریر سے اثبت ہے یعنی زیادہ تر ثابت ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے (جلد ۵ صفحہ ۱۸۱) لکھا ہے۔

امنت بك وبرسولك فلا تسلط علي يدالكافر فغط حتى ركض برجله ۔

سارہ کو اور کھڑے ہوئے ابراہیم سارہ کے پاس پس کھڑے ہوکر سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر کہا اے خدا اگر ایمان لائی ہوں میں تجھپر اور تیرے رسول پر پس مت قابو دے مجھپر کافر کو پس ڈالا گیا یہاں تک کہ پیر مارنے لگا ۔

یہ روایت مرفوع ہے الا اس میں ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانے کا ذکر نہیں ہے ۔

٦ - صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیم الخلیل ص ۲۹۲ ۔

حدثنا ابو الطاهر قال انا عبدالله ابن وهب قال اخبرني جرير بن حازم عن ايوب السجستياني عن محمد بن سيرين عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لم يكذب ابراهيم النبي قط الا ثلثة كذبات ۔۔۔ فاعطاها هاجرة فاقبلت تمشي فلما راها ابراهيم عليه السلام انصرف فقال لها مهيم قالت خيرا كف الله يد الفاجر واخدم خادما قال ابوهريرة فتلك امكم يا بني ماء السماء

حدیث کی ابوطاہر نے کہا خبر دی مجھکو عبداللہ بن وھب نے کہا خبر دی مجھ کو جریر بن حازم نے ایوب سجستانی سے اُس نے محمد بن سیرین سے اُس نے ابوہریرہؓ سے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم نبی نے مگر تین جھوٹ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر دی سارہ کو ہاجرہ پھر چلی آئی سارہ جب دیکھا اُنکو ابراہیم نے پھر ہی پھر کہا کیا حال ہے کہا اچھا روکا اللہ تعالے نے ہاتھ فاجر کا اور خدمت کو دی خادم کہا ابوہریرہ نے یہ ہے تمھاری ما اے عرب والو ۔

(۳) - اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ روایت مرفوع ہے یا موقوف ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت صرف حضرت ابوہریرہ تک موقوف ہے ۔

(۱) بخاری کی سب سندی روایتوں میں حضرت ہاجرہ کے سارہ کو دیئے جانے کی روایت ابوہریرہؓ تک ہے ۔ (۲) اس کے سوا ابن سعد کی روایت طبقات کبیر میں (۳) اور حافظ ابونعیم کی روایت میں بھی وقف ہے (۴) اور حمیدی صاحب جمع بین الصحیحین نے اسی پر جزم کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے (۵) اور علامہ ابن حجر نے اسی کو

ابراهيم الا ثلث كذبات نقلت الاولى
ان لا يقبل مثل هذه الاخبار فقال
على طريق الاستنكارات لم تقبله
لزمنا تكذيب الرواة فقلت له يا مسكين
ان قبلناه لزمنا الحكم بتكذيب ابراهيم
وان رددناه لزمنا الحكم بتكذيب
الرواة ولاشك ان صون ابراهيم
عن الكذب اولى من صون طائفة
من المجاهيل عن الكذب -

ابراہیم نے مگر تین جھوٹ پس کہتا
ہوں میں بہتر یہ ہے کہ نہ قبول کی جاوے
ایسی خبر پھر کہا بطریق انکار کے کہ اگر نہ
قبول کریں ہم لازم آوے جھوٹلانا راویوں
کا پس کہتا ہوں میں اگر قبول کریں ہم لازم
آوے جھوٹا ماننا ابراہیم کا اور اگر رد
کریں ہم لازم آوے حکم جھوٹلانے راویوں
کا اور نہیں شک کہ بچانا ابراہیم
علیہ السلام کا جھوٹ سے بہتر ہے بچانے
ایک گروہ مجہول سے جھوٹ سے ؛

اور کتاب اللباب فی علم الکتاب تصنیف عمر بن عادل حنفی میں بھی یہی عبارت
منقول ہے اور شیخ الاسلام امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے -

وماروي في ذلك من ان ابراهيم
كذب ثلث قوله اني سقيم وقوله
كبيرهم وقوله لسارة لما راها الجبار
واخذها وكانت زوجته هذا اختي
مما لا يعول عليه ؛

اور جو روایت کیا گیا ہے اس میں
کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ
بولے کہنا اُن کا مَیں بیمار ہوں اور کہنا انکا
کہ اُن کے بڑے نے اور کہنا اُن کا سارہ
کو جب دیکھا اُن کو ظالم نے اور لیا اُن کو او
تھی بیوی ابراہیم کی یہ ہے میری بہن ایسی
پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے ؛

علامہ قسطلانی صاحب ارشاد الساری نے امام رازی کے قول مذکور کو نقل کر کے
لکھا ہے -

فلیس بشیٔ اذا الحدیث صحیح ثابت (جلد ۵ صفحہ ۲۷) قول رازی کا کچھ نہیں ہے
کہ حدیث صحیح او ثابت ہے مگر اس حدیث کا صحیح ہونا اگر اصطلاح کے طور پر ہے اور غالباً
یہی مراد بھی ہے تو اُسکی اصطلاحی صحت اُسکو حق اور سچا نہیں ٹھہرا سکتی مگر اُسکو
ثابت قرار دینا غیر ثابت ہے اس لیئے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے سے اس کا حق و

قال الدار قطني حماد اثبت من جرير +

کہا دار قطنی نے حماد ثابت زیادہ ہے جریر سے +

البتہ نسائی اور بزاز اور ابن حبان نے ہشام بن حسان کی روایت میں اور ابی ذر ہیلی اور ابن عساکر نے اس کو مرفوع کر دیا ہے مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک یہ روایت موقوف ہے اور کسی روایت موقوف کا مرفوع کر دینا تو راویوں کا ایک معمولی محاورہ اور روزمرہ کی عادت ہے جب چاہا اور جس روایت کو چاہا (خواہ وہ کیسی ہی لغو ہو) قال قال رسول اللہ کہدیا چلو وہ مرفوع ہو گئی !! علامہ ابن جوزی نے کتاب موضوعات کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ طبقہ اوّل والے جو روایت آپسمیں کسی سے سُنتے تھے تو شدت وثوق کے باعث سے اُسکو جناب پیغمبرؐ کی طرف منسوب اور مرفوع کر دیتے تھے +

کما قال کان السرب الاول صافیا فکان بعض الصحابۃ یسمع من بعض فیقول قال رسول اللہ من غیر ذکر من رواہ لہ لانہ لایشک فی صدق الراوی +

کہا ابن جوزی نے تھا قرن اول صاف پس تھے صحابہ آپسمیں سنتے تھے ایک دوسرے سے پس کہتے تھے فرمایا رسول اللہ صلعم نے بے اسکے کہ ذکر کریں جس نے روایت کی اُن سے کیونکہ نہیں شک کرتے تھے وے صدق راوی میں +

پس اسی طرح اَور راویوں نے یا خود ابو ہریرہ نے اس روایت کو ایک معمولی عادت کے طور پر مرفوع کر دیا ہوگا +

(۴) یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت وُہی ایک طول لانی روایت ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ بولنے کا ذکر ہے (دیکھیئے بخاری کی کتاب الانبیا اور مسلم کی کتاب الفضائل) اور اس روایت پر اہل بصیرت نے بنظر شفاعت معنوی نظر کی ہے اور اسکو غیر صحیح اور باطل قرار دیا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے ۔

واعلم ان الحشویۃ روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما کذب

جان کہ روایت کی گئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کہا نہیں جھوٹ بولا

للسیوطی) خصوصاً حضرت ابوہریرہ کا ارسال کہ وہ جو کچھ پاتے تھے روایت کر دیتے تھے محمود بن سلیمان کفری نے کتاب اعلام الاخیار میں نقلاً عن الصدر الشہید لکھا ہے[۱]

| | |
|---|---|
| واما ابوھریرۃ کان یروی کلما بلغہ وسمعہ من غیر تامل فی المعنی ۔ | ابوہریرہ تھے روایت کرتے تھے جو اُن کو پہونچتا تھا اور جو سنتے تھے بے اسکے کہ تامل کریں معنوں میں ۔ |

(۶) یہاں تک تو اِس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں بحث تھی اب ہم اسکی دلالت کو دیکھتے ہیں کہ اس سے اس مشہور قول کی کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا لونڈی تھیں تائید ہوتی ہے یا نہیں ۔

بخاری کی تینوں روایتوں کے الفاظ (کتاب البیع ۔ انبیا ۔ لنکاح) اور نیز مسلم (فضایل) کی روایت میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ہاجرہ کے سریہ یا ملک یمین ہونے کا ادنےٰ شائبہ بھی پایا جاوے کتاب البیع کی روایت (اخدم ولیدۃ) ہے اور ولیدہ اُس لڑکی کو کہتے ہیں جو خدمت کرے اور خادمہ اور لونڈی میں فرق ہے ۔ اور کتاب الانبیاء میں (واخدم ھاجرۃ) ہے یہاں بھی ہاجرہ کا خدمت میں دیا جانا اسکی غلامی ثابت نہیں کرتا بلکہ خادم عام ہے چاہے آزاد ہو یا غلام ۔ ایسا ہی حال کتاب النکاح والی روایت کا ہے (واخدمنی ھاجرۃ) ہاجرہ کا خدمت سارہ میں دیا جانا غلامی نہیں ثابت کرتا اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں (واخدمنی خادما) کسی طرح پر غلامی ثابت نہیں کرتا پس ان الفاظ سے حضرت ہاجرہ کو لونڈی یا باندی سمجھنا محض ایک بے اصل بدگمانی ہے ۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہ وہ اصل الفاظ نہیں ہیں جو حضرت سارہ نے فرمائے تھے کیونکہ ان کی زبان عربی نہ تھی اسلیے کہ روایتوں میں نقل بالمعنی اکثر

---

[۱] ھو الامام برھان الائمۃ عمر بن عبد العزیز بن مازۃ المعروف بالحسام الشھید المتوفی قتیلا سنہ ۵۳۶ صاحب شرح اداب القاضی علی مذھب ابی حنیفۃ کذا فی کشف الظنون لحاجی خلیفۃ القسطنطینی ۱۲

ثابت ہونا لازم نہیں آتا علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی صاحب انسان العیون فی سیرۃ ابن مامون نے لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| لایلزم من صحۃ الاسناد صحۃ المتن فقد یکون فیہ مع صحۃ اسنادہ مایمنع صحتہ فھو ضعیف۔ | نہیں لازم آتا صحت سند سے صحت اصل حدیث کی کہ کبھی ہوتی ہے حدیث میں باوصف صحت سند کے جو منع کرے اُس کی صحت کو پس وہ حدیث ضعیف ہے۔ |

اور خود قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی وصف سبع ارضین (جلد ۵ صفحہ ۲۰۲) میں بعد نقل قول بیہقی کے (اسنادہ صحیح لکنہ شاذ بالمعنی) لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| ففیہ انہ لایلزم من صحۃ الاسناد صحۃ المتن کما ھو معروف عند اھل ھذا الشان نقد یصح الاسناد ویکون فی المتن شذوذا او علۃ یقدح فی صحتہ | پس اس میں یہ ہے کہ نہیں لازم آتا صحت اسناد سے صحت متن کی جیسا کہ مشہور ہے اس فن والوں میں کہ کبھی صحیح ہوتی ہے سند اور ہوتا ہے متن میں شذوذ اور سبب جو نقص ڈالتا ہے اُسکی صحت میں۔ |

اور علامہ ابن جوزی نے رسالہ موضوعات میں لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| وقد یکون الاسناد کلھا ثقات ویکون الحدیث موضوعا او مقلوبا۔ | کبھی ہوتے ہیں راوی سب ثقہ اور معتمد اور ہوتی ہے حدیث موضوع یا مقلوب۔ |

(۵) اگر ہم قبول کرلیں کہ یہ روایت اصل میں مرفوع ہی تھی اور اسکو موقوف روایت کرنے کا الزام محمد بن سیرین ہی پر لگایا جاوے کہ وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اکثر روایتوں کو تخفیفاً وقف ہی روایت کیا کرتے تھے (قسطلانی جلد ۸ صفحہ ۱۳) تاہم کچھ فائدہ نہوگا کیونکہ یہ روایت مرسل قرار پاوے گی کیونکہ ابو ہریرہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا سنا ہے اور حدیث مرسل اس وجہ سے کہ اُس کا راوی مجہول الاسم والحال ہے ضعیف ہوتی ہے (کذا فی تدریب الراوی شرح تقریب النواوی

| | |
|---|---|
| ومطابقۃ الحدیث للترجمۃ کما قال ابن منیر من حیث ان ھاجرۃ کانت مملوکۃ | مطابقت حدیث کو عنوان باب سے جیساکہ کہا ابن منیر نے اس وجہ سے ہے کہ ہاجرہ تھی مملوکہ ؃ |

مگر جب تک خارج سے یہ امر ثابت و متحقق نہو وے کہ ہاجرہ مملوکہ اور سریہ تھیں تب تک نہ ابن منیر کا قول صحیح ہوسکتا ہے اور نہ بخاری کا ترجمہ مناسب ۔ ابن منیر کے اس قول کو جو اُس نے بخاری کی اس روایت کے عنوان باب سے مطابق کرنے کے لیئے افترا کیا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے غیر صحیح قرار دیا ہے ۔ چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے ۔

| | |
|---|---|
| ان اراد ان ذٰلک صریح فی الصحیح فلیس بصحیح ۔ | اگر ابن منیر نے یہ ارادہ کیا کہ مملوک ہونا صریح حدیث میں ہے پس یہ صحیح نہیں ہے ؃ |

(۸) مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب (گورکھپور) باایں ہمہ اظہار تمہر و تبحر وغیرہ تتبع و تلاش حضرت ہاجرہ کے سریہ و مملوکہ ثابت کرنے کے سودائے خام میں جبکہ انھیں اور کچھ مستمسک اور دلیل نہ ملی تو افترا و بہتان و توطیہ و طوفان پر مستعد ہوئے چنانچہ ابن منیر کے اس قول باطل کو (جس کی توجیہ علامہ عسقلانی نے ابھی غیر صحیح قرار دی ہے) علامہ قسطلانی کی طرف منسوب کرکے تائید الاسلام کے صفحہ ۸۶ میں فرماتے ہیں ۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں ذیل حدیث بینا ابراھیم مر بجبار و معہ سارۃ الحدیث میں لکھا ہے ان ھاجرۃ کانت مملوکۃ وقد صح ان ابراھیم اولدھا بعد ان ملکھا فھی سریۃ انتھی"
حالانکہ یہ قول ابن منیر کا ہے جو قسطلانی نے مطابقۃ الحدیث للترجمہ کی توجیہ میں نقل کیا ہے اور پھر اسے رد بھی کیا ہے ۔ چنانچہ لفظ انتھی کے بعد لکھا ہے ۔

| | |
|---|---|
| وقد تعقبہ فی الفتح فقال ان اراد ذٰلک صریحا فی الصحیح فلیس بصحیح ۔ | اور اسکے پیچھے کہا ہے فتح الباری میں اگر ارادہ کیا ابن منیر نے کہ یہ مملوک ہونا صریح حدیث میں ہے پس یہ صحیح نہیں ہے ۔ |

ہوتی ہے ۔

(۷) جامعین حدیث نے اس روایت کو اپنے سبق ظن کی وجہ سے ابواب بیع وہبہ اور استخاذ سراری میں درج کیا ہے اور یہ کسی طرح پر حجت نہیں ہوسکتا کیونکہ الفاظ روایت میں تو اس قسم کی کچھ بھی دلالت نہیں ہے پس جامعین نے تبویب احادیث میں ترجمہ اور عنوان باب کی بھرتی کے لئیے یہ روایت ابواب مذکورمیں داخل کی گو ہمیں کوئی وجہ ایسے ابواب میں جگہ پانے کی نہ تھی پس جامعین نے بیہودہ میں شہرت کی وجہ سے خود دھوکا کھایا اور خلاف مناسبت باب ان روایتوں کے ترتیب دینے سے اوروں کو بھی مغالطہ میں ڈالا ۔

بخاری نے کتاب البیوع میں اس روایت کو باب شراء المملوک من الحربی وهبته وبیعه میں درج کیا ہے حالانکہ اس روایت میں ہاجرہ کا مملوک ہونا کسی طور سے ثابت نہیں ہوسکتا اور ہاجرہ کو بادشاہ مصر کی مملوک سمجھنا محض ایک اپنے ذہن سے بنائی ہوئی بات ہے اور کتاب النکاح باب استخاذ سراری میں اس روایت کو نقل کرنا بالکل نامناسب ہے کیونکہ اس روایت کو ایسے مضمون سے کمال اجنبیت اور قطعاً مغایرت ہے اور بخاری کی جمع و ترتیب میں ایسی بے عنوانیوں کا وقوع اکثر ہے چنانچہ شیخ الاسلام محی الدین نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم فصل ۶ میں لکھا ہے ۔

| بخلاف البخاري فانه يذكر تلك الوجوه المختلفة في ابواب متفرقة متباعدة وكثير منها يذكره في غير باب الذي يسبق اليه الفهم انه اولى به ۔ | بخاری ذکر کرتا ہے وجوہ مختلف کو ابواب متفرق اور بعید میں اور بہت حدیثیں ذکر کرتا ہے بخاری دوسرے باب میں سوا اُس باب کے جس میں فہم کے موافق اسکا ذکر کرنا بہتر ہے ۔ |
|---|---|

چونکہ اس باب کے عنوان سے اس روایت کی عدم مطابقت اور نامناسبت خوب ظاہر اور واضح ہے تو اس قباحت اور شناعت کے دفع کرنے کو یہ مضمون بنالیا گیا ہے کہ حضرت ہاجرہ مملوک تھیں اور حضرت ابراہیم کی سریہ تھیں یہ خیال فاسد صرف اس بے عنوانی کی توجیہ کے لئیے بنایا گیا ہے چنانچہ قسطلانی نے لکھا ہے ۔

مگر ان مورخوں نے اسی سبق طن یعنی مملوکیت اور رقیت کے خیال پر یہ لکھا ہے کہ ہاجرہ قبیل ذالک الملاک یا قبیل الرق بادشاہ قبط کی بیٹی تھیں - مگر اس تقریر کی رکاکت قابل لحاظ ہے - اس کے کیا معنی کہ اس سے پہلے وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں - کیا مملوکیت سے اُن کا بادشاہ کی بیٹی ہونا باطل ہوگیا تھا !!! توریت کے صفر اول باب ۱۶ پسوق ۳ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی تھیں اور وُہی لفظ ہاجرہ کی نسبت لکھا ہے جو سارہ کی نسبت ہے یعنی אשה ایشا - جورو - پس وہ جو ہمارے یہاں کی بعض رواۃ و مورخین نے ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی سریہ لکھا ہے وہ ان سے تساہل و تسامح ہوا ہے انھوں نے اپنے ملک کی رسم و عادات پر قیاس کرلیا ہے ایسی ہی سند ابی یعلیٰ کی وہ روایت فاستوھبہا ابراھیم من سارۃ فوھبہا لہ الخ خلاف نص توراۃ کے ہے کیونکہ اسی باب ۱۶ میں صاف لکھا ہے کہ خود سارہ نے ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ وہ ہاجرہ کو لیلیں اور خود سارہ نے ہاجرہ کو ابراہیم کی زوجیت میں دیا ؛

(۱۰) اس بحث کے آخر میں بعض روایات مذہب امامیہ کا ذکر بھی ہونا ضرور ہے - علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی پانچویں جلد کتاب النبوۃ (ورق ۹۹ نسخہ قلمی ۳۰۲۰) میں کافی کی روایت نقل کی ہے -

کافی علی عن ابیہ وعدۃ من اصحابنا عن سھل جمیعا عن ابن محبوب عن ابراھیم ابن ابی زیاد الکرخی قال سمعت اباعبداللہ ⁺ ⁺ ⁺ قال لہ احب ان تاذن لی ان اخذ لھا قبطیۃ عندی جمیلۃ عاقلۃ یکون لھا خادما قال فاذن لہ ابراھیم فدعی بھا ووھبہا لسارۃ وھی ھاجرۃ ام اسمعیل ⁺ ⁺ ثم ان ابراھیم لما ابطاد علیہ المراد قال اسارۃ لو شئت لبعتنی ھاجرۃ لعل اللہ ان یرزقنا منہا ولدا فیکون لنا

روایت کی علی نے اپنے باپ سے اور چند ایک نے ہمارے اصحاب سے سہل سے ان سب نے محبوب سے اُس نے ابراہیم سے اُس نے ابن ابی زیاد کرخی سے کہا سُنا میں نے ابوعبداللہ سے ⁺ ⁺ ⁺ کہا دوست رکھتا ہوں میں یہ کہ اذن دے تو مجھکو کہ خدمت کو دوں قبطیہ جو میرے پاس ہے خوبصورت دانا ہوگی خدمت کرنے والی کہا پس اذن دیا ابراہیم نے پس بلایا قبطیہ کو اور دیا اُسکو سارہ کو اور یہ ہے ہاجرہ ماں اسمٰعیل کی

مگر مولوی علی بخش خاں صاحب کی بیجا عصبیت اور ناحق کوشی نے ان کو اس مغالطہ دہی پر مائل کیا کہ اوّل تو ابن منیر کے قول کو قسطلانی کی طرف منسوب کیا اور دوسرے قسطلانی نے جو اسپر فتح الباری سے اعتراض نقل کیا تھا اس کا کچھ تدارک نہ کیا ❊

ابھی جناب مولوی علی بخش خاں صاحب کی علمی قابلیت اور عربیت کی داد دینی باقی ہے کیونکہ جناب مولوی صاحب موصوف نے اس عربی عبارت کا ترجمہ حاشیہ پر اسطرح کیا ہے "یعنی بلاشبہ ہاجرہ لونڈی تھیں اور یہ بات صحیح ہے کہ ابراہیم جب اُس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں تو لونڈی ہیں ۱۲" اب یہ وہ مقام ہے کہ انسان ہنسی کے مارے لوٹ جاوے اور ان کے اس ترجمہ پر عش عش کرے کہاں وہ عبارت کہ ان ابراهیم لولدها بعد ان ملکها - یعنی ابراہیم کے بچہ پیدا ہوا ہاجرہ سے جب وے مالک ہو چکے تھے اُس کے - اور کہاں یہ ترجمہ کہ حضرت ابراہیم جب اس کے مالک ہوئے تب وہ پیدا ہوئیں - سبحان اللہ مترجم صاحب کو علاوہ کشف و کرامات کے تاریخ دانی میں بھی دخل ہے ❊

(۹) حضرت ہاجرہ کی سرگزشت کتب تواریخ سے اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں اس نے ان کو حضرت سارہ کی خدمت میں دیا تھا اور پھر ایک زمانہ بعد حضرت ابراہیم نے بمشورہ حضرت سارہ کے ہاجرہ سے نکاح کیا جب اُن سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو سارہ و ہاجرہ کی آپس کی رنجش کے باعث سے حضرت ابراہیم نے ہاجرہ کو ارض فاران میں جو ملک حجاز ہے مقیم کیا ❊

کتاب برشیث رباہ (۱۵) میں جو یہود کی مذہبی کتاب ہے لکھا ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھی علامہ قسطلانی نے شرح بخاری (جلد ۴ صفحہ ۸۲) میں لکھا ہے ❊

| | |
|---|---|
| وکان ابو ہاجرہ من ملوک - القبط من حفن (بفتح الحاء المھملة وسکون الفاء) قریة بمصر - | تھا باپ ہاجرہ کا بادشاہان - قبط سے حفن میں جو قریہ ہے مصر میں ❊ |

اور پھر (جلد ۵ صفحہ ۲۷۹ میں) لکھا ہے :-

وکان ابو ھاجرہ من ملوک القبط - تھا باپ ہاجرہ کا ملوک قبط سے -

ایسا ہی تاریخ طبری اور تاریخ خمیس سے معلوم ہوتا ہے ❊

(۳) اور دوسرا راوی ابن محبوب یعنی حسن بن محبوب السواد گو ثقہ ہے مگر متہم تھا توضیح المقال میں ہے اصحابنا یتہمون ابن محبوب فی روایتہ عن ابن ابی حمزہ اور احمد بن محمد بن عیسیٰ کے حال میں لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| فی کش قال نصیر بن صباح احمد بن محمد بن عیسیٰ لا یروی عن ابن محبوب من اجل ان اصحابنا یتہمون ابن محبوب فی روایتہ عن ابی حمزہ ثم مات احمد بن محمد فرجع قبل ما مات۔ | کہا نصیر بن صباح نے احمد بن محمد بن عیسیٰ نہیں روایت کرتا ہے ابن محبوب سے اس سبب سے کہ اصحاب ہمارے متہم کرتے ہیں ابن محبوب کو روایت میں ابن حمزہ سے پھر مرگیا احمد بن محمد پس رجوع کیا پہلے مرنے سے۔ |

(۴) ایک اور راوی ابراہیم بن ہاشم ابو اسحاق القمی اسکی عدالت پر تنصیص نہیں ہوئی گو اسکے مثنی علی بن ابراہیم اور ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے عموماً اسکی روایتوں پر اعتماد کیا ہے شیخ ابو علی نے توضیح المقال میں لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| ابراهیم بن هاشم ابو اسحاق القمی اصله الکوفی زاد فی صه وهو تلمیذ یونس بن عبد الرحمن ولم اقف لاحد من اصحابنا علی قول فی القدح فیه ولا علی تعدیله بالتنصیص والروایات عنه کثیرة والارجح قبول قوله۔ | وہ شاگرد ہے یونس بن عبد الرحمن کا نہیں واقف ہوں میں اپنے اصحاب میں سے کسی کے قول پر بیچ قدح ابراہیم کے اور نہ اس کی تعدیل میں ساتھ تصریح کے اور روایات اس سے بہت ہیں اور راجح یہ ہے کہ اسکا قول مقبول ہے۔ |

(۵) یہ روایت خلاف تصریح صفحہ اول تورات کے ہے چنانچہ علامہ مجلسی نے سید بن طاؤس کی کتاب سعد السعود سے تورات مترجم کی عبارت اس قصہ کے متعلق اس طرح نقل کی ہے۔

| | |
|---|---|
| ان سارة امراة ابراهیم لم تکن یولد لها ولد وکانت لها امة اسمها هاجرة فقال سارة لابراهیم ان الله قد حرمنی الولد | سارہ بیوی ابراہیم کے نہیں ہوتی تھی اس کے اولاد اور تھی اس کی لونڈی جس کا نام تھا ہاجرہ پس کہا سارہ نے |

| خلفا فاتباع ابراهيم هاجره من ساره الخ | پھر جب مدت تک نہ ہوئی ابراہیم کے کچھ اولاد کہا سارہ کو اگر چاہے تو بیچدے تو مجھکو ہاجرہ شاید |
|---|---|

اللہ دے مجھ کو اُس سے بچہ پس ہو ہمارے لیئے پیچھے رہنے والا پس مول لیا ابراہیم نے ہاجرہ کو سارہ سے ◆

اس آخری فقرہ کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے ہاجرہ کو سارہ سے خرید لیا ◆

۱۱۔ یہ روایت کئی وجہ سے غیر مسلم ہے (۱) یہ خبر واحد اور غیر قطعی الصدور ہے پس اس سے ہاجرہ کے سریۃ ہونے کا علم حاصل نہیں ہو سکتا (۲) اس کے راویوں میں ایک راوی سہل بن زیاد ہے اور یہ شخص ضعیف متہم اور غیر معتمد ہے یا لا اقل یہ کہ ضعیف فی الحدیث ہے فہرست طوسی میں ہے۔

| سهيل بن زياد الآدمي الرازي يكنى ابا سعيد ضعيف وكان ضعيفا في الحديث غير معتمد فيه وكان احمد بن محمد عيسى يشهد عليه بالغلو والكذب و اخرجه من القم الى الري) ص ۱۲۴ | سہیل بن زیاد آدمی رے کا رہنے والا جس کی کنیت ہے ابو سعید ضعیف ہے (تھا ضعیف حدیث میں نہیں اعتماد کیا جاتا تھا اُسپر اور تھا احمد بن محمد عیسے گواہی دیتا تھا اسپر غلو اور جھوٹ کی اور نکالا تھا اسکو قم سے طرف رے کے) ایشیاٹک سوسئیٹی کلکتہ ◆ |
|---|---|

اور غضایری نے اسکو ضعیف اور فاسد الروایت لکھا ہے۔ رجال شیخ ابو علی موسوم بتوضیح المقال فی علم الرجال میں ہے۔

| قال غضايري انه كان ضعيفا جدا فاسد الرواية والمذهب وكان احمد بن محمد بن عيسى الاشعري اخرجه عن قم واظهر البراءة عنه ونهي الناس عن السماع عنه والرواية عنه ويروي المراسيل ويعتمد المجاهيل | کہا غضایری نے وہ تھا ضعیف بہت فاسد الروایت اور مذہبا اور تھا احمد بن محمد عیسے اشعری نے نکالا اسکو قم سے اور ظاہر کی بے رازی اس سے اور منع کیا آدمیوں کو اُس سے سُننے سے اور اُس سے روایت کرنے سے اور روایت کرتا ہے مرسل کو اور اعتماد کرتا ہے مجھول پر۔ |
|---|---|

اور کتاب المشترکات میں ہے ابن زیاد المختلف في توثيقه

ولا اسلام یعنی بر تنا جاریہ کا آزاد چھوٹی لڑکی میں پس مشہور ہے جاہلیت میں اور اسلام میں*
اور بخشدینا اصل تورات میں نہیں ہے بلکہ پورا فقرہ یہ ہے۔

ותתן אתה לאברם אישה לו לאשה

یعنی اُسکی بیوی نے اُسے ابراہیم کو دیا کہ اُس کی بیوی ہووے
اسمیں تزویج کی تصریح ہے مگر مولوی محمد علی صاحب لفی شك منه مریب ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ابراہیم نے بطور تسری اُن کو اپنے فراش میں رکھا یا آزاد کرکے نکاح کیا۔ (ایضاً ص ۱۸۲)
مگر تسری کا گمان محض ایک سوءظن ہے اور آزاد کرکے نکاح کرنے کا گمان محض بنا ر فاسد بر فاسد ہے*

۱۴۔ خلاصہ یہ کہ کوئی حدیث صحیح و ثابت ایسی نہیں ہے جس میں ہاجرہ کو لونڈی کہا ہو۔ جہلار و متعصبین یہود نے جو مشہور کر دیا تھا مسلمانوں نے اُسکو بلا تحقیق قبول کر رکھا ہے اور اسی گمان سے بعض روایتوں کو بھی خلاف محل حمل کیا ہے۔ پس یہی حقیقت ہے جو ہمنے لکھی والحق احق بالاتباع*

# تصویر

عموماً مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ تصویریں بنانا بشدت منع اور مطلقاً حرام ہے حتیٰ کہ مخالفین اسلام کو بھی یہ معلوم ہے۔ ہمکو اس میں ضرور دیکھنا چاہیے کہ آیا ایسے خیال کی کچھ اصل اور سند ہے یا نہیں۔

ہرچند کہ فرقان حمید کا موضوع کلام اور مقصود اصلی نہایت اشرف، اور اعلےٰ مضامین، اور ذکر مسائل الٰہیات، اور بیان منظر فطرت، اور مظاہر قدرت، اور اُس کا منشار اصلی، نشر مطالب شریفہ و مکارم اخلاق، و مواعظ حسنہ ہے۔ مگر کلام الٰہی تو منبع کل حکمت ہے اور بے شک ہمارے اقوال اور افعال اُسی کی طرف مفتقر ہیں۔ اور ہمکو سب کاموں میں اُسی کی طرف رجوع کرنا ہے؛ چنانچہ اس بحث خاص میں اس آیت قرآن سے، جو بضمن قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام وارد ہے "ویعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل" (سبا ۲۲ ج) بہت سی باتیں صاحب ذہن سلیم و مذاق صحیح ادراک کرسکتا ہے*

| | |
|---|---|
| فادخل علی امتی وان بہا لعلی اتعزی بولد منہا فسمع ابراھیم بقول سارۃ و اطاعہا فانطلقت سارۃ امراۃ ابراھیم بہاجر امتہا و ذالک بعد ما سکن ابراھیم ارض کنعان عشر سنین فادخلتہا علی ابراھیم زوجہا ۔ (بحار الانوار جلد ۵) | ابراہیم سے کہ اللہ نے محروم کیا مجھکو بچہ سے پس آ تو میری لونڈی پر اور زفاف کر اس سے شاید مَیں نسبت کیجاؤں اس سے ساتھ بیٹے کے پس سُنا ابراہیم نے قول سارہ کو اور مانا اُس کا کہنا پس لائی سارہ بیوی ابراہیم علیہ السلام کی ہاجرہ اپنی باندی کو اور یہ جبکہ ٹھہرے تھے ابراہیم زمین کنعان میں |

دس برس پس داخل کیا ہاجرہ کو ابراہیم اپنے زوج کے پاس ۔

اس میں کہیں خرید فروخت کا ذکر نہیں ہے ۔

۱۲- یہ امر بھی ضرور قابل بیان ہے کہ جسقدر عبارت ترجمہ توریت سے سید ابن طاؤس سے نقل ہوئی ہے اسکی اصل میں حضرت ہاجرہ کی نسبت لفظ שפחה (شفحہ) آیا ہے اور یہ عبارت توریت عبری کے صحیفہ بریشیث پراشہ ۱۶ میں واقع ہے (پسوق ۱-۳) اور گزینیس کے عبرانی لغت میں شفحہ کے معنی لکھے ہیں کہ جو شخص خاندان میں سے ہو اور اسی جہت سے خادمہ کو بھی شفحہ کہتے ہیں مگر اس کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں۔ توارت کے عربی مترجموں نے یہ غلطی کی ہے کہ اِسکو بلفظ امتہ ترجمہ کرتے ہیں ۔

۱۳- مولوی محمد علی صاحب بچھوانوی کو اس امر پر اصرار ہے کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں چنانچہ پرچہ نور الآفاق مطبوعہ ۷ نومبر ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۸۱ میں فرماتے ہیں "توریت موجودہ میں کئی جگہ ہاجرہ کو بلفظ جاریہ سارہ کے لکھا ہے اور اِک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بخشد یا سارہ نے ہاجرہ اپنی جاریہ کو ابراہیم کو۔ انتہیٰ" مگر یہ استدلال ان کا بالکل غلط فہمی اور نادانی پر مبنی ہے۔ لفظ جاریہ کسی طرح مملوکہ یا سریہ کے معنوں میں نہیں ہے ۔

فاضل محمد طاہر نے مجمع بحار الانوار میں بذیل لغت جری لکھا ہے ط الجاریۃ من النساء من لم یبلغ الحلم یعنی جاریہ وہ لڑکی ہے جو جوان نہوئی ہو۔ اور قاموس میں ہے (باب الیاء) الجاریۃ الشمس والسفینۃ والنعمۃ من اللہ وفتیۃ النساء یعنی جاریہ آفتاب اور کشتی اور نعمت خدا اور لڑکی ہے ۔ اور شیخ الاسلام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے (جلد ۲ صفحہ ۲۳۸) واما استعمال الجاریۃ فی الحرۃ لصغیرۃ فمشہور معروف فی الجاہلیۃ

بلکہ اُن کے دیوان عالی شان میں لگائی اور سجائی جاتی ہونگی +

چوتھے - دلیل قطعی سے ان تماثیل سلیمانی میں تمثال خدائے تعالیٰ "الذي ليس كمثله شئ" اور فرشتوں کی صورتوں میں اور خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کی فرضی تصویریں داخل نہیں ہوسکتیں، اور ایسی تصویریں خواہ وہ پتھر کی ترشی ہوئی، یا کھودی ہوئی ہوں، یا کاغذ پر کھنچی ہوئی ہوں قطعاً ناجائز اور حرام ہیں +

پانچویں - اصنام اور اوثان بنانا، یعنی اُن معبودان باطل کی تصویریں، جو خدا کے ماسوا پوجے جاتے ہیں، اور تماثیل قبیحہ و تصاویر فاحشہ جو خلاف تہذیب و شایستگی و شرم و حیا کے ہوں وہ بھی اُن سے خارج ہیں +

چھٹے - وہ تصاویر حسنہ اور تماثیل صالحہ جو حضرت سلیمانؑ کے حکم سے اور اُنھیں کے لیئے بنتی تھیں - انبیاء کرام اور بزرگان دین، اور سلاطین ماضیہ، اور معارک جنگ، اور افسران فوج وغیرہ عمائد و مشاہیر اور نیز وحوش و طیور، اور دیگر مظاہر قدرت اور مناظر فطرت، کی تصویریں ہونگی، جن سے متعدد فائدے اور مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں +

بیشک انبیائے بنی اسرائیل کی وضع عبادت، اور امامت اُمت، اور طریق ہدایت، اور امم اسرائیلیہ کے بعض احوال اور واقعات کی تصویریں، ارباب بصیرت کو باعث حصول عبرت ہوتی ہیں +

ہم دوسری تحریر میں اُن حدیثوں اور روایتوں کی تحقیق اور تفتیش کرینگے جنکو بعض متورعین اسلام اور مقلدین فقہا ممانعت عمل تصویر میں قطعی اور سندی سمجھتے ہیں +

# یورپ اور قرآن

زحافظانِ جہاں کس چو بندہ جمع نہ کرد
لطایف حکما باکتاب قرآنی (حافظ)

ا - مندرجۂ ذیل فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بارھویں صدی عیسوی سے اس زمانہ تک

**اوّل** - اس کی دلالت ظاہری اور لغوی اس بات پر ہے : کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تماثیل اور تصاویر بنواتے تھے ؛ خواہ تمثال و تصویر کو مرادف لفظ سمجھیے یا تصویر کو داخل تمثال سمجھیے ؛ بہرصورت اس فعل کے جائز اور پسندیدہ ہونے میں (خصوصاً ایسی حالت میں کہ اُسکی ممانعت کی کوئی خبر ایسے قطعی طریق اور اس مرتبہ کے ثبوت میں نہو جیسے اس کا جواز ہے کسی طرح کا شک نہیں باقی رہتا ، اور یہ کچھ اس قسم کا ثبوت نہیں ہے کہ جیسے اکثر مسائل فقیہہ ظنیہ عدم ذکر یا عدم ورود نہی سے جایز مانے جاتے ہیں ۔ بلکہ بعلم قطعی اور بدلالۃ النص ثابت ہے ۔

**دوسرے** - اسی آیت سے وہ ایک شبہ بھی باطل ہوتا ہے ۔ کہ تصویروں کے بنانے میں تشبہ بحضرت الباری، تعالیٰ عن التشبہ، پایا جاتا ہے ، کیونکہ اگر کیفیت مضاہات لخلق اللہ، اس میں پائی جاتی تو یہ فعل حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول نہوتا ۔

کچھ بعید نہیں کہ مانعین تصویر اس میں یہ احتمال نکالیں ، کہ تمثال سلیمانی غیر جاندار چیزوں یعنی درختوں اور پھولوں کی ہونگی ؛ مگر اس طرح سے بھی وہ قول مشہور اور مسئلہ مقبول : کہ تصویریں بنانے کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس میں مضاہات لخلق اللہ ہے [۱] باطل ہوتا ہے ؛ کیونکہ تصویر ذی روح اور غیر ذی روح یعنی حیوانات اور نباتات کی تصویروں میں ، صرف حیوانیت کا فرق ہے ، الا صورت جسمیہ و نوعیہ اور اقطار ثلاثہ میں نمو کرنا دونوں میں مشترک ہے ، اور جو صنعتیں کہ جناب باری نے اشجار و نباتات میں رکھی ہیں ، وہ اقسام حیوانات کی صنعتوں سے کم نہیں ہیں ، پس ایسی صورتوں میں اگر حیوانات کی تصویریں تشبہ عبد بحضرت معبود پایا جاتا ہے ، تو اشجار و نباتات کی تصویروں میں بھی پایا جائیگا ۔

**تیسرے** - ایک اور مغالطہ عام اور عقیدہ باطل ، کہ تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے ، یا ملائک رحمت نہیں نازل ہوتے ، یا حضرت جبرائیل نہیں داخل ہوتے ، قطعاً باطل ہوگیا ؛ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایوان رفیع المکان میں اکثر ملائکہ عموماً اور خصوصاً آتے جاتے تھے ، اور یہ تصویریں بھی جو اس اہتمام اور حفاظت الٰہی میں [۲] بنتی تھیں بیکار اور رائگان نہ جاتی ہونگی

---

[۱] دیکھو امام نووی کی عبارت شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ ۔

[۲] دیکھو سورہ انبیا ۱۷ ج " وکنا لہم حافظین " ۔

اور فلوجل کی تخریج الآیات جرمن میں ۱۸۴۲ء میں چھپی اور فی الحال مسٹر پنیوالس کی تصنیف میں سے کتاب سلک البیان فی مناقب القرآن لندن میں چھپی - اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ لغات قرآن ایک جا جمع کیئے گئے ہیں ؛

۳ - جرمن اور فرنچ یا اطالیہ اور انگلنڈ میں مسلمانوں کی طرف سے واعظ اور وفود (مشنری) اور معلم کبھی نہیں بھیجے گئے کہ انھوں نے ان ملکوں میں برسوں قرآن کا وعظ کیا ہو اور اس کے محاسن اخلاق اور معرفت اور حقیقت کی باتوں کو مشہور کیا ہو بلکہ قرآن نے خود ہی اپنی الٰہی تاثیر سے ان ملکوں میں جہاں سب اسکے منکر یا اس سے ناواقف تھے اپنی تجلی کی - اور اپنے مضامین حقیقت آگین اور زبان معجز بیان سے وہاں کے اہل دل اور قلب سلیم والوں میں ایک تحریک پیدا کی اور ان لوگوں نے اس سے اقتباس کرکے اپنے خیالات کو بھی منور کیا اور نیز علم معانی و بیان کی نظر سے اسکو اپنا مقتدا ٹھہرایا ؛

کیا جرمن کے مصلحان دین عیسوی خصوصاً لوتھر مقدس پر غل نہیں مچا کہ یہ لوگ در پردہ اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں ؟ کیا اسلام (یا قرآن) اور لوتھر کے اصول بت شکنی کو شیخ المشایخ مراکشی نے باہم مطابق نہیں تبلایا ؟ کیا اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ نے لوتھر کے دل پر کچھ اثر نہیں کیا ؟

۴ - اسقدر فرصت اور سامان تو مہیا نہیں کہ ان سب ترجموں کے حسن و قبح کا حال لکھا جاوے مگر کسیقدر چند ترجموں پر نظر ضرور ہے ؛

دولت فرنچ کی طرف سے اندرو ڈورانیر سلطنت مصر میں قونسلوس تھا چونکہ عربی و ترکی سے ماہر تھا اس نے فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا - گو یہ ترجمہ رو بٹن ان سس کے لاطن ترجمہ سے بہت افضل اور فایق تھا مگر پھر بھی غلطیوں سے محفوظ نہ تھا - مسٹر سیل کہتے ہیں کہ اسکے ہر صفحہ میں غلطیاں ہیں اور اکثر تبدل و حذف و زیادتی کی ایسی خطائیں ہیں کہ اس قسم کی تصنیف میں معاف و معذور نہیں ہو سکتیں ؛

there being mistakes in every pag, besides frequent transpositions, omissions, and additions, faults unpardonable in work of this nature."—G. Sale.

ممالک جرمن و فرنچ ۔ روم کبیر اور انگلستان میں ہر طبقہ کے عالموں نے قرآن مجید کے ترجمے کرنے اور اس سے اقتباس نور یا احقاق حق میں ہمیشہ اہتمام اور کوشش بلیغ کی ہے +

(۱) رابرٹ روٹن این سس ... لاطن ... سنہ ۱۱۴۳ء

(۲) انڈریا اراوابینی ... اطالیہ

(۳) جوہانس انڈریاس [1] ... اروگونین ... سنہ ۵۰۰ صدی

(۴) انڈریو ڈوراٹیر ... فرنچ ... سنہ ۱۶۰۰ء

(۵) الگزنڈر راس [2] ... انگریزی

(۶) لیوس مراکشی ... لاطن ... سنہ ۱۶۹۸ء

(۷) جارج سیل ... انگریزی ... سنہ ۱۷۳۴ء

(۸) سیواری ... فرنچ ... سنہ ۱۷۸۳ء

(۹) میگرلن ... جرمن ... سنہ ۱۷۷۲ء

(۱۰) واہل ... ایضاً ... سنہ ۱۸۲۸ء

(۱۱) گارسن ڈی ٹاسی ... فرنچ ... سنہ ۱۸۲۹ء

(۱۲) کاسمرسکی ... ایضاً ... سنہ ۱۸۴۰ء

(۱۳) المان ... جرمن ... سنہ ۱۸۴۰ء

(۱۴) راڈویل ... انگریزی ... سنہ ۱۸۶۲ء

**Robertus Retenensis.**
**Andria Arravabene.**
**Johannes Andreas.**
**Andrew du Ryer.**
**Alexander Ross.**
**Lewis Maracci.**
**George Sale.**
**Savary.**
**Megerlin.**
**Wahl.**
**Garcin de Tacy.**
**Kasimirski.**
**Ullmann.**
**J. M. Rodwell M. A.**
**Alexander Paganini.**
**Abraham Hinckleman.**
**Flugel.**

۲ ۔ ممالک یوروپ کے مطبوعہ نسخے قرآن مجید کے یہ ہیں :۔

(۱) اسکندر پگنینی [3] ... مقام وینس ... سنہ ۱۵۱۵ء

(۲) ابراہام ہنکلمین ... ہمبرگ ... سنہ ۱۶۹۴ء

(۳) فلیوگل ... لیپسہ ... سنہ ۱۸۳۴ء

---

[1] یہ شخص پہلے ایک مسلمان فقیہہ تھا پھر سنہ ۱۴۸۷ء میں شہر ولینشیا صوبہ اندلس میں عیسائی ہوگیا اس نے کتب احادیث کا بھی ترجمہ کیا تھا +

[2] الگزنڈر راس نے اسکوڈوراٹیر کے ترجمہ سے ترجمہ کیا تھا +

[3] نسخہ پوپ کے حکم سے جلا دیا گیا اور اب اس چھاپے کی ایک نقل بھی کسی کتب خانہ میں نہیں ہے +

۵ — ایک اَور بہت مشہور ترجمہ قرآن شریف کا لاطینی زبان میں فادر مراکشی نے لکھا اور حامل المتن مع حاشیہ سنہ ۱۶۹۸ء میں چھپا اس ترجمہ کی نسبت فاضل سیواری کی یہ رائے ہے کہ "اس فاضل راہب نے جس نے چالیس برس ترجمہ اور تردید کرنے میں صرف کیئے صحیح طریقہ کا برتاؤ کیا یعنی اس نے متن کے موافق اس کی آیتوں کی تقسیم کی مگر اس نے ترجمہ لفظی کر ڈالا۔ اس نے قرآن کے مضمون کو نہیں بیان کیا بلکہ اسکو لاطینی وحشی زبان میں پریشان کر دیا ہے اور گو اصل عبارت کی سب خوبیاں اس ترجمہ سے جاتی رہیں تاہم اس ترجمہ کو ڈورائیر کے ترجمہ پر ترجیح ہے۔" انتہیٰ +

"Of Maracci's translations Savary says: Maracci that learned monk, who spent forty years in translating and re!ting the Koran, procceded ou the right system. He divided it into verses according to the text; but, neglecting the precept of a great master.

'Nec verbum verbo carabis reddere, fidus Interpres,' &c.

The translated it literally. He has not expressed the d eas of the Koran, but travestied the words of it into barbarous Latin. Yet, though all the beauties of the original are lost in this translation, it is preferable to that of Du Ryre."

۶ — ایک سار بھی مسلمانوں کی تردید میں اس ترجمہ کے ہمراہ چھپا تھا۔ اسکی طرز استدلال کی نسبت مسٹر جارج سیل لکھتے ہیں کہ "جو حاشیے اس نے لگائے وہ تو بڑے فائدے کے ہیں مگر اسکی تردید جسکی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی وہ بہت ہی کم یا کسی کام کی نہیں کیونکہ اکثر غیر کافی اور گاہ گاہ گستاخ ہے"* +

"The notes he had added are indeed of great use; but his ref utations, which swell the work to a large volume, ar of little or none at all, being often unsatisfactory, and sometimes impertinent."—G. Sale.

* Sale's translation of the Koran, page 8, note.

سیواری جو ایک اَور فرانسیسی مترجم قرآن ہے اِس ترجمہ کی نسبت کہتا ہے کہ "اگر قرآن جو تمام شرقی ملکوں میں عبارت کے کمال اور قوت خیال کے مجد و اجلال میں اعلےٰ مرتبہ پر ہے ڈو رائیر کے ترجمہ میں ایک نثر غیر منتظم و بے رونق جس کے پڑھنے سے طبیعت کو ماندگی آوے معلوم ہو تو یہ الزام اس طرز پر ہے کہ جس طور سے اس کو ترجمہ کیا گیا ہے - یہ کتاب (قرآن) زبور داؤد کی مانند جُدا جُدا آیتوں میں ہے - یہ طرز تحریر جو نبیوں نے اختیار کی اس غرض سے تھی کہ نثر میں زندہ خیالات اور نظم کے استعارے اور محاورات بیان ہو سکیں - ڈو رائیر نے بلا لحاظ متن کے سب آیتوں کو ملا دیا اور اُن کو اک بیان مسلسل کر دیا اور اس عیب کے رفع کرنے کو بارد تفسیریں اور بیکارہ عبارتیں بیچ میں ملا دیں جس سے اس (قرآن) کے خیالات کی شان اور عبارت کی فریبندگی بالکل جاتی رہی اور اصل کی تعریف ناممکن ہو گئی - اس ترجمہ سے کوئی نہیں خیال کر سکتا کہ قرآن عربی زبان میں فرد اور وحید ہے" - انتہی -

"If" says Savary, "the Koran, whioh is extolled throughout the east for the perfection of its style, and the magnificence of its imager, seems, under the pen of Du Ryer, to be only a dull and tiresome rhapsody, the blame must be laid on his mannar of translating. This book is divided into verses, like the Psalms of David. This kind of writing, which was adopted by the prophets, enables prose to make use of the bold terms and the figurative expressions of poetry. Du Ryer, paying no respect whatever to the text, has connected the verses together, and made of them a continuous discourse To accomplish this mishappen assemblage, he has had recourse to frigid conjunctions and to trivial phrases, which, destroying the dignity of the ideas, and the charm of the diction, render it impossible to recognize the original. While reading his translation, no one could ever imagine that the Koran is the masterpiece of the Arabic language, which is fertile in fine writers; yet this is the judgment which antiquity has passed over it."*

* Sale's translation of the Koran, page 7, note.

قبل عثمان" مجمع بحار الانوار۔ تکملہ (ج) ص ۳۳ +

سورتوں کے سیاق اور ترتیب میں غالباً اہل یورپ نے مسلمانوں کی نسبت زیادہ دقیق نظر کی اور باریکیاں نکالیں اور جودت وذہانت دکھلائی وہ کہتے ہیں کہ اس کی عبارت کہیں تو مجمل دلیر اعلٰے و افضل جلال سے بھری ہوئی تیز آسان اور باہم متشابہ ہے اور کہیں مفصل کثیر الفقرات مغلق ملایم اور منثور ہے اور انھیں مختلف[1] کیفیتوں پر یورپین اہل تحقیق نے جہاں کر روایتوں سے تاریخ نزول نہیں ملی ترتیب کی بنا رکھی ہے۔ دیکھو چمبرس انسائیکلوپیڈیا جلد ۵ +

The style varies considerably, sometimes concise and bold, sublime and majestic, impassiouate, fluent and hurmonil-ous, obscure, tame and prosy; and on this difference modern investigators have endeavoured to form a chronologica arrangement of the Koran, wherein other dates fail." Chamber's Encycl. Vol. V.

ایک اور محقق عمانوئیل ڈوئی ش (اسرائیلی) کہتا ہے کہ عموماً تین تقسیمیں اصل میں ہو سکتی ہیں ایک ابتدا کے زمانہ کے مجاہدات جس کی علامتیں کلام شعر گوئی میں طبیعت کی روانی اور نیچر کے محاسن کا

---

[1] قال الخطابي والتحقيق ان اجناس الكلام مختلفة ومراتبها في درجات البيان متفاوته فمنها البليغ الرصين الجزل ومنها الفصيح القريب السهل ومنها الجائز الطلق الرسل وهذه اقسام الكلام الفاضل المحمود فالاول اعلاها والثاني اوسطها والثالث ادناها واقربها فحازت بلاغات القرآن من كل قسم هذه الاقسام حصة واخذت من كل نوع شعبة فانتظم لها بانتظام هذه الاوصاف نمط من الكلام يجمع صفتي الفخامة والعذوبة هما على الانفراد في نعوتهما كالمتضادين لان العذوبة نتاج السهولة والجزالة والمقالة ـ يعالجان نوعا من الزعورة مكان اجتماع الامرين في نظمه مع نبو كل واحد منهما على الآخر فضيلة خص بها القرآن ليكون آية بينة صلى الله عليه وسلم۔ اتقان نوع ٦٤ +

۷ - ۱۷۳۴ء میں جارج سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن مترجم کی زندگی میں چھپا یہ ترجمہ سب اگلے ترجموں سے زیادہ ترصحیح اور صاف ہوا اور اسوقت سے تمام اہل تحقیق اور اہل علم میں معتبر اور مشہور ہے مگر اس میں جو نقص رہ گیا وہ یہ ہے کہ مترجم نے آیتوں کی تفریق نہیں کی اور تمام کتاب کو ایک بیان مسلسل کر دیا - اور یہ ایک بہت بڑا نقص تھا جس کی اہل علم میں بڑی شکایت تھی اور ناواقفوں کو طعنہ کی گنجایش - ایک امر کی اور بھی شکایت ریورینڈ راڈویل نے کی ہے کہ سیل نے ترجمہ قرآن میں مراکشی کے تتبع پر تفسیری فقرے بھی متن میں لکھے ہیں - (گو ان کو پوری تمیز کے لیے دوسری قسم کے حروف میں لکھا) اور یہ کہ سیکسن کی زبان کے عوض اکثر الفاظ لاطن زبان کے لکھے ہیں ؛

" Sale has, however followed Maracci too closely, especially by introducing his paraphrastic comments into the body of the text, as well as by his constant use of Latinized instead of Saxon words."

Revd J. M. Rodwell's translation of the Koran.

page XXV

۸ - ان ترجموں کے بعد ریورینڈ راڈویل (جو دارالعلم کیمبرج سے مخاطب بخطاب فضل العلماء ہیں) کا نیا ترجمہ انگریزی ۱۸۶۱ء میں مشتہر ہوا - اس ترجمہ میں دو باتیں نئی اور لائق تعریف ہیں ایک تو یہ کہ ہر ایک آیت کا ترجمہ بالکل علیحدہ علیحدہ کیا ہے اور ایک ایک عشر پر ہندسہ شمار بھی قائم کیا ہے دوسرے یہ کہ سورتوں کی ترتیب مصحف متعارف کی طرز پر نہیں رکھی بلکہ کسیقدر تاریخ کے اعتبار پر بلحاظ ترتیب نزول جہاں تک معلوم ہوسکا مرتب کیا ؛

۹ - سورتوں کی یہ ترتیب بہت قدیم ہے اور غالباً صرف حجم اور ضخامت کے اعتبار پر ہے مثلاً پہلی سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتیں) پھر مئون (یعنی سو سو آیت تک کی سورتیں) پھر مثانی (جن میں سو سو آیتوں سے زیادہ ہیں) پھر مفصل (باقی کی چھوٹی چھوٹی سورتیں) مگر اس ترتیب کی رعایت ضروری نہیں ہے مصحف حضرت علی اور ابن مسعود و اُبیؔ کی جُدا جُدا ترتیبیں تھیں ؛

قال الباقلانی " ان ترتیب السور لا یجب فی الکتابۃ ولا فی الصلوۃ ولا فی الدرس والتلقین وانه لم یکن نص ولا حد یحرم مخالفته ولذا اختلف بترتیب المصحف

۱۰- اور بالآخران اہل نظر کو اس میں اعتراف کرنا پڑا کہ " یہ تبادل یعنی کلام کا ایک حالت سے دوسری حالت کو بدل جانا[1] تیز اور دفعۃً جیسے بجلی کی سی چمک - قرآن کی بڑی سحر بیانیوں میں سے ہے چنانچہ فاضل جرمنی گیٹا کہتا ہے کہ جب کبھی ہم قرآن کو پڑھتے ہیں تو ہمیشہ تازہ معلوم ہوتا ہے اور بتدریج اس کی کشش پائی جاتی ہے - تعجب دلاتا ہے[2] اور بالآخر اپنا فریفتہ کرلیتا ہے[3] دیکھو وہی رسالہ اسی مقام پر +

---

[1] قال بعضهم الفرق بين التخلص والاستطراد - انك في التخلص تركت ما كنت فيه بالكلية واقبلت على ما تخلصت اليه - وفي الاستطراد تمر بذكر الامر الذي استطردت اليه مرورا كالبرق الخاطف ثم تتركه وتعود الى ما كنت فيه كانك لم تقصده وانما عرض عروضا - قال وبهذا يظهر ان ما في سورتي الاعراف والشعراء من باب الاستطراد لا التخلص لعوده في الاعراف الى قصة موسى بقوله ومن قوم موسى امة الى آخره - وفي الشعراء الى ذكر الانبياء والامم - ويقرب من حسن التخلص الانتقال من حديث الى آخر تنشيطا للسامع مفصولا بهذا كقوله في سورة ص بعد ذكر الانبياء - هذا ذكر وان للمتقين لحسن مآب فان هذا القرآن نوع من الذكر لما انتهى ذكر الانبياء وهو نوع من التنزيل اراد ان يذكر نوع آخر وهو ذكر الجنة واهلها ثم لما فرغ قال هذا وان للطاغين لشر مآب فذكر النار واهلها - اتقان نوع ۶۲ ص ۱۴۴ سنہ ۱۲۸۰ھ +

[2] " انا سمعنا قرآنا عجبا " - سورہ جن +

[3] " وقد قلت في اعجاز القرآن وجها ذهب عنه الناس وهو صنيعه في القلوب وتاثيره في النفوس فانك لا تسمع كلاما غير القرآن منظوما ولا منثورا اذا قرع السمع خلص له الى القلب من اللذة والحلاوة في حال ذي الروعة والمهابة في حال آخر ما تخلص منه اليه قال تعالى - " لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله وقال الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم " خطابي (على ما نقل عنه في الاتقان ۶۴ ص ۲۵۸)

ومنها الروعة التي تلحق قلوب سامعيه عند سماعهم والهيبة التي تعتريهم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶)

احساس شدت سے بڑی حرارت سے کوہ آتش فشاں کی مانند دفعتاً بھڑک اُٹھنے سے جن کا الفاظ میں منتظم ہونا بھی دشوار ہے ـ پائی جاتی ہے ـ اور زیادہ تر نثر کی عبارت اور نصایح کے احکام بلوغ اور رشد کے زمانہ پر دلالت کرتے ہیں اور اوامر و نواہی اور خطبی اور احکام و نصایح کی تکرار اور کتب سابقہ کی اعانت چھوڑ دینا یہ اشارا کرتے ہیں اقتدار کے حصول کامل اور رسالت کی تکمیل اور تتمیم پر ـ دیکھو رسالہ کوارٹرلے ریویو جلد ۱۲۷ نمبری ۲۵۴ ـ لنڈن ۱۸۶۹ء ٭

"Broadly speaking, three priucipal divisions may, with psychological truth, be established; the first, corresponding to the period of early strugles, being marked by the higher poetical flight, by the deeper appreciations of the beauties of uature, in sudden, most passionate, lava-like outbursts, which seem scarcely to articulate themselves into words.

The more prosaic and didactic warns us of the approuch of manhood, while the dogmatising, the sermonising, the reiterations and the abandoning of all Scriptural and Haggadistic help-mates point to the secure possession power, to the consummation and completion of the mission"

THE QUARTERLY REVIEW. VOL. 127 NO 254.
LONDON 1869 Art. "Islam."

مگر ان لوگوں کے یہ خیالات محض قیاسی ہیں عبارتوں کا اختلاف ایسے حالات اور حوادث کا نتیجہ نہیں ہے ـ دیکھو چیمبرس نے اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے کہ "ان کوششوں میں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ جوانی کا کمال کہولت کا زمانہ اور انحطاط جرأت ایسی چیزیں نہیں ہیں جو ایسے آدمی کی تحریر میں جیسے محمد (صلعم) تھے بآسانی دریافت ہو سکیں" ٭

"But none of these attempts can ever be successful, full manhood approaching age, and declining vigour are not things so easily trased in the writings of a man like Mohammed." Chambers. Ibid.

تاہم اکثر آیات کا ربط خفی اور مناسبت معنوی بڑی حکمت کی ہے اور عموماً مفسرین نے اس دشوار گذار راہ اور دقیق مرحلہ میں گذر نہیں کیا [1]۔

۱۲ ۔ قرآن کی آیات اپنی ذات سے اور نیز واقعات کے لحاظ سے اور اس وقت کی رسم و عادت کی نظر سے جیسا کہ متفرق ہوتی تھیں ویسی ہی اُن کی قرءت تھی اکثر زبانی ہوا کرتی تھی اور سُننے والوں کی جماعت کے آگے قرآن پڑھ سُنایا جاتا تھا اور اس وجہ سے بہت کچھ باتیں از قسم ندا و تعجب و سکون و ترتیل یا مد و قصر و استفہام و مبالغہ پڑھنے والے کے حسن ادا پر موقوف رہتی تھیں۔ اور اس وجہ سے بہت سے الفاظ جن کی کتابت میں ضرورت ہوتی ہے پڑھ سنانے میں حاجت نہیں پڑتی تھی اور اُس کا ایسا ایک مذاق ہوتا تھا کہ سُننے والے اُسپر غش کرتے تھے اور وجد میں آتے تھے [2] اور سنگدل

بقیہ حاشیہ نمبر ۱۲ — حسن الحدیث فضلًا عن احسنه فان القرآن نزل في نيف وعشرين سنة في احكام مختلفة شرعت لاسباب مختلفة وما كان كذلك لا يتاتى ربط بعضه ببعض" ۔ شیخ عزیز الدین بن عبد السلام ۔

[1] علم المناسبة علم شريف قل اعتناء المفسرين به لدقته وممن اكثر منه الامام فخر الدين ۔ اول من اظهر علم المناسبة الشيخ ابو بكر النيشابوري وكان عزيز العلم في الشريعة والادب وكان يقول على الكرسي اذا قرئ عليه لم جعلت هذه الاية الى جنب هذه وما الحكمة في جعل هذه السورة الى جنب هذه السورة وكان يزري على علماء بغداد بعدم علمهم بالمناسبة وقال الامام الرازي في سورة البقرة ومن تامل في لطايف نظم هذه السورة وفي بدايع ترتيبها علم ان القرآن كما انه معجز بحسب فصاحة الفاظه وشرف معانيه فهو ايضا بسبب ترتيبه ونظم اياته ۔ ولعل الذين قالوا انه معجز بسبب اسلوبه ارادوا ذلك الا اني رأيت المفسرين معرضين عن هذه اللطايف غير متنبهين لهذه الاسرار وليس الامر في هذا الباب الا كما قيل

والنجم تستصغر الابصار صورته
والذنب للطرف لا للنجم في الصغر ۔ اتقان ۶۲

[2] ان الذين اوتوا العلم من قبله اذا يتلى عليهم يخرون للاذقان سجدا ۔ (اسری)
ويخرون للاذقان يبكون ويزيدهم خشوعا ۔ (ايضاً)

" And it is exactly in these transitions, quick and suden as lightning, that one of the great charms of the book, as it now stands, consists, and well might Goethe say that, 'as often as we appoach it, it always proves repulsive anew, gradually, however, it attracts it astonishes and, in end forces nto admiration'.—

"The Quarterly Review." Ibid.

۱۱- قرآن کی آیتوں کی ترتیب جس پر یہاں ضمناً گفتگو ہو رہی ہے عجیب حسن اور حکمت سے ہے - غیر ملکوں میں جو قرآن کے ترجمہ ہوئے اور اُن میں سے اکثر نے اسکو ایک بیان مسلسل کر دیا اس وجہ سے اس کا لطف مناسبت و ارتباط آیات جاتا رہا اور ترجمہ کے پڑھنے والوں کو ایک بے مزہ پھیکی اُلجھاؤ کی تقریر معلوم ہوئی +

" Une assenblage" says M. Karimirski in his preface, "informe et incoherent de preceptes moraux, religieux, civils et politiques meled' exhortations, de promesses, et de meanaces."

مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے - کیونکہ ہر چند کہ قرآن کا نزول مختلف واقعات اور متفرق اسباب پر ایک عرصہ دراز میں ہوا جن کی وجہ سے اکثر ایسی عبارتیں جو جملۃً واحدۃً نازل ہوئیں مستغنی عن الغیر اور اکثر آیتیں مستقل ہیں اور ایسے فقرات کے باہم انتساق اور ارتباط کی توقع عبث ہے[ا] مگر

---

۱۳۵

عند تلاوتہ وقد اسلم جماعۃ عند سماع الآیات منہ کما وقع بجبیر بن مطعم انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرء بالمغرب بالطور قال فلمّا بلغ ھذہ الآیۃ ام خلقوا من غیر شی ام ھم الخالقون الی قولہ المصیطرون کاد قلبی ان یطیر - قال وذالک اوّل ما وقر الاسلام فی قلبی - وقد مات جماعۃ عند سماع آیات منہ (ایضاً ص ۲۶۰) +

[ا] المناسبۃ علم حسن لکن یشترط فی حسن ارتباط الکلام ان یقع فی امر متحد مرتبط اولہ باٰخرہ فان وقع علی اسباب مختلفۃ لم یقع فیہ ارتباط و من ربط ذالک فھو متکلف بما لا یقدر علیہ الا بربط رکیک یصان عن مثلہ

متعدد مقامات پر اس کے مکتوب ہونے پر اشارہ اور تصریح ہوئی ہے اور لکھنے والوں کا
بھی ذکر ہوا ہے ۔

(۱) "کلا انہا تذکرہ"
"فمن شاء ذکرہ"
"فی صحف مکرمہ"
"مرفوعۃ مطہرۃ"
"بایدی سفرۃ"
"کرام بررۃ" ۔ (عبس ۱۱-۱۶)

یعنی یہ قرآن اک نصیحت ہے ۔ پھر جو کوئی چاہے اسکو پڑھے ۔ لکھی ہے ادب کے ورقوں
میں ۔ عالی اور پاک ۔ ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو معزز اور نیک ہیں ۔

یہ بہت قدیم سورہ ہے اور غالباً ہجرت حبشہ کے پہلے کی ہے ۔ یہ زمانہ ابتدا اسلام کا
زمانہ تھا اسوقت میں کاتبان قرآن کی تعریف اور توثیق ہوئی جس سے قدیم سے اسکی کتابت
اور حفاظت کا اہتمام ثابت ہوتا ہے ۔

(۲) "بل ھو قرآن مجید"
"فی لوح محفوظ" (بروج ۲۱ و ۲۲)

یعنی یہ قرآن ہے بڑی شان کا ۔ لکھا ہے تختی میں جسکی نگہبانی ہوتی ہے ۔
لوح کہتے ہیں شانہ کو اور شانہ کی چوڑی ہڈی پر قرآن لکھا جاتا تھا ۔ (لوح ۔ کتف و
ہر چہ پہن باشد از استخوان و چوب و تختہ ۔ صراح ۔ وفیہ ایتونی بکتف و بلوح اکتب
لکم کتابا وھو عظم عریض فی اصل الحیوان کانوا یکتبون فیہ لقلۃ القراطیس
عندھم ۔ مجمع بحار الانوار) جس شخص کو سابق کی کتب مقدسہ کی تحریر اور حفاظت کے
سامان پر تھوڑی سی بھی اطلاع ہوگی اور جانتا ہوگا کہ بنی اسرائیل میں کتب مقدسہ کے لکھنے کا
کیا دستور تھا اور ان پر کیا کیا حادثہ پڑے اور اس کو لفظ "محفوظ" سے بعلم یقینی معلوم ہوگا کہ
کس بات کی رعایت رکھی گئی ہے ۔

یہ سورہ بھی قدیم مکی سورتوں میں سے ہے ۔

(۳) "وکتاب مسطور"

مخالف اسکی قرءت میں شور و غل کرتے تھے تاکہ اَور لوگ اسپر دل نہ لگاویں [ا] +
راڈویل صاحب دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں -

"And of the Suras it must be remarked that they were intended not for *readers* but for *hearers*—that they were all promulgated by public *recital* —and that much was left, as the imperfact sentences show, to the manner and suggestive action of the reciter."

The Koran translated by the Revd. J. M. Rod. well M. A.

یعنی سب سورتیں پڑھنے والوں سے خطاب نہیں کی گئی تھیں بلکہ سُننے والوں سے خطاب کی گئی تھیں اور سب کی سب جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں اور بہت کچھ (جیساکہ ناتمام فقروں سے ظاہر ہوتا ہے) پڑھ سنانے والے کے آداب اور طرز ادا پر چھوڑا جاتا تھا +
چنانچہ قاری کی اس طرز و انداز اور چتون کی رعایت پر قرآن مجید میں بھی اشارہ ہوا ہے +

وقرانا فرقناه لتقراه على الناس على مكث - (اسری ۱۲ ع)
یعنی پڑھنے کا وظیفہ کیا ہمنے اُس کو تاکہ تو اُس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھے
اور ورتلناه ترتيلا (فرقان ۳۱) پڑھ سنایا اُسکو ہمنے ٹھہر ٹھہر کر +
اس نکتہ باریک کی رعایت سے ترتیب کی مناسبت اور بہت سی مشکلات کا حل ہونا حاصل ہوتا ہے +

**۱۳۱** - قرآن کی کتابت اور حفاظت کا اہتمام جناب پیغمبر کے زمانہ حیات میں اُس شان اور نگہداشت سے ہوتا تھا کہ ایک جماعت صحابہ کلمات وحی کو لکھتی تھی اور دوسری جماعت اُس کے حفظ کرنے پر متعین اور بہت سے اصحاب حافظ اور جامع ہی تھے چنانچہ تمام قرآن جتنا کہ اب موجود ہے جناب پیغمبر کے زمانہ میں لکھا جاچکا تھا اور خود قرآن میں

---

[ا] وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون - (حٰم سجدہ ۴)
[۲] بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم " عنكبوت ۵ ع

كان في الاديم والعسب اولا قيل ان يجمع في عهد ابو بكر ثم جمع في الصحف في عهد ابي بكر كما دلت عليه اخبار الصحيحه المترادفه ؛

(۴) ؎ انه لقرآن كريم

"في كتاب مكنون"

"لا يمسه الا المطهرون" (واقعه ۷۶ - ۷۸)

یعنی بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا ہوا ہے محفوظ کتاب میں اُسکو وُہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں ؛
اِس میں قرآن کی تعریف میں وُہی کتابت اور حفاظت بیان ہوئی ہے اور یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے نسخے بکثرت موجود تھے اور عوام میں منتشر تھے ۔ اور کتاب مکنون کہتے ہیں اشارا اسپر کہ کاتبوں کے وہم اور غلط سے محفوظ ہے ۔ اور جس شخص کو کاتبوں کی بے احتیاطی غفلت اور خودرائی کی اصلاح جو اُنھوں نے کتب سابقہ کی نقل و کتابت میں کی ہے معلوم ہو اُسکو البتہ ان الفاظ کا مکنون اور محفوظ کا بھید اور کاتبوں کی دیانت اور امانت کی توثیق کی وجہ خوب ظاہر و روشن ہوگی ؛

(۵) یہ تو مکہ کی کیفیت تھی اور مدنی آیتوں میں اَور بھی زیادہ قرآن کے مکتوب ہونے کا ذکر ہے ؛

"رسول من الله يتلوا صحف مطهرة"

"فيها كتب قيمه" (بینه ۲ و ۳)

یعنی رسول اللہ کا پڑھتا ہوا پاک نوشتے جن میں سچی کتابیں لکھی ہوئی ہیں ؛

(۶) کئی جگہ قرآن کو کتابت کے لفظ سے یاد کیا ہے ؛

"ذلك الكتاب لا ريب فيه" (بقرہ)

"كتاب احكمت اياته" (نساء)

"انزل عليك الكتاب" (نور)

ان کُل آیات پر نظر کرنے سے ظاہر ہے کہ مدینہ میں قرآن کے نسخوں کی بہت کثرت سے اشاعت ہوگئی تھی اور آپ سے آپ ہی ایسا ہوا ہوگا کیونکہ جبکہ مکہ میں قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے اور ایک جماعت کاتبوں کی مستعد تھی حالانکہ وہ زمانہ اسلام کی مصیبت کا تھا

"فی رقٍ منشور" (طور ۲ و ۳)
یعنی قسم ہے لکھی کتاب کی۔ کشادہ ورق میں -
سورہ طور بھی مکی سورت ہے جو قبل ہجرت نازل ہوئی - رق کہتے ہیں چمڑے کو جسپر اگلے زمانہ میں کتابیں لکھی جاتی تھیں رق بالفتح پوست آہو کہ بروے نویسند (صراح)-
رق جلد رقیق یکتب فیہ (قاموس)
قدیم زمانہ میں مصریوں نے کتابت کے واسطے پیپرس کا کاغذ ایجاد کیا - اہل مصر اس کاغذ کو جو ایک درخت کے پتوں سے بنایا جاتا تھا پاپو کہتے تھے وہیں سے اہل یونان نے پلیپروس کہنا شروع کیا - عبری زبان میں اسے گومی کہتے تھے شاید یہ لفظ قبطی زبان سے لیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ کتاب کی جلد کو گوم کہتے ہیں اور عربی جدید میں اس کا نام بردی ہے - پہلے تمام ممالک میں اسی کاغذ پر کتابیں لکھی جاتی تھیں مگر جب یومینوس دوسرے بادشاہ مصر نے پیپرس کا غیر ملک کو جانا بند کر دیا تب شہر پرگموس میں (جو ایشیائے کوچک میں بہت آباد اور اب اس کی خرابات کا نام برگہ ہے) چمڑے کا کاغذ بننا شروع ہوا اور اسی شہر کے نام سے معروف ہوا - چنانچہ اسی پرگموس کو بگاڑ کے انگریزی میں پارچمنٹ کہتے ہیں - سنہ عیسوی سے اِک صدی پیشتر اس چرمی کاغذ کا خوب رواج ہو گیا تھا - ہیروڈوٹس نے اپنے زمانہ میں چمڑے کے کاغذ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے - یہ مورخ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے بھی پانچ سو برس تخمیناً پیشتر ہوا ہے مگر پلینی نے اس کی ایجاد کی تاریخ ۱۹۶ سال قبل سنہ عیسوی قرار دی ؛

اس آیت سے قرآن کا مکتوب ہونا تو ظاہر ہے مگر لفظ رَق نے بہت بڑا فائدہ یہ دیا کہ اسکا چمڑے کے ورقوں پر لکھا جانا ثابت ہوا - ہمکو خبر ملی ہے کہ انجیل کے نسخے پیپرس کاغذ پر لکھے جاتے تھے اور چونکہ یہ کاغذ بہت سستا تھا اس لیئے بہت ہی بودا اور ناپائدار تھا اور انجیل کے نسخے دست بدست مومنین میں متداول رہنے سے بہت جلد تلف ہو جاتے تھے (دیکھو چمبرس - انسائیکلوپیڈیا - آرٹیکل بیئبل) اس لیئے قرآن کی زیادہ حفاظت اور صیانت کے لیئے اسکو شروع میں چمڑے کے ورقوں پر لکھتے تھے ؛
اور روایتیں بھی اسی کی تائید میں ہیں کہ پہلے قرآن قطعات ادیم یعنی چمڑے پر لکھا جاتا تھا علامہ ابن حجر کا قول تفسیر اتقان (نوع ۱۸ ص ۸۴ سنہ ۱۲۸۰) میں منقول ہے - اتما

" قال ابو محمد رحمۃ اللہ مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والسلام قد انتشر وظہر فی جمیع جزیرۃ العرب من مقطع البحر المعروف ببحر القلزم مارا الی سواحل الیمن کلہا الی بحر الفارس الی منقطعہ مارا الی الفرات ثم علی منقطعۃ وصفیہ الی منقطع الشام الی بحر القلزم وفی ھذہ الجزیرۃ من المدن والقری مالا یعلمہ الا اللہ عزوجل کالیمن والبحرین والعمان والنجد وجبل طی بلاد مصر وربیعہ وقضاعہ والطایف ومکہ کلہم قد اسلموا وبنو المساجد لیس فیہا مدینۃ ولا قریۃ ولا حلہ الاعراب وقد قری فیہ القرآن فی الصلوٰۃ وعلمہ الصبیان والرجال والنساء وکتب "۔ (کتاب الفیصل لابو محمد ابن حزم الاندلسی سے)

شیخ محدث حر عاملی رسالہ تواتر قرآن میں لکھتے ہیں "۔ (من) تتبع الاخبار فی تصفح الاثار من کتب الاحادیث والتواریخ وغیر ذالک فانہ یعلم قطعا ان (القرآن) کان فی غایۃ الکثرۃ نقلہ من الناقلین الکثر منہم وانہ مازال یزید وقد تقدم فی کلام سید المرتضی انہ کان مجموعاً مولفاً علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ویاتی کثیر مما یدل علی ذالک فظہر انہ بلغ حد المتواتر بل زاد علیہ بمراتب کثیرۃ " ۔

**۱۵**۔ یورپ کے علماء اور اہل تحقیق نے قرآن کے حفظ و ضبط اور کتابت کی تفصیلی کیفیتوں کے بیان میں بہت غلطیاں کی ہیں گو اس کے لفظی تواتر اور تحریف سے محفوظ رہنے کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے مگر اکثر یہی سمجھے ہوئے تھے کہ آنحضرت کے زمانہ میں قرآن لکھا ہوا نہیں تھا ایک سال بعد انتقال کے جمع ہوا۔ اور جارج سیل باایں ہمہ کثرت معلومات لکھتے ہیں کہ جبکہ کاتب وحی نئی سورۃ کو لکھ لیتے تو مسلمانوں میں مشتہر کی جاتی اور کئی لوگ تو اسکی نقلیں اپنے لیئے لکھ لیتے مگر اکثر تو حفظ ہی یاد کرتے تھے اور جب وہ اصل تحریریں واپس آیا کرتی تھیں تو اُن کو بلا ترتیب ایک صندوق میں جمع رکھتے جاتے تھے † ۔

† "After the new revealed passages had been from the prophet's mouth taken dowen in writing by scribe, they were published to his followers, several of whom took copies for their private use, but the far greater number got them by heart. The originals, when returned, were put promiscuously into a chest."

G. Sale's Prel, Dis'. page 46.

اور مسلمان بھی کم تھے اور جبکہ مدینہ میں مسلمانوں کو امن ملا اور تعداد بھی بڑھی تو بالضرور کتابت کی کثرت اور دور دور نسخے منتشر ہوئے ہونگے۔

۱۴- ایک تو اس وجہ سے کہ عرب میں اکثر لوگ اپنی عادت اور طبیعت کی وجہ سے نصیحت کی باتوں اور تاریخی حالات کو شعر اور قصیدوں کو حفظ کرنے کے عادی تھے اور دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن کے عالی مضامین اور عمدہ نصیحتیں اور خدا کی صفات اور مکارم اخلاق اس زمانہ کے کاہنوں اور شاعروں کے خیالات سے نہایت عمدہ اور افضل اور فصاحت و بلاغت میں لاثانی اور بے مثل اور ہمیشہ عجائبات قدرت کا ذکر اس میں پایا جاتا تھا اس جہت سے عرب کے لوگ سکو اور بھی پسند کرتے تھے اور عبارت اور مضمون دونوں کی خوبی پر لوٹ جاتے تھے اور اچنبھے سے سنتے اور توجہ سے کان لگاتے تھے پس یہ باتیں اس کی حفظ اور نگہداشت پر علاوہ اس کے زمانہ کی عادت اور رسم کے اور بھی قوی وجہیں ہوئیں۔

جناب پیغمبر کی حیات میں تمام جزیرہ عرب میں اسلام مشہور ہوگیا تھا بحر قلزم سے لیکر یمن کے کنارے تک وہاں سے خلیج فارس کے آخر تک اور فرات سے ہوتا ہوا ملک شام کے کنارے کنارے پر بحر قلزم تک تمام ملک اسلام سے معمور تھا اس میں کثرت سے دیہات اور قصبات آباد تھے اور بحرین یمن نجد و عمان و قبیلہ بنی طے و ربیعہ و قضاعہ و طایف و مکہ و مدینہ وغیرہ شہروں اور بستیوں میں قرآن کی تلاوت اور کتابت بڑی کثرت اور شوق اور احترام اور دینداری سے ہوتی تھی اور ایک ہی متن مصحف سب اطراف میں شایع اور منتشر تھا۔

"ذکر السید الاجل المرتضی علم الهدی ذو المجد ابو القاسم علي بن الحسين الموسوي - ان القرآن كان على عهد رسول الله صلعم مجموعاً مولفاً على ما هو عليه الآن واستدل على ذلك بان القرآن كان يدرس ويحفظ جميعه في ذلك الزمان وانه كان يعرض على النبي ويتلى عليه وان جماعة من الصحابة كعبد الله بن مسعود وابي ابن كعب وغيرهم ختموا القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم عدة ختمات وكل ذلك بادنى تامل يدل على انه كان مجموعاً مرتباً غير منشورة ولا مبثوث"۔ (تفسیر مجمع البیان الطبرسی)

**om of Arabia favoured the task.** Passionately fond of poetry, yet possessed of but limited means and skill in committing to writing the effusions of their bards, the Arabs had long been habituated to imprint them on the living tablets of their hearts.

The recollective faculty was thus cultivated to the highest pitch, and it was applied, with all the ardour of an awakened Arab spirit, to the Koran Such was the tenacity of their memory, and so great their power of application, that several of Mohamet's followers, according to early tradition, could, during his life-time, repeat with scrupulous accuracy the entire revelation." The life of Mahomet by W. Muir Esq. Vol. 1 page V.

ترجمہ۔ " مگر محمد (صلعم) کی حیات میں قرآن کی حفاظت صرف ان متفرق تحریروں ہی میں منحصر نہیں تھی۔ یہی وحی الٰہی تمام مُسلمانوں کا نبی تھا۔ ہر ایک جماعت عام میں قرآن پڑھنا ضروری تھا اور خلوت میں قرآن کی تلاوت اور ذکر باعث ثواب عظیم تھا یہ مضمون تمام روایات قدیم میں متواتر المعنی ہے اور خود قرآن ہی سے بھی پایا جاتا ہے اسی کے مطابق ہر ایک مسلمان اسکو کم و بیش حفظ کرتا تھا۔ اور مسلمانوں کی قدیم سلطنت میں جو شخص جس مقدار تک قرآن پڑھ سکتا تھا اسی اندازہ کے موافق اسکی قدر و منزلت ہوتی تھی اور عزت کی رسم سے اُس کی زیادہ تائید ہوئی۔ وہ لوگ نظم کے تو از حد مشتاق تھے اور فن کتابت کا سامان کافی اُن کے پاس نہ تھا کہ خطبوں کو لکھ سکتے اس لیئے مدت سے وہ لوگ اس کے عادی ہو رہے تھے کہ اشعار و خطب کو اپنے دل کی زندہ تختیوں پر نقش کر رکھتے تھے۔ قوت حافظہ اُن کی انتہا کے درجہ پر تھی اور اُس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت بکمال سرگرمی کام میں لاتے تھے اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور اُن کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایات قدیم اکثر اصحاب محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کی حیات ہی میں بڑی صحت کے ساتھ

اس میں اگر غرابت ہے تو صرف صندوق کے ذکر میں ہے ورنہ آخر اُن اصلی نوشتوں کی حفاظت کے لیئے تو کوئی صورت تجویز کی گئی ہو اور گو کہ ہر ایک وحی کی تحریر میں بظن غالب آلات کتابت کی موافقت اور یکانگت ممکن نہ تھی اور غالباً اصلی تحریریں پیپرس (عسب) لخاف (نرم پتھر) قطع الادیم (پارچمنٹ) شانہ اور پسلی کی ہڈیوں (بالاکتاف والاضلاع) یا اونٹ کے پیٹھ پر رکھنے کی لکڑیوں (اقتاب) پر ہوتی تھی تو آخر وہ کہیں جمع تو رہتی ہونگی اور ہر چند کہ بجائے موسوی الواح کے لوح "حوث" کتوبین (شموس $\frac{۳۲}{۱۵}$) جناب پیغمبر اور مسلمانوں کے دل کی زندہ تختیوں پر قرآن نقش ہوجاتا تھا - اور نیز مسلمانوں کے پاس سورتوں کی نقلیں اور صحف بھی محفوظ اور مکنون رہتی تھیں مگر ضرور ہے کہ ایک نسخہ خاص اور مصحف نبوی جس پر صحف مکرمہ - لوح محفوظ - کتاب مسطور - رق منشور - کتاب مکنون - اور صحف مطہرہ کا خصوصاً بھی اطلاق ہوتا تھا جمع رہتا ہوگا گو بعد میں جب کہ قرآن شہرت اور تواتر میں کامل ہوگیا تو اب بعد کے زمانہ میں نہ تو اصل نوشتوں کی حفاظت کی ضرورت رہی اور نہ کاتبوں کی توثیق کی ؛

۱۶ - اب ہم متاخرین محققین یورپ کے نتیجہ تحقیق میں چند اقوال نقل کرتے ہیں ؛

(۱) سر ولیم میور کی تحقیق ایک امر میں بڑی تعریف کے لایق ہے - پہلی جلد مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۱ء میں لکھتے ہیں ؛

Committed to memary by earely Moslems.

"But the preservation of the Koran during the life-time of Mahomed was not dependent on any such uncertain archives. The divine revelation was the corner stone of Islam. The recital of a passage formed an essential part of every celebration of public worship; and its private perusal and repitition was enforced as a duty and a privilege, fraught with a richest religious merit. This is the universal voice of early tradition and may be gathered from the revelation itself. The Koran was accordingly committed to memory more or less by *every* adherent of Islam, and the extent to which it could be recite was reckoned one of the chief distinctions of nobility in the early Moslem emprie. The cust-

latter point, and it is natural to conclude that they would provide themselves also with transcripts of the more important parts of the Revelation, especially those upon which the ceremonies of Islam were founded, and such as were usually recited at the public prayers. Besides the reference in the Koran itself to its own existence in a written form, we have express mention made, in the authentic tradition of Omar's conversion, of a copy of the twentieth Sura being used by his sister's family for social and private devotional reading. This refers to a peried preceding, by three or four years, the emigration to Medina. If transcripts of the revelation were made, and in common use, at that early time, when the followers of Islam were few and oppressed, it seems a sure deduction that they multiplied exceedingly when the prophet came to power, and his Book formed the law of the greater part of Arabia."

Sir W. Muir. Ibid,

ترجمہ - ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو محمد (صلعم) کی عادت تھی کہ اپنے اصحاب میں سے کسی ایک یا دو اصحابی کو ان کے پاس بھیجدیتے تھے تاکہ اُن کو قرآن اور ضروریات دین سکھلاویں - اور اکثر خبر ملتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ مذہبی امور کی تعلیم کے لیئے تحریریں لیجایا کرتے تھے پس لا جرم یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ قرآن کی ضروری سورتیں بھی ہمراہ لیجایا کرتے ہونگے - بالتخصیص وہ اجزاء قرآن جن پر مذہبی رسوم موقوف تھیں اور جو نماز میں اکثر پڑھی جاتی تھیں - علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں اک صحیح روایت میں جس میں عمر (رضي اللہ عنہ) کے مسلمان ہونیکی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورت کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمر (رضي اللہ عنہ) کی بہن کے گھر میں جو اُن کی ذاتی مصرف کے لیئے تھی - یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جو ہجرت سے ۳ یا ۴ برس پیشتر گذرا تو اگر اس قدر قدیم زمانہ میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں درانحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر صلعم کو قوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لیئے شریعت قرار پائی تو اسوقت

تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے" ؎

کتاب سیرت محمدی مصنفہ آنریبل ولیم میور
جلد ۱ صفحہ ۵ مطبوعہ سنہ ۱۸۶۱ع

(۲) پھر اسی باب میں لکھتے ہیں ؎

"However retentive the Arab memory, we should have still regarded with distrust a transcript made entirely from that source. But there is good reason for believing that may fragmentary copies, embracing among them the whole Koran, or nearly the whole, were made by Mahomet's followers during his life. * * * * * * The ability being thus possessed, it may be safely inferred that what was so indefatigably committed tomemory, would be likewise committed carefully towriting."

W. Muir. Ibid.

یعنی "عرب کا حافظہ کیسا ہی ویسا کیوں نہ ہوتا ہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جاتیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مجزی نقلیں جن میں کل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبر کی حیات میں لکھ لی تھیں ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ جبکہ ان لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو چیز ایسی حفاظت شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بکمال احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی" ؎

(۳) اور پھر اسی مقام پر متصلاً لکھا ہے۔

"We also know that when a tribe first joined Islam, Mahomet was in the habit of deputing one or more of his followers to teach them the Koran and the requirements of his religion. We are frequently informed that they carried *written* instructions with them on

Transcriptions of portions of the Koran common among the early Moslems.

# جواب

حضرت خلیفہ اوّل کے عہد میں قرآن جمع کیئے جانے اور اس سے پہلے اسکا جمع کیا ہوا نہونے کی خبر منجملہ اخبار احاد ہے جو قطعی اور یقینی حالت کے مقابلہ میں قائم نہیں رہ سکتی اور اسکی تقریر ایسی مبالغہ آمیز ہے کہ قطعی واقعات کے خلاف ہے۔ پھر اگر اسی طور سے زید ابن ثابت کا قرآن جمع کرنا ہوا ہوتا تو ضرور مشتہر ہوتا اور بہت سی روایتیں اسکی پائی جاتیں۔ مگر بر خلاف اس کے صحاح میں بہت ہی کم اس کی خبر ملتی ہے۔ خیال کیجیے کہ یمامہ کی لڑائی بحساب واقدی و ابو معشر ۱۲ھ ہجری کے ربیع الاوّل میں ہوئی۔ اور بحساب طبری ۱۱ سال اور بقول آخر ۱۱ سال کے آخر میں ہوئی۔ اور زمانہ خلافت صدیق ۲ برس ۲ مہینے تک مشکل پہونچتا ہے۔ اور زید کی تتبع و تلاش البتہ اک معتد بہ عرصہ تک رہی ہوگی اور کھجور کے پتے اور پتھر کے ٹکڑے چمڑے کے ورق۔ تختیاں اور چوڑی ہڈیاں ڈھونڈھنی اور منگوانی اور حافظوں کو ہر چار طرف سے جمع کرنے میں بہت بہت عرصہ اور نیز شہرہ ہوا ہوگا تو یہ معاملہ ایسا مشہور ہو جاتا جیسے بدر کا معرکہ اور احزاب کی لڑائی۔ مگر تمام صحاح کو چھان مارو یہی زید ابن ثابت۔ یحیٰی بن عبد الرحمان۔ لیث بن سعد و ابن شہاب اس کے ناقل پائے جاتے ہیں اور اُن کی روایت ایک اَور شخص کی روایت سے ایک بڑی بات میں مختلف ہے؛

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت صدیقؓ نے خلافت کی حیثیت سے حکماً یعنی خلافت کی حیثیت سے سرکاری طور پر ایک نسخہ (افیشیل اڈیشن) تمام و کمال ایک جلد میں زید سے لکھوایا اور دستور العمل خلافت اور ہدایت نامہ ریاست کے طور پر اسکو رکھا گو وہ پہلے سے بہت لوگوں کے پاس لکھا ہوا موجود اور دُور دُور کے ضلعوں اور پرگنوں میں مشہور تھا؛

میری یہ رائے محقق حارث المحاسبی کے قریب قریب ہے۔ کما قال فی فہم السنن۔ "کتابت القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقاً فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخہا من مکان الی مکان مجتمعاً وکان ذلک بمنزلۃ اوراق وجدت فی بیت

قرآن کے نسخہ کثرت سے بڑھ گئے ہونگے - (ایضاً ص ۹ و ۱۰)

(۴) پھر ایک جگہ صفحہ ۲ کے حاشیہ پر لکھا ہے ؛

"It is evident that the revelations were recorded, because they are called frepuently throngout the Koran itself *kitab*, *i. e.* "the writing," "scripturer."

یعنی یہ بات بدیہی ہے کہ وحی لکھی جایا کرتی تھی کیونکہ خود قرآن میں بارہا اس کا کتاب نام رکھا گیا ہے ؛

(۵) اور راڈویل صاحب سورہ قیامہ وطہ کی بعض آیات سے استنباط کرتے ہیں کہ شروع ہی سے محمد صلعم نے ایک لکھی ہوئی کتاب کے مشتہر کرنے کا منصوبہ کرلیا تھا ؛

"We are led to conclusion that, from the first, Mahommed had formed the plain of promulgating a written book."

Revd. J. M. Rodwell p. 47.

(۶) لا یمسہ الا المطہرون کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ "یہ آیت اس امر پر متضمن ہے کہ لااقل قرآن کے اجزا کی نقلیں عام کے استعمال میں موجود تھیں اور جب عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور انھوں نے اپنی بہن کے ہاتھ سے بیسویں سورہ کی نقل لے لینی چاہی تب انکی بہن نے اسی آیت کا حوالہ دیا تھا" ؛

"This passage implies the existence of copies of portions at least of the Koran in comman use. It was quoted by sister of Omar when at his conversion he desired to take her copy of Surea XX. into his hand."

Revd. Rodwell. p. 63.

۱۷ - اب یہاں پر ایک شبہ یہ وارد ہوگا کہ جبکہ قرآن جناب پیغمبر ہی کے زمانہ میں سب لکھا گیا اور خود قرآن ہی سے اس کا مسطور و مکتوب ہونا ثابت ہے تو پھر عہد خلافت صدیق میں جمع ہونا کیا معنی اور حضرت عثمانؓ کا جامع القرآن ہونا کیسا ؛

مگر ابن عطیہ کہتا ہے الروایت بالحاء المھملۃ اصح +
پھر ایک یہ بات بھی محل غور ہے کہ ہر ایک حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تعمیل بھی ہو گیا ہو اور جب تک کہ اُس کے وقوع کی خبریں ایسی ہی جزم اور یقین کے ساتھ نہ سُننے میں آویں تب تک اس امر کے واقع ہو جانے اور تعمیل کیے جانے پر یقین نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسا امر جو حس اور مشاہدہ کے متعلق ہو۔ اور بخاری کی خبر واحد میں صرف امر ہی امر پایا جاتا ہے اور وہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا +

بخاری کی شرح کرنے والوں نے (جیسا کہ شرح کرنے والوں کا دستور ہے کہ متن کے متعلق اور مضامین بھی خواہ مخواہ تلاش کر لاویں گے) اس روایت کی شرح میں دو ایک خبریں جلوائے جانے کی لکھی ہیں جو کسی طرح لایق اطمینان اور قابل قبول نہیں ہو سکتیں چنانچہ ایک روایت تو ایسی ہے کہ بکر بن الاشبح صرف قیاساً اور روایت بالمعنی کے طور پر انس کے قول "امران یحرق" کو "فامر بجمع المصاحف فاحرقھا" کمال مبالغہ سے بیان کرتا ہے۔ اور شعیب کی روایت میں (عند ابی داؤد والطبرانی) اس قدر عبارت زیادہ ہے "فذلک الزمان احرقت المصاحف بالعراق بالنار" مگر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ انس کی یہ روایت کس قسم کی ہے کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے عراق کا حال کہہ رہے ہیں اور مدینہ کے واقعہ کا کچھ ذکر ہی نہیں کرتے۔ غالباً اہل صحاح نے اس جزر کو وضعی سمجھ کر طرح دیا ہوگا۔ اور مصعب بن سعد کے طریق سے یہ روایت ہے "ادرکت الناس متوافرین حین احرق المصاحف فاعجبھم ذلک" اور پھر یہی روایت اس طرح پر بھی ہے "ولم ینکر منھم احد" یہ دونوں باہم ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور یقیناً دونوں بناوٹ معلوم ہوتی ہیں +

خلاصہ یہ کہ اس روایت خلاف درایت کا ماخذ صرف قولاً یا وہماً اور قیاساً انس ہی تک پہونچتا ہے اور بوجہ خبر واحد اور مختلف فیہ ہونے کے اس کا غیر مفید علم ہونا بظاہر ہے +

۱۸۔ یہ امر کسی قدر بیان بھی ہوا اور زیادہ بیان کا محتاج بھی نہیں کہ قرآن کے حفظ و کتابت میں ہر ملک اور ضلع کے مسلمانوں نے ہر طبقہ اور صدی میں ایسی کوشش بلیغ کی اور اس کثرت سے اس کے نسخے مشہور اور محفوظ رہے کہ ایشیا میں اقصائے بلاد چین سے یورپ کے اقصائے بلاد اسپین تک اور ممالک افریقہ و دیگر جزائر ایشیا و یورپ میں دو نسخہ بھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہا القرآن منتشر فجمعہا جامع و ربطہا بخیط حتی لا یضیع منہا شئ" (اتقان نوع ۱۸)

مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نسخہ تمام و کمال کس چیز پر لکھا گیا غالباً کاغذ پر ہوگا - فی موطا ابن ذھب عن مالک عن ابن شہاب عن سالم بن عبداللہ قال جمع ابوبکر القرآن فی قراطیس - اور ایسا ہی مغازی ابن عقبہ میں ابن شہاب سے ہے فکان ابوبکر اوّل من جمع القرآن فی الصحف - مگر صحف کی اولیت تو غلط ہے کیونکہ پیغمبر صلعم ہی کے زمانہ میں قرآن صحف میں تھا "رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ" *

البتہ اسی نسخہ میں غالباً سورتوں کی ترتیب ایسی ہی کی گئی تھی کہ پہلے سبع طوال پھر مئون پھر مثانی پھر مفصل جیسے اب تمام جہان کے نسخوں میں ہے *

اور حضرت عثمان تو اپنے عہد میں جامع قرآن نہیں ہو سکتے انھوں نے صرف اتنا ہی کیا کہ قرآن معروف کے کئی ایک نسخے لکھوا کے حکماً اطراف و جوانب دیار اسلام اور فوج کی چھاونیوں میں بھجوا دیئے اور اس وجہ سے قرآن کی اور بھی زیادہ شہرت اور اشاعت ہوئی - یہاں سے حارث محاسبی نے داد تحقیق دی چنانچہ تفسیر اتقان میں منقول ہے - "قال الحارث المحاسبی المشہور عند الناس ان جامع القرآن عثمان و لیس کذلک *

مگر یہ واہیات روایت کہ انھوں نے کچھ قرآن جلوا بھی دیئے محض بے ثبوت ہے[۵] - یہ بھی واقعہ اسی قسم کا تھا کہ اگر ہوا ہوتا تو بہت مشہور ہوتا اور بہت اہل مصاحف شکایت کرتے اور ایک بڑی کھلبلی مچ جاتی - خصوصاً مخالفان عثمان رضی اللہ تو اُس کو بہت ہی مشہور کرتے مگر با اینہمہ تو فردواحی کا نوں کان خبر نہیں ہوئی *

اس کے علاوہ اوّل تو اسی میں اختلاف ہے کہ جلانے کا حکم دیا تھا یا پھاڑنے کا - فتح الباری شرح صحیح بخاری تصنیف علامہ ابن حجر عسقلانی میں ہے - قولہ وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق - فی روایۃ الاکثران یخرق بالخاء المعجمۃ وللمروزی بالمہملۃ ورواہ الاصیلی بالوجہین والمعجمۃ اثبت الخ

[۵] اس روایت کا ایک راوی شیعہ ہے *

ہاں ایک جگہ اَور لکھا ہے اور وہ بھی خوب لکھا ہے۔

"The recension of Othman has been handed down to us unaltered. So carefully, indeed, has it been preserved, that there are no variations of importance,—we might almost say no variation at all,—among the innumerable copies of the Koran scattered throughout the vast bounds of the empire of Islam. Contending and embittered factions, taking their rise in the murder of Otham himself within a quarter of a century from the death of Mahomet, have ever since rent the Mohometan world. Yet but *ONE KORAN*, has always been current amongst them; and the consentaneous use by all to the present day of the same Scripture, is an irrefragable proof that we have now before us the very text prepared by the commands of the unfortunate Caliph. There is probably in the world no other work which has remained twelve centuries with so pure a text."

Ibid p. XIV and XV.

یعنی "عثمان کا نسخہ ہم تک بلا تحریف چلا آیا ہے درحقیقت ایسی احتیاط سے اسکی حفاظت ہوئی ہے کہ قرآن کے بے شمار نسخوں میں جو اسلام کی کثیر الوسعت مملکت میں منتشر ہیں بڑے اختلاف نہیں ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بالکل اختلافات نہیں ہیں۔ محمد صلعم کی وفات کے بعد ایک چہارم صدی میں قتل عثمان کے وقت سے مسلمانوں میں تنازع اور شدید مخالفتیں پیدا ہونے سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی تاہم ان میں ایک ہی **قرآن** ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔ اور سب میں بالاتفاق اسی ایک ہی قرآن کا استعمال میں رہنا اس بات کے ثبوت کی ایک لاجواب دلیل ہے کہ ہمارے پاس اَب وُہی کتاب ہے جو اس مظلوم خلیفہ کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ غالباً دنیا میں کوئی اَور ایسی کتاب نہیں ہے جو ۱۲ سَو برس تک ایسی صحیح المتن رہی ہو"۔

**۱۹**۔ ہماری اگلی کُتب مقدسہ کی یہ کیفیت تھی کہ جوں جوں اُن کے نسخہ زیادہ منتشر اور مشتہر ہوتے تھے اختلاف عبارات بھی اسیقدر زیادہ ہوتے جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یہ اختلاف[1]

[1] توریت میں اختلاف پڑجانے کی خبر قرآن میں بھی دی گئی ہے" واتینا موسی الکتاب فاختلف فیہ" ہود ع ۱۰۔

مختلف نہ ملینگے اور ایک بھی ایسا غلط لفظ یا سہو کاتب نہ ملیگا جس کی صحت میں حفاظ اور اہل فن کو ذرا بھی تامل ہو۔ تمام جہان میں جہاں دیکھو ایک ہی متن پاؤ گے اور اس کا ایسا اتحاد اور ہر ہر نسخہ کی ایسی تعجب انگیز موافقت اور یگانگت بلا مبالغہ ایک اعجاز ہے جسکو منکرین اعجاز بھی مجازاً یا مبالغتاً اعجاز سے منسوب کرتے ہیں۔ تمام بلاد مختلفہ اور امصار دور دست ایشیا و یورپ و افریقا سب ملکوں کے حافظوں کے دلوں کی زندہ الواح گویا کہ اس لوح محفوظ کے ایک ہی چھاپے کی لاکھوں۔ کروڑوں نقلیں ہیں جن میں چودہ سو برس سے آج تک بعینہ ایک ہی عبارت چلی آتی ہے *

مسٹر اڈوارڈ گبن نے ایک مقام پر لکھا ہے:۔

"....... and the varios editions of the Koran assert the same miraculous privilege of an uniform and uncorruptable text."

E. Gibbon. Ch. 50. Vol. 6.

یعنی "قرآن کی بہت سی نقلوں سے وُہی اعجاز کا سا خاصہ یگانگت اور عدم قابلیت تحریف کا متن ثابت ہوتا ہے" *

(تاریخ رومتہ الکبریٰ جلد ۶ باب ۵۰)

سر ولیم میور فرماتے ہیں جلد اوّل صفحہ ۲۷

" ...... We may upon the strongest presumpti affirm that every verse of the Koran is the genuine and un altered composition of Mahomet himself, and conclude with at least a close approximation of the verdict of Von Hammer —

*"That we hold the Koran to be as surely Mahomet' word, as the Mahometans hold it to be the word of God."*

Sir William Muir. Vol. 1 P. XXVII.

یعنی "نہایت قوی گمان پر ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہر ایک فقرہ قرآن کا صحیح اور بلا تبدیل محمد ہی کا کہا ہوا ہے اور اسکے نتیجہ میں جیسا کہ وان ہیمر نے کہا ہے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو ہم بالیقین ایسا ہی محمد کا کلام سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسکو کلام الٰہی سمجھتے ہیں" *

جان جیمس ویطسطین نے مختلف ملکوں میں پھر کے اپنے متقدمین کی نسبت بہت زیادہ نسخے
بچشم خود دیکھے اور اُس کی تعداد اختلاف عبارات کی دس لاکھ سے زیادہ ہوئی (ایضاً
دفعہ ۱۳۵) اور ڈاکٹر گریسباخ نے ڈیڑھ لاکھ اختلاف عبارات شمار کیے (دیکھو طامس
ہارٹ ول ہارن کی کتاب جلد ا ب ۲ ف ۳ ص ۱۰۶ مطبوعہ فلاڈلفیا ۱۸۳۵ء) حالانکہ
کل تعداد انجیل کے نسخوں کی جو کلاً یا جزاً مقابلہ ہوئی تخمیناً پانچ سو نسخوں تک پہونچتی ہے۔
مگر یہ تعداد ان نسخوں کی تعداد کی ایک جزو قلیل ہے جو پبلک اور پرائیوٹ کتب خانوں میں ہیں۔
(ہارن ج ۲ ص ۱۰۰ و ۲ ۱۸۳۵ء) ٭

گویا اختلافات بعید و بےحساب ہوئے اور زیادہ تتبع اور تفحص پر اور بھی زیادہ ہونگے مگر
تاہم ان سے ان کتابوں کے موضوع و مقصود اور منشاء اصلی کو کم ضرر پہونچا ہے ٭

لارڈ بولنگ بروک وغیرہ منکروں نے یہ حجت کی تھی کہ اگر یہ کتابیں خدا کی طرف سے تھیں تو
ضرور تھا کہ وہ بعینہ اپنی اسی اصلیت اور اصلی صحت پر باقی رہتیں۔ مگر ڈاکٹر کینکاٹ نے
ایسے اعتراضوں کے جواب میں کہا کہ ان کتابوں میں بہت سی غلطیاں پڑ گئیں ہیں تو ان سے
جناب باری تعالیٰ کی حکمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ معظم امور ہنوز محفوظ اور متیقن
ہیں اور ہمیشہ لوگوں نے ان کتابوں سے ہدایت پائی ہے ٭

بعض اہل شوق نے قرآن کے بھی دو چار نسخے مقابلہ کیے اور ان میں کہیں بشرا کو نشرا
اور تکلیف کو تکلف یا یرتع ویلعب کو نرتع ونلعب پایا مگر یہ اختلاف محض بےحقیقت ہیں کیونکہ
کتاب کی غلطی و سہو میں گفتگو نہیں شکایت تو اس امر کی ہے کہ دو عبارتیں ایسی مختلف
پائی جائیں جن میں سچی اور اصلی عبارت کی تمیز دشوار ہو جاوے۔ پس قرآن کے نسخوں کے
سہو کاتب کو صحف سابقہ کے اختلاف نسخ سے کچھ نسبت نہیں ہے اور بالآخر سر ولیم میور نے
یہی فیصلہ کیا ٭

"To compare (as the Moslems are fond of doing) *the* pure text with the various readings of our Scriptures, is to compare things between the history and essential points of which there is no analogy."

Sir William Muir. Vol. I. P XV note.

یعنی مسلمانوں کا اپنی خاص کتاب کا ہماری کتب مقدسہ کے اختلاف عبارات سے مقابلہ

عبارات ایک بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار ہوگئے۔ علمائے بنی اسرائیل اور مشائخ مسیحی ہمیشہ اسکے شاکی رہے۔ اور نسخوں کے دو قبیلہ مشرقی اور مغربی قایم ہوگئے ٭

توریت کے باب میں عبرانی - سامری - یونانی نسخوں کا اختلاف فیلو اور یوسیفس علما کے زمانہ کی عبارتیں پھر کتب یہود سل ربوث پرکی الیعاذر - اور قصری کی دوسری طرز کی عبارتیں اور ربی سعد یاس اور حیی کی قرائتیں اور ان کے زمانہ کے بعد ابن عزرا - یرحی - ربی میمونیو دبن مرشی (رمبام) اور قمحی یہ سب لوگ اختلافوں کے شاکی رہے اور آخر میں میئر ہلیوی (بابت سنہ ۱۲۴۴ء) عبرانی نسخوں کے اختلافات پر بہت ہی نوحہ زن رہا (دیکھو انسائیکلوپیڈیا ابراہام برلس ح ۴ ۱۹۱۰ء) اس زمانہ کے بعد ربانیین یہود نے متن کی اصلاح پر کمر باندھی ربی یونز انو نے اسی غرض سے سیاحت اختیار کی اور شلوموسنوزی نے کتاب منحاث شائی میں خطی نسخوں سے دو ہزار اختلاف عبارات جمع کیئے یہ کیفیت یہود کے مجاہدات کی اس وقت کی تھی جبکہ عیسائیوں میں توریت کی بالکل صحت پر پورا بھروسا تھا - اسی سائیکلو پیڈیا میں اُس مضمون کے بعد لکھا ہے -

"So that at the time when Christians were generally insisting on the perfection of the Hebrew text, the Jews were labouring to correct it, and lamenting its great imperfection in the following terms. . . . . . . . . . "

کہ جس زمانہ میں کہ عموماً عیسائیوں کو متن توریت کی صحت پر اصرار تھا اسوقت یہود اس کی اصلاح میں مشقت کر رہے تھے اور ان الفاظ میں اس کے بڑے نقص پر نوحہ سرائی کرتے تھے الخ ٭

پھر ۱۷ و ۱۸ صدی میں مسیحیوں کو بھی اصلاح اختلاف عبارات پر توجہ ہوئی اور یہود سے زیادہ کوشش کی اور ڈاکٹر کنیکاٹ اور ڈی روسی اپنا نام کر گئے - مطبوعہ نسخوں میں سے جو پہلے سنہ ۱۴۸۸ء میں چھپا تھا اس سے وانڈرہوف کو دوسرے نسخہ میں جو سنہ ۱۷۰۵ء میں چھپا بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا ٭

عہد جدید کے نسخوں کے اختلافات بھی جانچے گئے اور بہت سے جرمنی محققوں نے اس میں محنت کی ڈاکٹر میل نے عہد جدید کے چند نسخے جمع کر کے تیس ہزار اختلاف عبارات نشان دیئے (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برطینکا ح ۱۷ لفظ اسکرپچوس دفعہ ۱۳۳) پھر

کبھی یقین نہیں ہو سکتا ❖

(۲) اس مسئلہ پر سب اتفاق کرتے ہیں ان القرآن لا یثبت الا بالتواتر اور یہ بھی ماجاء بخبر الاحاد لا یثبت بہ القرآن - پس یہ بڑی غلطی ہے کہ ان روایتوں کے مذکورات کو قرآن منسوخ التلاوۃ سمجھا جاوے ❖

(۳) جو لوگ نسخ قرآن کو جائز رکھتے ہیں ان کے مسلک پر نسخ کے جواز کی یہ آیت ہے ماننسخ من آیۃ[1] اوننسھا نات بخیر منھا او مثلھا پس اس میں ضرور ہے کہ جو آیت منسوخ ہو اُس کے بدلے میں ایک آیت آنی چاہیئے اور جو منسوخ التلاوۃ فرض کی گئیں ہیں اُن کے بدلے کی کوئی آیت نہیں بیان کی جاتی ❖

۱۴ - یہ تقریریں کسیقدر مطول و مبسوط ہو گئیں اور گو یہ بھی فائدے سے خالی نہیں مگر اس سے زیادہ مفید مطالب جو ہمارے پیش نظر تھے وہ ہنوز بیان میں نہیں آئے - اب ہم انشاء اللہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی حقیقت اور علم و حکمت کی وجوہ اعجاز اور پھر اسکے محاسن اصلی اور خیر محض کے اصول اور اسکی فضیلتوں کے بیان میں اہل یورپ کا اعتراف اور مخالفوں کی شہادت بیان و نقل کرینگے - پھر چند اعتراضات جو بنا بر اصول تمدن و حکمت وارد کیے جاتے ہیں اور بعض مطاعن علمی و فلسفی جو حکمت جدید کی اشاعت اور فلسفہ فرنگ کی ترقی سے پیش آتے ہیں معرض بحث میں آوینگے ❖

## پیغمبر پر سحر

"وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً"

(فرقان)

ا - کسی سچے مسلمان کا تو یہ کام نہیں کہ جناب پیغمبر کی نسبت ایسا کہے کہ اُن پر کبھی

---

[1] ہم نہیں سمجھتے کہ آیہ کو یہاں اصطلاحی معنوں پر کیوں حمل کیا جاتا ہے لغوی معنی کا ترجیح ہونی چاہیئے -

کرنا ایسی چیزوں کا باہم مقابلہ کرنا ہے جن کے حالات اور اصلی امور میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ انتہیٰ ⁂

۲۰۔ اسی بحث کے متعلق تھوڑا سا حال اُن اخبار احاد ضعیف اور موضوع کا بھی ضرور ہے جن کو بعض نے قرآن کے نقصان یا بعض حروف کے تغیر میں پیش کیا ہے۔ اخبار احاد تو کبھی مفید علم ہوتی ہی نہیں نہ عقل کی راہ سے اور نہ قاعدہ روایت و ضابطہ درایت کی راہ سے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قطعیات اور متواترات کے مقابلہ میں ہوں ⁂

علمائے شیعہ میں سے شیخ ابو جعفر طوسی تفسیر تبیان میں ایسی روایتوں کی نسبت لکھتے ہیں "طریقہا الاحاد التی لا توجب علماء" اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ فرماتے ہیں "فان الخلاف فی ذالک مضاف الی قوم فعلوا اخبار ضعیفۃ ظنوا صحتہا لا یرجع بمثلھا عن العلوم المقطوع علی صحتہ" ⁂

اور علمائے سنت وجماعت میں سے حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول میں فرماتے ہیں۔ والعجب من ھؤلاء الرواۃ احدھم یروی عن ابن عباس انہ قال فی قولہ حتی تستانسوا و تسلموا ھو خطاء من الکاتب انما ھو تستاذنوا وتسلموا وما اری مثل ھذہ الروایات الا من کید الزنادقۃ فی ھذہ الاحادیث انما یریدون ان یکید والاسلام بمثل ھذہ الروایات الخ ⁂

بعضے مستضعفین نے ایسی روایات نقصان کا معارضہ اَور طرح پر کیا ہے یعنی جب کہ ان کا ابطال محققانہ نہ کرسکے اور بناچاری ایک قسم کا نسخ یعنی منسوخ التلاوۃ ایجاد کیا اور ان خرافات روایات سے یوں پیچھا چھڑایا اور متاخرین نے اسکو مقلدانہ قبول کیا۔ مگر اہل عقل خوب سمجھتے ہیں کہ یہ محض ایک بے بنیاد بات ہے اور بہت لوگوں نے اس سے انکار بھی کیا ہے۔ تفسیر اتقان میں ہے۔ حکی القاضی ابو بکر فی الانتصار عن قوم انکار ھذا الضرب لان الاخبار فیہ اخبار احاد ولا یجوز القطع علی انزال قرآن ونسخہ باخبار لا حجۃ فیھا ⁂

اس قسم کے نسخ کے بطلان کو ذرا ہم مفصل بیان کریں ⁂

(۱) وہ سب خبریں جن کے غلبہ وہم سے یہ قسم نسخ ایجاد ہوئی ہے سب اخبار احاد ہیں جنہیں

علامہ امین الدین طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں (ذیل ہاروت و ماروت) لکھا ہے:

"ما روي من الاخبار ان النبي سحر وكان يرىٰ انه فعل ما لم يفعله او انه لم يفعل ما فعله فاختار مفتعله - لا يلتفت اليها"

۵ - اگرچہ جھوٹی روایتیں سچی ہوں تو پھر نبی کی بات پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے - بہت سی وحی کی باتیں بھی صرف ان کے تغیر دماغ کی وجہ سے خیال میں آگئی ہونگی - حدیث کی شرح کرنیوالے ایک عجیب مخمصہ میں گرفتار ہیں نہ تو ان سے اس روایت باطلہ کی تکذیب کرتے بنتا ہے اور نہ منکروں کو جواب دیتے بنتا ہے - قاضی عیاض الغرناطی نے (سنہ ۴۷۶ - ۵۴۴ ھ ہجری) کتاب شفائی تعریف حقوق المصطفیٰ میں (ص ۲۹۹ و ۳۰۰) اس اعتراض کے اٹھانے کی کوشش کی ہے مگر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جادو کا اثر جناب پیغمبر کے دل اور اعتقاد اور عقل پر نہ تھا صرف ظاہر میں ہاتھ پیر پر ہوا تھا مگر بخاری و مسلم کی روایتوں کے مقابلہ میں وہ تاویلیں پیش نہیں جاتیں اور بہذا اصل سحر کے مان لینے سے کچھ مفر نہیں ملتا - اور مسحور وہی ہے جس کی عقل میں خلل آگیا ہو[۱]

۶ - ہمنے مناسب جانا کہ اس بحث میں اصل روایتوں پر نظر کی جاوے اور دیکھیں کہ وہ کچھ معتبر ہو سکتی ہیں یا نہیں۔

بخاری نے روایت کی ہے - حدثنا ابراهيم بن موسىٰ اخبرنا عيسىٰ بن يونس عن هشام عن ابيه عن عايشة رضي الله عنها قالت سحر رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل من بني زريق يقال له لبيد بن الاعصم حتى كان رسول الله يخيل اليه انه كان يفعل الشيء وما فعله الخ۔

حدثني عبد الله بن محمد قال سمعت ابن عيينة يقول اول من حدثنا به ابن جريج يقول حدثني آل عروه عن عروه فسالت هشاما عنه فحدثنا عن ابيه عن عايشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم سحر حتى كان يرى انه ياتي النساء ولا ياتيهن الخ۔

---

[۱] والمسحور الذي قد سحر فاختلط عليه عقله وزال عن حد الاستواء هذا هو القول الصحيح تفسير كبير فخر رازي (اسرى)

ایک منٹ کے لیئے بھی جادو کا اثر ہوا۔ یہ بات تو کافروں ہی کو زیبا تھی اور اُنھوں نے ہی کہی تھی کہ یہ نبی تو جادو کا مارا ہوا ہے۔ اور اس تہمت نالائق کو خدا نے بھی جھٹلایا چنانچہ سورہ فرقان اور اسریٰ کی آیت کو ہم نے اس بیان کے عنوان میں لکھ دیا ہے مگر ایک عرصہ سے مسلمانوں میں سے ایسی حمیت جاتی رہی وہ اِس کی تو کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ ایسے مضمون کی حمایت کرتے ہیں ❖

۲۔ مسلمان محدثوں نے اس مضمون کی ایک عجیب وغریب روایت کی ہے کہ ایک یہودی نے جناب پیغمبر پر جادو کر دیا تھا اور وہ چالیس دن تک یا چھ مہینے یا برس دن تک اُس میں مبتلا رہے۔ ابی حمزہ کی روایت میں تو چالیس دن ہیں اور وہب کی روایت میں چھ مہینے۔ مگر زہری کی روایت میں برس دن ہے۔ علامہ ابن حجر نے اسی کو معتمد قرار دیا ہے سُبحانك هذا بهتان عظيم ❖

۳۔ اس سحر کا اثر (دروغ برگردن راوی) یہاں تک ہو گیا تھا کہ معاذ اللہ جناب پیغمبر کے دماغ میں خلل آ گیا تھا۔ چوں مادہ سحر بسر مبارک رسیدہ بود چناں تخیل میکرد کہ چیزے کہ نکردہ است کردہ میشود و ایں تصرف است از ساحر در طبیعت و مادہ دموی تا آں مادہ بر بطن مقدم دماغ غلبہ کرد و مزاج آں از طبیعت اصلی برگشت (سفر السعادۃ علامہ مجد الدین فیروز آبادی) ص ۱۶۹۔ یہی مضمون ابن القیمؒ نے بھی لکھا ہے ❖

۴۔ ایسے لغو اور واہی خیالوں کو تو قرآن مجید جھٹلا چکا پس جو روایتیں بھی اس مضمون کی ہونگی وہ کب لایق التفات ہونگی وہ راوی بھی اُنھیں کافروں کی کہی ہوئی کہتے ہیں شیخ الاسلام

---

لہ وفي رواية ابي حمزة عند الاسماعيلي انه صلى الله عليه وسلم اقام اربعين وفي رواية وهيب عن هشام عند احمد ستة اشهر وجمع بان ستة اشهر من ابتداء تغير مزاجه والاربعين يوما من استحكامه لكن في جامع معمر عن الزهري انه لبث سنة واسناده صحيح۔ قال ابن حجر فهو المعتمد۔ ارشاد الساري شرح صحيح بخاري۔ ج ۸ ص ۳۲۴۔

مدت بقائے ایں عارضہ بقولے چہل روز و در روایتے شش ماہ و در روایتے یکسال بود۔ شرح سفر السعادت۔ عبد الحق دہلوی

نہیں "لایفلح الساحر حیث اتی" گو وہ لاکھ پڑا کہا کرے کہ میں نے اس شخص پر جادو کر دیا ہے اور جس شخص کی نسبت جادو کرنیوالا جادو کرنیکا دعوی کرنیوالا یہ کہے کہ میں نے اسپر جادو کر دیا ہے تو عرف میں اسکو مسحور یا جادو کا مارا ہی کہینگے گو حقیقت میں اس مسحور پر کچھ جادو کا اثر نہوا ہو جیسے عموماً کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا معشوق ہے حالانکہ شخص عاشق کے عشق کا اسپر درحقیقت کچھ بھی اثر نہیں ہوا کرتا *

عرب میں اور یہودیوں میں سحر اور ساحری کا بڑا چرچا تھا ایسا ہوا ہو گا کہ لبید بن اعصم یہودی نے اسی خیال باطل یعنی جادو کے کارگر ہونے کی بنا پر جناب پیغمبر کی نسبت جادو کا عمل کیا ہو اور کنگھی اور سر کے بال کسی درخت کی چھال میں لپیٹ کر ذروان کے کنوئیں میں داب دیئے ہونگے - اس معاملہ کا چرچا لوگوں میں ہوتا ہو گا - ان میں سے دو آدمی جنہوں نے یہ بات سُنی ہوگی جناب پیغمبر کے پاس بیٹھکر باتیں کرتے ہوں گے کہ لبید نے اُن پر (اپنے زعم میں) فلانے کنوئیں میں جادو کیا - اس بات کو سُن کر جناب پیغمبرؐ اس کنوئیں پر خود گئے یا کسی کو بھیجا ہو کیونکہ اَور روایتوں میں ہے (عند ابن سعد من حدیث ابن عباس فبعث الی علی و عمار فامرھما ان یاتیا البیر) کہ اپنے اصحاب کو بھیجا تھا اور یا یہ ہوا ہو کہ اصحاب میں سے کوئی خود ہی چلے گئے ہوں *

۱۰ - پس اس روایت میں کوئی بات جادو کے تحقق کی نہیں نکلتی سب سے زیادہ مشکل اور باطل قول یہ ہے کہ سحر رسول اللہ الخ یہ اگر ان معنوں میں لیا جاوے کہ لبید نے پیغمبرؐ کی نسبت جادو کا عمل کیا تو کچھ بھی دقت نہیں ہاں اگر یہ مراد ہو کہ درحقیقت پیغمبر پر کسی کے جادو کا عمل چل گیا اور جادو اُن میں مؤثر ہو گیا اور ان کے دماغ میں خلل آ گیا اور عقل میں فتور پڑ گیا تو یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے - یقیناً راویوں کے دماغ میں فتور آ گیا ہو گا یا محدثوں کی عقل میں خلل آ گیا ہو گا - کیونکہ کسی شخص کے جادو کے مارے ہوئے ہونے پر گواہی دینا ایک ایسے امر پر شہادت دینا ہے جو قابل حس نہیں ہے - کسی کو مسحور سمجھنا امر حسی نہیں ہے پس اسپر کوئی گواہی نہیں ہو سکتی *

۱۱ - عوام نے اس روایت کے مضمون سمجھنے میں چند غلطیاں کی ہیں - اوّل تو یہ کہ سحر رسول اللہ الخ کو حقیقی اور واقعی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایسے ہی ثابت ہے کہ کوئی کہے کہ زید پر گولی چلی - گو زید اس گولی کے اثر سے بالکل محفوظ ہو - یا کوئی کہے کہ ہندہ تو خالد کی معشوق ہے گو ہندہ کو خالد سے کچھ بھی واقفیت نہو یا اُس کے عشق کا اثر ذرا بھی اُس میں

حدثنا عبید بن اسماعیل حدثنا ابو اسامه عن هشام عن ابیه عن عایشه قالت سحر رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی یخیل الیه انه یفعل الشئ وما فعله الخ ؛

مسلم نے روایت کی ہے ۔ حدثنا ابو کریب قال حدثنا ابن نمیر عن هشام عن ابیه عن عایشة رضی الله عنها قالت سحر رسول الله صلعم یهودی من یهود بنی زریق یقال له لبید بن الاعصم قالت حتی کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یخیل الیه یفعل الشئ وما یفعله الخ ؛

ان روایتوں میں یہ قول تو حضرت عائشہ کی طرف منسوب ہے کہ جناب پیغمبر پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا اور اِس قول کے بعد ایک قصہ ہے کہ جس میں اختلاف الفاظ اور کسی قدر اختلاف مضمون بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر نے فرمایا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس شخص کا (یعنی پیغمبر صلعم کا) کیا حال ہے اس نے جواب دیا کہ یہ شخص مطبوب ہے اسکا ترجمہ حدیث کی شرح کرنے والوں نے مسحور کیا ہے یعنی جادو کا مارا ہے پھر اُس نے پوچھا کس نے جادو کیا تب اُس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے پھر اُس نے پوچھا کاہے سے جادو کیا ہے اُس نے کہا کہ کنگھی اور سر کے ٹوٹے ہوئے بال اور کھجور کے درخت کا گابہ ۔ پھر اُس نے پوچھا وہ کہاں ہے اُس نے جواب دیا کہ دروان کے کنوئیں ہیں ۔ تب جناب پیغمبر اور اصحاب وہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے آکر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اُس کنوئیں کا پانی سرخ سا تھا اور اور درخت وہاں کے ایسے تھے جیسے سانپ کی سر یا بدصورت الخ ؛

۸ ۔ یہ ایسی روایت ہے کہ جس کو اگر صحیح و قطعی تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی کسی ذی عقل اور صاف طبیعت آدمی کی نظر میں اس میں کچھ خلاف حقیقت نہیں ہے مگر جو لوگ جاہلی طبیعت کے ہیں اور دیو بھوت اور جادو کو مانتے ہیں وہ اس روایت کے مضمون کو اپنے ڈھنگ پر لیجاتے ہیں اور کچھ تحریف اور تاویل کر کے نبی کو جادو کا مارا ہوا بنا لیتے ہیں ذلك ظن الذین کفروا ؛

۹ ۔ اِس روایت کی تفسیر ہمارے مذاق پر تو یہ ہے کہ ہمکو اس امر سے تو انکار نہیں ہے کہ کوئی شخص جادو نہیں کرتا یا کوئی شخص کسی کو جادو کا مارا ہوا نہیں سمجھتا بلکہ ہمارا قول صرف یہی ہے کہ ہمکو جادو کے تحقق سے انکار ہے یعنی جادو کبھی چلتا نہیں اس کا اثر کسی پر ہوتا

مجہول یعنی نامعلوم رہجاوے صحیح اور سندی نہیں ہوسکتی ؞

اس باب میں جو کچھ حجتیں اور تقریریں ہیں وہ ہمکو معلوم ہیں ۔ علی ابن المدینی (اُستاد بخاری) اور بخاری اور ابو بکر صیرفی اور شافعی کا یہ مذہب ہے کہ روایت معنعن کو متصل سمجھا جاویگا جبکہ دونوں راوی ایک ہی زمانہ میں ہوں اور اُن میں باہم ملاقات ہونا بھی ثابت ہو اور وہ لوگ مدلس بھی نہوں اور مسلم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ دونوں راویوں کا صرف ایک زمانہ میں ہونا چاہیئے تاکہ ملاقات ممکن ہو اور ملاقات کا ثابت ہونا شرط نہیں ہے ۔ مسلم نے مقدمہ صحیح میں اپنے مخالف کی بڑی فضیحت کی ہے اور ایک طولانی تقریر کی ہے مگر محی الدین نووی نے منہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج میں (باب ماتصح به روایة الرواة بعضهم عن بعض) لکھا ہے کہ جس باب کی طرف مسلم گیا ہے محققوں نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکو ضعیف بتلایا ہے اور جس بات کو مسلم نے رد کیا ہے اُسی کو صحیح قرار دیا ہے[1] ۔ مگر ہماری رائے میں تو ان دونوں مذہبوں میں ایک گونہ سہل انگاری اور مسامحت ہے کیونکہ ان میں سے جس نے زیادہ تشدد کیا ہے وہ صرف یہی کہتا ہے کہ صرف ان دونوں راویوں کا جو عنعنہ کرتے ہیں باہم ملاقات کا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ[2] شاید تمام عمر میں ملاقات کا ہوجانا بھی ثابت ہونا چاہیئے ۔ اور یہ اصول پھر بھی ناقص ہے کیونکہ جب تک ہر ہر خبر میں بالمشافہ سنی ہونے کی تصریح نہوگی ہمیشہ وہی احتمال ارسال قائم رہیگا ۔ ہم روز کے تجربہ سے یہ بات ثابت پاتے ہیں کہ گو زید و خالد دونوں راوی ایک ہی شہر میں رہتے ہوں اور ملاقات بھی ہوا کرتی ہو تاہم زید کا ہر عنعنہ خالد سے بلا واسطہ اور بالمشافہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ کتب احادیث کے راوی

---

[1] وهذا الذي صار عليه مسلم قد انكره المحققون وقالو هذا الذي صار اليه مسلم ضعيف والذي رده هو المختار الصحيح الذي عليه ائمة هذا الفن مثل علي ابن المديني والبخاري وغيرهما ۔ شرح صحيح مسلم للنووي ؞

[2] والمعنعن الذي قيل فيه فلان عن فلان من غير لفظ صريح بالسماع او التحديث او الاخبار آتي عن رواة مسمين معروفين موصول عند الجمهور بشرط ثبوت لقاء المعنعنين بعضهم ولو مرة الخ ۔ ارشاد الساري شرح بخاري للقسطلاني ج ا ص ۹ ؞

نہوا ہو۔ دوم یہ کہ وہ جو دو شخص پیغمبر کے پاس آ کے بیٹھے تھے اُن میں سے ان لوگوں نے
ایک کو تو جبرئیل بتالیا اور ایک کو میکائیل۔ حالانکہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں "رجلان"
کا لفظ صاف موجود ہے (یعنی دو آدمی) جو روایتیں ان صحیحین کے درجہ سے گھٹی ہوئی
ہیں اُن کے راویوں نے اپنے دل سے "رجلان" کی جگہ "ملکان یعنی دو فرشتے" کردیا۔
جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے اور جن راویوں نے اَور بھی زیادہ آزادی برتی اور
روایت بالمعنی پر کفایت نہ کی وہ اس سے بھی بڑھ گئے اور صاف صاف "جبرائیل و
میکائیل" ہی کہدیا جیسا کہ ابن سعد کی ایک منقطع روایت میں ہے۔ سوم یہ کہ ان دونوں
آدمیوں نے جو یقیناً لبید کے ہمراز تھے جناب پیغمبرؐ کو مطبوب بتلایا اس لفظ کو شارحین
نے مسحور کے معنی میں قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی ایک زبردستی ہی ہے۔ قسطلانی شارح بخاری
نے اس کنایہ کو صرف تفاول کے طریق پر قرار دیا ہے اور قرطبی نے کچھ اَور ہی لکھا۔
انما قیل للسحر الطب لان اصل الطب الحذق والتفطن له فلما کان کل من علاج
المرض والسحر انما یتاتی عن فطنة وحذق اطلق علی کل منهما هذا الاسم۔ جب
طب کا لفظ ایسا عام ہے تو اس سے خاص سحر سمجھنا خلل دماغ سے خالی نہیں اصل یہ
ہے کہ ان لوگوں نے یہ امر تسلیم کرلیا ہے کہ جادو کا اثر ضرور متحقق ہوتا ہے پس اَب جو کوئی
خبر جادو کی روایت میں آویگی وہ ضرور تسلیم کیجاویگی۔ حالانکہ اس کا تحقق محض ایک وہم
اور خیال ہے اور معتزلہ کو جو مسلمانوں میں ایک حکیمانہ خیال کا فرقہ ہے جادو کے تحقق سے
انکار ہے ٭

۲۱۔ اگر ضابطہ فن درایت کی رُو سے اس روایت پر نظر کیجاوے تو یہ کسی طرح صحیح و
ثابت و یقینی و قطعی نہیں ٹھہر سکتی ٭

اوّل تو یہ ایک خبر واحد ہے اور اخبار احاد سے کسی امر کی نسبت جس کی وہ خبر دیتے
ہیں یقین نہیں حاصل ہوتا پس یہ خبر بھی سچی اور یقینی نہیں ہوسکتی ٭

دوم یہ کہ اس روایت میں عنعنہ ہے یعنی عیسی بن یونس اور ابن نمیر اور ہشام بن عروہ
اور عروہ بن زبیر نے حدثنا یا اخبرنا کہکر روایت نہیں کی جس سے اتصال پایا جاتا
بلکہ عن عن کہکر روایت کی ہے جس میں احتمال ہے کہ ایک نے دوسرے سے بگوش خود
سُنا ہو یا اَوروں سے سُنا ہو جن کا نام ظاہر نہیں کیا اور ایسی روایت جس کا کوئی راوی بھی

خیالات کو نہیں مانتے۔ رائے تو صرف شخص معصوم صاحب الوحی کی مانی جاتی تھی +
پس ان وجوہ سے یہ خبر قابل قبول اور لائق اعتبار نہیں ہے +

# سلیمان علیہ السلام

## علم منطق الطیر۔ جن۔ نمل۔ طیر۔ ہدہد
## عفریت۔ عرش بلقیس کشف ساق

---

## علم منطق الطیر

(۱) وورث سلیمان داود وقال یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیئ۔ ان ھذا لھو الفضل المبین (سورہ نمل)

**ترجمہ**۔ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے صاحبو ہمکو پرندوں کا علم ملا ہے اور ہر چیز میں سے ہمکو عنایت ہوا ہے۔ یہ بیشک بڑی فضیلت ہے +

**تفسیر**۔ منطق الطیر ایک علم ہے جس میں پرندوں کی بناوٹ۔ صورت اور عادات کا بیان ہوتا ہے اور یہ ایک شعبہ ہے حیواۃ الحیوان کے علم کا جس میں ہر قسم کے جانداروں کا ذکر ہوتا ہے منطق الطیر ٹھیک ترجمہ ہے یونانی اُرنی ثو۔ لوجیا۔ کا۔ اُرنیس اور اُرنی تھوس کہتے ہیں اُڑنے والے کو اور لوجیا کے معنی لغت اور علم +

جو لوگ اس حقیقی علم منطق الطیر سے ناواقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پرند آپس میں ایسی مرکب آوازیں بولتے ہیں جیسے انسان بولتے ہیں اور اُن کی ایسی ہی باتوں کو سلیمان علیہ السلام سمجھ جاتے تھے۔ عبرانی زبان میں ایسے علم منطق الطیر کو دبرھا عوف کہتے ہیں דברהעוף دبرھا کے معنی بات یا بیان اور عوف کے مانند پرند +

کتب سلاطین میں جو غالباً شاہی روزنامچہ کے حالات سے مؤلف ہوئی ہے اور اب یہود کے صیغۂ کتوبیم میں داخل ویبل میں شامل ہے حکمت سلیمانی کی عموماً اور علم منطق الطیر کی

جن میں سے ایک تو خراسانی ہے اور ایک بصری اور ایک کوفی ہے تو ایک مصری اور پھر اُن کی معنعن روایتیں اتصال پر محمل کی جاتی ہیں یہ عجب قاعدہ ہے +

مسلم نے اپنے قول کی تائید میں انہیں راویوں کا حوالہ دیا ہے - جن پر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی - هشام بن عروه عن ابيه عن عائشه - چنانچہ لکھا ہے بيقين تعلم ان هشاما قد سمع من ابيه وان اباه قد سمع من عايشه رضي الله عنها الخ مگر جب تک ایک خاص خبر میں بالمشافہ سُننا ثابت نہو تب تک عام طور کا سماع کُچھ مفید نہوگا +

غرض کہ اس میں نہایت شُبہ ہے کہ عیسے بن یونس اور ابن نمیر نے ہشام سے یہ روایت بلا واسطہ سنی یا بواسطہ اور ایسے ہی ہشام نے عروہ سے بالمشافہ سُنی یا کسی اَور واسطے سے اور ایسے ہی عروہ نے ام المومنین عائشہؓ کے روبرو یہ روایت سُنی یا اَور کے ذریعہ سے - پس اس وجہ سے یہ روایت ناقابل اعتبار ہے +

سوم - یہ کہ اس روایت کا ایک راوی ہشام بن عروہ ہرچند کہ عموماً ممدوح اور ثقہ اَور معتبر ہے مگر امام مالک نے اُس کو جھوٹا یعنی کذاب کہا ہے پس یہ راوی مقدوح ٹھہرا اور روایت کم سے کم ضعیف ٹھہر گئی اسماء رجال کی کتاب تہذیب الکمال میں لکھا ہے قال الحافظ ابو بكر الخطيب + + اخبرني الرماني قال حدثني محمد بن احمد بن عبد الملك الاوفي قال حدثنا محمد بن علي الايادي قال حدثنا زكريا بن يحيى الساجي قال حدثنا احمد بن محمد البغدادي قال حدثنا ابراهيم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فليح قال قال لي مالك بن انس هشام بن عروة كذاب الخ

اگر ہمارے جواب میں یہ کہا جاوے کہ یہ روایت ایک خبر واحد ہے اس پر یقین نہیں ہوتا تو ہم کہینگے کہ پیغمبر صلعم پر جادو ہو جانے کی روایت بھی تو خبر واحد ہے اس پر بھی یقین نہ کیجئے +

چہارم - یہ کہ حضرت ام المومنین عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ سحر النبي الخ ضابطہ فن روایت کے موافق قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ہمیں کوئی امر حسی کی خبر نہیں ہے پس جیسا کہ راوی کا ثقہ اور عدل ہونا ضرور ہے ویسا ہی یہ بھی ضرور ہے کہ اس نے امر حسی یا واقعہ چشمدید کی خبر دی ہو نہ کہ امر عقلی یا خیالی یا وہمی اور اعتقادی کی - ہم ان راویوں کے مشاہدات پر اعتبار کرتے ہیں مگر اُن کی رائے اور

| | |
|---|---|
| ترجمہ اُردو ۱۸۴۵ء و ۱۸۶۸ء | بیگم اور بیگیات |
| ترجمہ انگریزی ۱۸۴۱ء | باجے اور سب قسم کے ساز |
| ترجمہ مذہب رومن کیتھلک ۱۸۴۹ء | پیالے اور برتن شراب ڈھالنے کے |
| ترجمہ عربی | سیدہ و سیدات |
| ترجمہ فارسی | انواع سازہائے موسیقی |
| ترجمہ یونانی قدیم | ساقی اور ساقیات۔ |
| ترجمہ عربی ۱۸۳۱ء | شافات واباریق للخدمة لکسب الخمر |

اصل عبری میں یہ الفاظ שדה ושדות (شدہ وشدوت) ہیں جن کی اصل
שד (شد) ہے۔ ارج عسریم یعنی عہد عتیق کی اصل عبرانی کتابوں میں اور جہاں جہاں یہ
لفظ آتا ہے وہاں شیطان اور دیو یا دیوتا کے معنی لیئے گئے ہیں۔ استثنا باب ۳۲-
۱۷ "اُنھوں نے شیطانوں کی قربانیاں گذرانیں" יזבחו לשדים (یذبحو
لشدیم) اور زبور ۱۰۶-۳۷ (نسخہ عبری) "انھوں نے تو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو
شیاطین کے لیئے قربانی کیا *

ויזבחו את בניהם ואת בנותיהם לשדים
(ویذبحو اینہ بنیہم وایتہ بنوتیہم لشدیم)

ترجمہ۔ عربی میں یہ فقرہ ۱۰۵ زبور میں ہے وذبحوا بنیھم وبناتھم
للشیاطین *

پس یہ سب ترجمے اُردو انگریزی عربی فارسی مقام مذکورہ بالا کے غلط ہیں۔
اب دیکھنا چاہیئے کہ שד (شد) کی وجہ تسمیہ کیا ہے یعنی عبرانیوں میں جن اور شیطان
کو שדה کیوں کہا۔ ظاہر ہے کہ پرانے یہودیوں میں جن وشیطان کے خیالات نہیں
تھے وہ ان ناموں سے مطلق واقف نہ تھے جب ایرانیوں یعنی زردشت کے مذہب والوں
سے اور یہودیوں سے میل جول ہوا تب اُنھوں نے اُن سے ایسے خیالات اور محاورات
سیکھ لیئے اگرچہ سلیمان کا زمانہ اس واقعہ سے قبل کا ہے۔ مگر مصریوں میں اور کنعانیوں میں
اور اَور قوموں میں جو بنی اسرائیل کے اِردگرد تھیں شدت سے بت پرستی اور جن پرستی
اور شیطان پرستی ہوتی تھی اور بنی اسرائیل نے کسی نہ کسی مناسبت سے اُن کے نام

خصوصاً تصدیق اور تصریح پائی جاتی ہے۔ چنانچہ سلاطین کی پہلی کتاب نسخہ عبرانی کے پانچویں باب اور ۱۳ اسپوق میں جو ترجمہ ہندی میں ۴ باب کی ۳۳۔ آیت ہے یہ مضمون ہے ؛

"اور اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی سرو کے درخت سے لیکر جو لبنان میں تھا اُس زوفہ تک جو دیواروں پر اُگتا ہے اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا۔"

## جن

(۲) وحشر لسلیمان جنوده من الجن والانس والطیر فھم یوزعون -
(سورہ نمل)

ترجمہ ۔ اور جمع کیئے سلیمان کے پاس اُس کے لشکر جن اور انس اور پرند اور وہ روکے ہوئے تھے ۔ یا ٹکڑے ٹکڑے تھے ؛

تفسیر ۔ جن ۔ کنعان کے گردنواح میں ایک قوم قوی ہیکل دیو قامت تند و شدید اور جبار رہتی تھی جو عمالیق کہلاتی تھی اور بنی اسرائیل اُن کو اپنی شدید عداوت اور اذیت کی وجہ سے اور اُن کی بت پرستی اور دیو اور دیویوں کی عبادت اور بھوت پریت کی پوجا سے اُن کو یہی شدہا یعنی جن کہا کرتے تھے اور وہی جبار بنی عمالیق حضرت سلیمانؑ کے زیر فرمان کچھ مقید اور کچھ ملازم و مصاحب تھے ؛

کتاب واعظ جو حضرت سلیمانؑ کی تصنیف سے ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میرے پاس جن یا شیطان (مسخر) تھے اصل عبارت کتاب واعظ ۲/۸ کی یہ ہے :-

כנסתי לי גם-כסף וזהב וסגלת מלכים והמדינות עשיתי לי שרים ושרות ותענגות בני האדם שדה ושדות

ترجمہ ۔ میں نے سونا روپا اور بادشاہوں اور ملکوں کا خاص خزانہ اپنے لیئے جمع کیا میں نے گانے والے اور گانے والیاں رکھیں اور بنی آدم کے سامان عیش ۔ شیطان اور جنات اپنے لیئے فراہم کیئے ؛

مگر بیبل کے سب ترجمے اس مقام پر جسکو ہمنے شیطان و جنات ترجمہ کیا ہے مختلف ہیں مگر یہود کی مدراش ہمارے موافق ہے ؛

جیسے زہرہ وغیرہ = پس حضرت سلیمانؑ کے جن اور شیطان شدہ اور شدوت - وغلاب حضرت انسان ہی ہیں سے تھے اور قرآن کا مضمون حضرت سلیمان کی کتاب سے بالکل موافق ہے - مخالفوں نے اور نادان دوستوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرآن کا یہ مضمون کہ سلیمان کے پاس جنات تھے محض ایک افسانہ ہے جسے یہود کے بے اصل قصہ کہانیوں سے اخذ کیا گیا ہے مگر اب اُن کی کیسی غلطی ثابت ہوئی کہ سلیمان کی سچی کتاب میں (واعظ ۲/۸) وُہی مضمون جس سے مضمون قرآن کی تصدیق ہوتی ہے ثابت ہوتا ہے ٭

## نمل

(۳) حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یایھا النمل[1] ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم[2] سلیمان وجنودہ وھم لا یشعرون - (نمل)

ترجمہ - یہاں تک کہ جب قوم نمل کی میدان میں پہونچی تو اس قوم کی رئیس عورت نے اپنے اہل قوم سے کہا کہ اے قوم نمل اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تمکو نادانستہ آزار پہونچاویں ٭

تفسیر - چیونٹی کو بھی نمل کہتے ہیں اور اس نام کا ایک قبیلہ بھی تھا جب اس قوم یا قبیلے کے ملک میں سلیمان کا لشکر پہونچا تو چونکہ دستور ہے کہ لشکری آدمی اکثر اوروں پر زیادتی اور جبر کرتے ہیں اس لیئے رئیس قوم نے اپنے اہل قوم کو سمجھا دیا کہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو ٭

اب دیکھیئے کہ سب قوموں میں دستور ہے کہ وہ اپنے نام جانوروں کے نام پر رکھتی ہیں جیسے

---

[1] اس میں نمل سے ایسا خطاب کیا گیا ہے جیسا کہ عقلاء یعنی آدمیوں سے کیا جاتا ہے نہ کہ جیسا غیر عقلاء یعنی حیوانات سے ہوتا ہے - جانوروں کی خلقت میں عقل اور نطق رکھا ہی نہیں گیا و لا تبدیل لخلق اللہ -

[2] حطم کے معنی روندنے کے نہیں ہیں بلکہ توڑنے کے ہیں چیونٹیوں کے مضمون پر جمانے کے لیئے اسکا ترجمہ روندنا کر دیا جاتا ہے -

رکھ دیئے تھے مثلاً שׂעִרִם (سعیرم) بھی عبرانی کتابوں میں (لیویان ۱۷ - ۷ و ۲ اخبارالانام ۱۱-۱۵) شیاطین کے معنوں میں آیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ لفظ بالوں والے (بصیغہ جمع) ہے - شعیر کے معنی بال ہیں جسے عربی میں شعر کہتے ہیں اور تم جمع کا ہے مصریوں میں ایسی بکری کی جس کے بڑے بڑے بال ہوتے تھے پرستش ہوتی تھی اور جس دیوتا کے نام وہ چھبرا بکرا مخصوص ہوتا (جیسے ہمارے یہاں میراں اور شیخ سدو) تو ایسے بکرے کو اسرائیلیوں نے اصل شیطان کے نام سے موسوم کیا - حالانکہ وہ بکرا شیطان نہ تھا ایسے ہی شدیم بھی اصل میں قوی ہیکل اور مرد ضابط و شدید جو اپنی حیات میں یا مرنے پر پجتے ہوں گے شیاطین کے نام سے موسوم ہو گئے حالانکہ در اصل وہ انسان تھے - یہی لفظ سعیرم اور سعیر توریت میں اور جگہ (توریت کی تیسری کتاب ۲۳ و ۲۴ و ۹ و ۲۶ و ۸ و ۱۶) اپنے اصلی معنوں میں یعنی بکرا اور حلوان آیا ہے ؎

پُرانی زبانوں میں ایسا محاورہ تھا اور اب بھی اس کے آثار ملتے ہیں کہ تمدن کی حیثیت نے بنی آدم کی دو تفریقیں کر دی تھیں ایک تو شہری دوسرے دشتی اور جبلی اس وجہ سے اس قسم کے الفاظ ایش سدہ اور ایش تم عبرانی میں (پیدایش ۲۵/۲۷) اور جیسے بدوی اور حضری ایسے ہی جن اور انس تھے کیونکہ جن کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں اور انس جو چیز نظر آوے جو لوگ حضرت سلیمان کے یہاں پتھر تراشنے کا کام کرتے تھے اُن کو جبلیم (اسلاطین ۵/۱۸) یعنی پہاڑی کہا ہے اور قرآن میں اُن کو جن اور شیاطین (انبیا) کہا ہے - ان کا تفصیلی بیان دوسرے موقع پر ہو گا ؎

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ שׁד کے معنی ہی تباہ کرنا فنا کرنا اور غارت کرنا داخل ہے اس لیئے ڈاکوؤں شریروں کو بھی שׁד شد کہتے ہیں اور کتاب امثال سلیمان علیہ السلام ۲۱ - ۷ اور صحیفہ اشعیا ۱۶ - ۴ میں یہ لفظ انھیں معنوں میں ہے اور عربی میں بھی شدۃ سختی اور زور کو کہتے ہیں پس شد שׁד یا جو اسکی جمع ہے شدیم - ہندی میں اس کے معنی مہابلی اور مہا دیو کے ہونے چاہئیں ؎ اور چونکہ جسقدر چیزیں خدا کے ماسوا پوجی جاتی تھیں اور اب بھی پوجی جاتی ہیں وہ سب انسان اور انسان کی روحیں ہیں کہ وہ لوگ اپنے زمانہ حیات میں کسی نہ کسی وجہ سے بنی آدم پر غالب ہوئے اور بعد مرنے کے الہ بنائے گئے حتیٰ کہ سیاروں کی پرستش کی اصل بھی ہے کہ اُن کو بھی در اصل انسان مانا جاتا ہے بعد مرنے کے وہ آسمان کو اُڑ گئے

## طیر

(۴) وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھد ھد ام کان من الغائبین لأعذبنہ عذاباً شدیداً اولا اذبحنہ اولیاتینی بسلطان مبین (نمل)

ترجمہ۔ اور سلیمان نے لشکر کا جائزہ لیا تو کہا کہ کیا وجہ کہ ہدہد (جو ایک شاید میرفوج یا مصاحب تھا) نظر نہیں آتا کیا وہ غیر حاضر ہوگیا اس کی میں سزا کروں گا یا قتل کرونگا اگر وہ کوئی معقول عذر نہ پیش کریگا[۱]

تفسیر۔ لوگوں نے اُردو میں اس کا ترجمہ عجیب کیا ہے کہ اور خبر لے اُڑتے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰

(ص ۳۷) میں جس کا ترجمہ نظم الممالک (ص ۶۲) میں ہوا ہے لکھا ہے کہ۔

"مقریزی نے ماموں رشید کی ایک حکایت لکھی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ثروت اور دولت اُن کے عدل کے زمانہ میں کیسی ترقی پر تھی چنانچہ اُسنے لکھا ہے کہ جب ماموں رشید نے مصر کے علاقہ کا دورہ شروع کیا تو وہ ہر گانوں میں ایک رات دن ٹھہرتا تھا جب وہ طارانمل ایک گانوں میں پہونچا تو وہاں حسب معمول اُس نے قیام نہ کیا اور آگے کو چلا تو ایک بوڑھیا اُسی گانوں کی ماموں رشید کی خدمت میں آئی اور اُس نے عرض کیا کہ آپ میرے گانوں میں بھی قیام فرماویں جب ماموں رشید نے اُس کی التجا کو قبول فرمایا اور وہاں قیام کیا تو اُس بوڑھیا نے اپنی حیثیت کے موافق ماموں رشید کی اور اُسکے لشکر کی دعوت کا سامان کیا اور جب ماموں رشید نے وہاں سے روانہ ہونیکا قصد کیا تو اُس بوڑھیا نے دس تھیلیاں اشرفیوں کی ایک ہی برس کے سکے کی ماموں رشید کی نذر گذرانیں ماموں رشید اول تو اپنی اور اپنے لشکر کی دعوت سے ہی متعجب ہوا تھا جب اُس نے اسقدر اشرفیاں دیکھیں تو اَور بھی زیادہ متعجب ہوا اور بوڑھیا سے کہا کہ ہم تیری نذر نہیں لیتے تو ایک غریب بوڑھیا ہے اُس بوڑھیا نے کہا کہ یہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے بلکہ یہ سونا تو ہمارے گانوں کی مٹی میں سے پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے میرے پاس تو بہت کچھ اَور موجود ہے یہ تو کچھ بھی نہیں ہے جب ماموں رشید نے یہ سنا تو اُسکو خوشی سے قبول کیا اور اُس بڑھیا کی اُس گانوں میں عزت اور وقعت زیادہ کردی"۔

[۱] یہ باتیں اُسی کی نسبت کہی جاتی ہیں جو کہ مکلف اور ذی عقل نہ ہو کہ چڑیوں کی نسبت۔

عرب میں اسد اور کلب کے دو مشہور قبیلے تھے اور ہندوستان میں ناگ بنسی - تو کیا درحقیقت وہ شیر اور کتے اور سانپ تھے - ایسے ہی نمل بھی جو چیونٹی کو بھی کہتے ہیں اور ایک قبیلہ یا قوم کا نام بھی تھا ؛

مسلمان مفسروں میں سے عجایب پسند اور وہمی خیال کے آدمیوں نے اس قوم نمل کو چیونٹی سمجھا اور شاعروں کی وجہ سے اُس کی بڑی شہرت ہوگئی اور نامسلمان مخالفوں نے اعتراض کی راہ سے اسپر طعن و طنز کیئے - ایک قوم تو اپنی سادگی سے اور دوسری قوم شرارت سے بہک گئی ؛

قرآن مجید کے جس قدر عربی - فارسی اور ہندی ترجمے ہوئے سب نے نمل کا یہی ترجمہ کردیا حالانکہ یہ نام ہونے کی وجہ سے ترجمہ کے لائق نہ تھا ؛

یونانی زبان کی پُرانی کتابوں میں بھی قوم نمل کا حال ملتا ہے چنانچہ اسطرابو یونانی جو ۵۰ سال عیسوی سے ۶۰ برس پیشتر پیدا ہوا تھا اُس نے اپنی کتاب جغرافیہ میں (جو اب انگریزی میں ترجمہ ہوکر ۳ جلدوں میں چھپ گئی ہے ۱۸۵۸ء "مرمی گائیڈ" کا ذکر کیا ہے (اس لفظ کے معنی بھی چیونٹی کے ہیں) کہ وہ زمین سے مٹی کھودتی ہے اور اُس میں سے سونے کے ذرّے نکلتے ہیں اور اُن کے اطراف کے رہنے والے باربرداری لیکر آتے ہیں اور چیونٹیوں سے لڑتے ہیں اور وہ مٹی بھر کر لیجاتے ہیں اور اُس میں سے سونا الگ کر لیتے ہیں -

اس امر کی تصدیق ہمکو مقرزی کی تاریخ سے ہوئی (یہ مورخ احمد المقرزی مصر میں ۱۳۶۰ء سے ۱۴۴۲ء تک تھا - اُس نے عربی میں مُسلمانوں کی تاریخ لکھی) کہ جب ہارون الرشید دَورہ کرتے ہوئے وادی نمل میں پہونچے تو وہاں کی ایک بُڑھیا نے ان کی دعوت کی - (عجیب اتفاق ہے کہ سلیمان کے وقت میں بھی شاید اِس قبیلہ پر ایک عورت نملہ حکمراں تھی اور ہارون کے وقت میں بھی ایک بُڑھیا اِس قوم کی رئیس تھی) ہارون نے اِس خیال سے کہ یہ گانوں بہت ہی چھوٹا ہے دعوت قبول کرنے میں تامل کیا آخر قبول کی اور رخصت کے وقت اُس بُڑھیا نے کئی تھیلیاں اشرفیوں کی نذر کیں - بادشاہ نے تعجب سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں ایسا سونا بہت نکلتا ہے[۱] ؛

---

[۱] سید خیرالدین احمد وزیر سلطنت ٹونس نے کتاب اقوم المسالک فی احوال الممالک

**ترجمہ** - حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اے درباروالو تم میں کوئی ہے کہ اس کا تخت اُن کے حکم بردار ہو کر آنے سے پہلے لے آوے قبیلہ جن میں سے عفریت نامی ایک شخص نے کہا

(تیسیر الوصول صفحہ ۱۶۲)

حدثنا روح ومحمد بن جعفر عن شعبة عن محمد بن زياد عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان عفريتا من الجن تفلت على البارحة او كلمة نحوها ليقطع على الصلواة فامكني الله منه واردت ان اربطه الى سارية من سوارى المسجد حتى تصبحوا وتنظروا اليه كلكم فذكرت قول اخي سليمان هب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدي قال روح فرده خاسئا ٭

یعنی جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عفریت جن میں سے میری نماز میں آیا میں نے اُسکو پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد کے ستون سے باندھ رکھوں مگر سلیمان کا قول یاد آیا الخ

یہ روایت ثابت اور صحیح نہیں ہے ٭

اوّل تو یہ کہ یہ ایک خبر واحد ہے جو مفید علم و یقین نہیں ہوتی ٭

دوسرے یہ کہ اس میں راوی نے ٹھیک وہ الفاظ جو جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یاد نہیں رکھے چنانچہ اسکا شک اور تردد او کلمة نحوها سے ثابت ہے ٭

تیسرے یہ کہ یہ روایت معنعن ہے جس میں شعبہ اور محمد اور ابی ہریرہ اور جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے عنعن کر کے روایت ہوئی ہے جو اتصال پر یقیناً حمل نہیں ہو سکتی احتمال ہے کہ ان سب راویوں کے درمیان ایک ایک دو دو واسطہ چھوٹ گیا ہو ٭

چوتھے یہ کہ حضرت ابوہریرہ سے اکثر غلط روایتیں مشہور ہو گئی ہیں اور خود اُن کے زمانہ میں بھی اُن کی روایت پر لوگ طمانیت نہیں کرتے تھے اور اُن کی روایتوں کو حضرت عائشہ پر عرض کر کے تصحیح یا تغلیط کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے (باب استحباب بدوا النعال باليمنى الخ) حدثنا ابوبكر بن ابي شيبه (وابوكريب واللفظ لابي كريب قالا) حدثنا ابن ادريس عن الاعمش عن ابي رزين قال خرج الينا ابوهريرة رضي الله عنه فضرب بيده على جبهة فقال الا انكم تحدثون اني اكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ یعنی ابو رزین کہتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ہم لوگوں کے پاس آئے اور اپنا ماتھا کوٹ کے فرمانے لگے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہوں الخ

(مسلم جلد دوم صفحہ ۱۹۷)

جانوروں کی النخ حالانکہ طیرہ کے معنی لشکر کے بھی ہیں - حماسہ میں جو علم عربیت کی معتبر اور مشہور کتاب ہے - موسیٰ بن جابر کا یہ ایک شعر ہے +

فما نفرت جني ولا فل مبردي
ولا اصبحت طيري من الخوف وقعاً

اس کی شرح میں شیخ ابوزکریا یحییٰ بن علی الخطیب التبریزی نے لکھا ہے ویجوز ان یرید بالطیر سوایاہ وطوایف خیلہ التی کانت تذھب فی الغارات والارتیاء وتجسیس الاخبار وغیرھا (ص ۱۸۲ شرح حماسہ مطبوعہ بونا ۱۸۲۸ء)

## ہدہد

ہدہد ایک آدمی کا نام ہے اور ایک چڑیا بھی عربی زبان میں ہدہد کہلاتی ہے اور لفظ ہداہد جو کہ ہدہد کی جمع ہے ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں تھا (صراح) اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں اور آدمی اسی نام کے یا اسی کے قریب اللہجہ نام کے تھے چنانچہ ہدد הדד جس کا ذکر کتاب اول سلاطین ۱۱/۱۴ میں ہے ہددعزر הדדעזר ایضاً ۱۱/۲۳ اور شاید بعض تفسیروں میں ہے کہ ہدہد بلقیس کے چچا کا نام تھا اور ڈاکٹر پوکاک کی تاریخ عرب میں جو سولھویں صدی میں تصنیف ہوئی بلقیس کے باپ کا نام ہداد بن شرحبیل لکھا ہے - مفسرین نے لفظ طیر کی مناسبت سے ایک انسان سردار لشکر یا مصاحب حضرت سلیمان مسمی بہ ہدہد کو چڑیا بنا دیا +

## عفریت - عرش

(۵) قال یا ایها الملاء ایکم یاتینی بعرشها قبل ان یاتونی مسلمین - قال عفریت [۱] - [۲] من الجن انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین + (نمل)

---

[۱] قولہ تعالیٰ - عفریت التاء زائدۃ لانہ من العفر یقال عفریت و عفریتہ - اعراب القرآن +

[۲] بخاری نے (کتاب الصلوۃ وتفسیر میں) روایت کی ہے - حدثنا اسحاق بن ابراھیم

غالباً بلقیس کی اطلاع سے ہوئی چنانچہ دوسری آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب ملکہ سبا کو وہ تخت دکھلا کے پوچھا گیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے اس نے کہا" کانہ واوتینا العلم من قبلہا"، کہ گویا یہ وُہی ہے اور ہمکو معلوم ہو چکا آگے سے۔ قصہ گو مفسروں نے محض ان سیدھی سادی باتوں کو افسانہ کا رنگ دینے کو بہت کچھ مبالغے کیئے ہیں کہ بلقیس کا تخت حد سے زیادہ مثلاً ۸۰ گز لمبا تھا اور وہ اسکو سات کوٹھڑیوں میں سبا میں بند کر آئی تھی اور اسپر پہرے کھڑے تھے۔ اور آصف وزیر سلیمان نے درحقیقت ایک طرفۃ العین میں اسطورے سے منگا دیا کہ اسم اعظم[له] پڑھا اور وہ تخت زمین کے نیچے ہی نیچے چلا آیا اور سلیمان علیہ السلام کے قریب آکر زمین سے پیدا ہوگیا۔ قرآن کے مضمون میں کوئی ایسا مضمون خلاف مجرائی طبعی اور افسانہ کے طور پر نہیں ہے۔ مگر قصہ خوانوں نے اپنی طرف سے لغو اور بیہودہ حکایتیں بڑھا اور ملا کے اصلی باتوں کو ایک مسخریہ بنا دیا ہے ؛

# کشف ساق

(۷) قیل لها ادخلی الصرح فلما رأته حسبته لجة وکشفت عن ساقیها قال انه صرح ممرد من قواریر (نمل)

ترجمہ کسی نے کہا اُس عورت کو اندر چل محل میں تو جب دیکھا اُس نے وہ سمجھی کہ پانی ہے اور گھبرائی (کہ کیونکر جاؤں) کسی نے کہا یہ تو ایک محل ہے اس میں شیشے جڑے ہیں ؛

**تفسیر**۔ کشف ساق سے کنایتاً گھبراہٹ مراد ہے کیونکہ جب کوئی ہنگامہ برپا ہو یا معرکہ جنگ میں شکست ہو بلڑ مچے اور ہل چل اور بھاجڑ پڑے تو عرب کے لباس کے مقتضا سے پنڈلیاں کھل جائینگی ؛

پس یہاں یہ ترجمہ بہت ہی مناسب اور چسپاں ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی کشف ساق کا ذکر ہے یوم یکشف عن ساق (ن) اور یہاں قیامت کے ہول اور گھبراہٹ اور ہڑاہڑ اور افراتفری مچ جانے سے ہی صاف اور صحیح معنی ہو سکتے ہیں کہ جس دن ہلڑ مچے۔ نہ یہ کہ حقیقت میں کسی کی پنڈلی کھل جائے اور عرب کا ایسا محاورہ بھی ہے کہ جب لڑائی میں شدت ہو

---

[له] فوق اسمار الٰہی میں سب اسم اعظم اسکو ہر نام میں عظمت ہے نہ ایک نام میں خاص ؛

کہ آپ کے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے مَیں اُسکو لا دیتا ہوں اور مَیں اُس پر قوی اور امین ہوں ؛

تفسیر۔ عفریت ایک آدمی کا نام تھا اور کسی شہر یا قلعہ کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ قاموس میں عفر کے مادہ میں لکھا ہے اسم ارض وقلعۃ بفلسطین واسم امراۃ والرجل الکامل ضابط القوی ۔ پس یہ عفریت جو حضرت سلیمان کے دربار میں تھا قبیلہ بنی عمالیق سے جو جن کہلاتے ہیں ہوگا اور یہ نام یا تو شہر عفرون کی نسبت سے اُس کا ہوگا یا اُس کا ذاتی نام اور یا اُس کی قوت اور شدت کی وجہ سے وہ عفریت کہلاتا ہوگا جس کا اشارہ لفظ قوی میں بھی ہے اور یہ تو عجایب پرستوں کی ایک خام خیالی ہے کہ وہ راکھس یا دیو تھا ؛

عبرانی کتابوں میں عفرہ עפרה آدمی کا نام بھی ہے (۱ اخبار الایام ۴/۱۴) اور شہر کا نام بھی (قاضیوں کی کتاب ۶/۱۱ ۸/۲۷ ۹/۵) ایسے ہی عفرون עפרון بھی آدمی کا نام ہے (پیدایش ۲۳/۸ ۲۵/۹) اور شہر کا نام بھی (۲ اخبار الایام ۱۳/۱۹ یوشع ۱۵/۹ ؛)

(۶) قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک[1] طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر (نمل)

ترجمہ۔ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا کہ میں اسکو ایک طرفۃ العین میں لا دیتا ہوں پھر جب سلیمان نے اسکو اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے خدا کے فضل سے ہے کہ میری آزمایش کو کہ مَیں شکر کرتا ہوں یا ناشکری ؛

تفسیر۔ وہ عفریت تو قوم عمالیق سے تھا اور یہ شخص اہل کتاب میں سے تھا اس نے کہا کہ میں بلقیس کے تخت کو بہت جلد منگوا دیتا ہوں غالباً اس کا تخت ایک معمولی طور کے بیٹھنے کی چوکی ہوگی جسے بلقیس ساتھ لائی ہوگی وہ اس نے بلقیس کے یہاں سے منگوا دی اور یہ بات

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) پانچویں یہ کہ ربیع راوی بھی متکلم فیہ ہے جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری تصنیف ابن حجر عسقلانی کے مقدمہ کی نویں فصل سے ظاہر ہے پس یہ روایت کسی طرح قابل یقین نہیں ہو سکتی ؛

[1] انہ اراد المبالغۃ فی السرعۃ کما یقول لصاحبک افعل ذلک فی لحظۃ وھذا قول مجاھد الخ ۔ تفسیر کبیر رازی

ان الملاحدة طعنت في هذه القصة من وجوه - احدها ان هذه الآيات اشتملت
على ان النملة والهدهد تكلما بكلام لا يصدر ذالك الكلام الا من العقلاء وذالك
يجر به الى السفسطه فانا لو جوزنا ذالك لما امنا في النملة التي تشاهدها في زماننا
ان يكون اعلم بالهندسه من أقليدس وبالنحو من سيبويه وكذ القول في القمله
والصبيان ويجوز ان يكون فيهم الانبياء والتكاليف والمعجزات ومعلوم ان
من جوزه كان الى الجنون اقرب - وثانيها ان سليمان عليه السلام كان بالشام
فكيف طار الهدهد في تلك اللطيفة من الشام الى اليمن ثم رجع اليه ✣
والجواب عن الاول ان ذالك الاحتمال قايم في اول العقل وانما يدفع ذالك بالاجماع
وعن الثاني ان الايمان بافتقار العالم الى القادر المختار يزيد هذه الشكوك —
اور پھر دوسری جگہ لکھا ہے وههنا سوال وهو انه كيف يجوز والمسافه بعيدة عن
ينتقل العرش في هذا الزمان وهذ تقتضى اما القول بالطفره او حصول الجسم
الواحد دفعة واحدة في مكانين - جوابه ان المهندسين قالوا كرة الشمس
مثل كرة الارض مائة واربع وستين مرة ثم ان زمان طلوعها زمان قصير فاذا
قسمنا زمان طلوع تمام القرص على زمان القدر الذي بين الشام واليمن كانت
اللمحه كثيرة فلما ثبت عقلا امكان وجود هذه الحركة السريعة وثبت انه
تعالى قادر على كل الممكنات زال السؤال - (از نسخہ قلمی)
بھلا وہ قصے تو عجیب تھے ہی یہ جواب اُن سے بھی زیادہ عجایب و غرایب ہیں
خیر اُس زمانہ میں شاید یہی جواب کافی ہوگا ✣
ہمنے جو ترجمہ اور مختصر سی تفسیر کردی ہے اس سے سب قسم کے اعتراضات خواہ وہ
علوم حکمیہ کی قسم سے ہوں یا تاریخی واقعات کی قسم سے رفع ہوجاتے ہیں اور سچا مضمون
قرآن کا ثابت ہوتا ہے ✣
اور مضامین حضرت سلیمان کے جو سورہ سبا - انبیا اور ص میں ہیں اُن پر پھر
کبھی نظر کیجاویگی ✣

تو کہتے ہیں کشفت الحرب عن ساق - جو لوگ یہاں پر یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ ملکہ سبا نے اپنی دونوں پنڈلیاں ننگی کر دیں تاکہ اس پانی میں اُتر جاوے وہ صرف اس لغو قصّہ کی رعایت سے ایسا کہتے ہیں یعنی حضرت سلیمان سے جنات نے کہا تھا کہ ملکہ بلقیس ایک جنیہ کے پیٹ سے ہے اور اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور اُس کے پیر گدھے کے کُھر کی مانند ہیں تو اس امر کی تحقیق کے لیئے حضرت سلیمان نے یہ سب سامان کیا تھا مگر حضرت سلیمان کی نبوت اور حکمت پر نظر کرنے سے یہ قصّہ محض واہیات معلوم ہوتا ہے اور یقیناً جھوٹ ہے یہ اُن کا بادشاہی سامان تھا اور اس پانی کو دیکھکر ملکہ سبا گھبراتی تھی کہ کیونکر جاؤں اتنے میں کسی نے کہدیا کہ اس پانی پر آئینہ کا فرش ہے +

(۸) اس مضمون میں ہمنے تفسیروں کی عبارتوں سے اور مختلف مفسّروں کے اقوال سے بحث نہیں کی - ہمیں ہندی سادہ و سرسری - صرف قرآن مجید کی عبارت اور اُسپر ضروری امر متعلق تھا لکھدیا ہے کیونکہ اس تحریر سے مقصود ہے کہ قرآن مجید میں جو ایسی باتیں ضمناً تفسیر کے لباس اور قصّہ خوانوں کی وجہ سے داخل سمجھی جاتی ہیں اُن سے مضمون قرآنی کو پاک کیا جاوے اور جو سچی اور سیدھی بات ہو وُہی راست راست بیان کی جاوے - اور جو کچھ اعتراضات منکروں کی طرف سے ان مضمونوں پر وارد ہوتے ہوں اُن کو یہ بات صاف صاف دکھلا دینی چاہیئے کہ اس قدر تو امر حق اور واقعی ہے اور اسقدر لغو اور جھوٹ ہے اور جس قدر جو مضمون قرآن میں ہے وہ تاریخی واقعات اور مجرائے طبعی کے موافق ہے - اگر تفسیروں میں جھوٹے قصّے اور خلاف حقیقت حکایتیں بھری ہوں تو اس سے قرآن اُس کا ذمّہ دار اور جوابدہ نہیں ہو سکتا +

بعضے بعضے ہوشیار اور حکیم مزاج مفسروں کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ یہ قصّے تفسیروں کے پیرایہ میں اعتراض کے قابل ہیں اور اُنھوں نے اپنے زمانہ کے علم و حکمت کے رنگ اور مقدور کے موافق اس کے جواب دینے اور اعتراض اُٹھانے پر کوشش بھی کی مگر پھر بھی اُنھوں نے جواب دینے میں ایک عُمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا وہ یہ کہ اُنھوں نے قرآن کے سچے مضمون اور تفسیروں کی جھوٹی کہانیوں میں تمیز نہیں کی الا کہیں کہیں +

امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں سورہ نمل کی تفسیر میں انھیں آیتوں کے ذیل میں لکھا ہے :-

تمھارے ندیاں اور کام میں دیئے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں دیئے تمہارے رات اور دن ۔

ان آیتوں سے صاف کھل جاتا ہے کہ قرآن میں تسخیر کا مضمون کس محاورہ پر آتا تھا یہ عوام الناس کی تسخیر نہیں ہے جو پریوں کو تسخیر کرتے ہیں اور منتر پڑھتے ہیں ۔ بلکہ جملہ اہل عالم کا ان چیزوں سے قدرتی طور پر متمتع ہونا ان چیزوں کا اُن کے مسخر ہو جانا ہے ورنہ کسی نے ہم میں سے کوئی پڑھنت پڑھکر کشتیوں اور دریاؤں کو اور چاند اور سورج اور رات اور دن کو مسخر نہیں کیا ہے ۔

(۲) مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ ایک اوڑن کھٹولے پر[ل] سوار ہو کر مع سازو سامان وحشم و خدم اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر یعنی ممالک شام و ایران و یمن و فلسطین یا دمشق سے اصطخر اور فارس اور وہاں سے کابل کی سیر کیا کرتے تھے مگر مفسرین کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کہینگے تو ایک انوکھی بات کہینگے جس کا کچھ پتا ٹھکانا نہ ہو وہ اپنے خیال کی بلند پروازیوں سے وہم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں ۔

میرے توسن کو صبا باندھتے ہیں

شعرا اپنی ہوا باندھتے ہیں

وہ کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے ۔ وہ جو شام کی کسی لڑائی میں ایک بار شتر بہود کے قصہ کہانیوں کا ل گیا تھا وہی اُن کا مایۂ بساط ہے حالانکہ حضرت سلیمان کی تاریخی کتابیں جو یہود کے مجموعہ اربع عسیریم کے صیفہ کتوبیم میں مدون ہیں ۔ اگر اُن پر رجوع کرتے تو انھیں ان آیات کی تفسیر میں بادہوائی قصہ کہانی لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی ۔

(۳) کتاب سلاطین اور اخبار الایام کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان نے بنی اسرائیل میں اوّل اوّل جہاز رانی شروع کی اُن کے دو بڑے بڑے بیڑے بحر قلزم اور بحر ہند میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے ہوا کے رُخ پر چلتے تھے اور چونکہ اُس زمانہ میں دخانی جہاز نہ تھے اور بادی جہاز بغیر تسخیر ہوا کام نہیں دیتے ۔ اُن کی رفتار ایسی تھی کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اسقدر مسافت طے کر جاتے تھے جو اُس

---

ل غبارہ کا احتمال ہو سکتا ہے مگر اِسکا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے ۔

## تسخیر ریح - جہازرانی - عین القطر یعنی صناعت سے پگلا ہوا تانبا اور اُس کا مقام - جنّ و شیاطین - صور کے مُلک کے پہاڑی آدمی جو فنون اور دستکاری و جہازرانی میں بڑے صنّاع اور اُستاد کار تھے - باذنِ ربّہٖ یعنی حورام کاریگر کا اپنے بادشاہ کی اجازت سے حضرت سلیمانؑ کا کام کرنا - اُسکی صناعیوں کی تفصیل صحف سابقہ سے قرآن مجید کی تطبیق اور تصدیق اور انکشافات جدید کی توقع

(۱) قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا ہے کہ ہوا کو سلیمان علیہ السّلام کے تابع یعنی مسخّر کردیا تھا - ولسلیمان الریح غدوّھا شھر ورواحھا شھر (سبا - رکوع ۲) ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیہ (انبیا رکوع ۶) وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب (ص رکوع ۳) +

سورہ ابراہیم میں ہے وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار +

ترجمہ - اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اُسکے حکم سے اور کام میں دیں

ایوب ۲۸ بہ ۲ میں بھی ہے۔ ترجمہ یونانی سپٹو اجنٹ میں اوفرہ کی جگہ سفرہ لکھا ہے۔ بعضے تو ہاتھی دانت اور بندر اور طاؤس کے قرینہ سے اسکو ہندوستان کا کوئی شہر جو مغرب کے کنارہ پر ہوگا بتلاتے ہیں اور بعضے اُسکو افریقہ کا مشرقی کنارہ بتلاتے ہیں اور لفظ ٹکوئیم کا ترجمہ طوطوں کی ایک قسم کرتے ہیں نہ کہ طاؤس۔ ادریسی نے اپنے جغرافیہ میں سفرا کو افریقہ میں قائم کیا ہے اور بطلیموس نے ایک سفرا عرب میں اور ایک ہندوستان میں لکھا ہے۔ شاید طرسیس وُہی مُلک ہے جو قرطاجنہ کے پاس افریقہ کے کنارہ پر ہے اور اب ٹُونس[۱] کے نام سے موسوم ہے۔ مگر ان باتوں کی تحقیق خارج از بحث ہے اس لیئے اوفیر اور طرشیس کی بحث میں جو جغرافیہ کے متعلق ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جاتی ❊

## وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ[۲] الْقِطْرِ[۳] (سبا)

(۶) شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ ہے۔" وروان ساختیم برائے او چشمہ مس" اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے۔" اور بہا دیا ہمنے اُسکے واسطے چشمہ پگھلے تانبہ کا"۔ گر تانبا جو ایک معدنی جوہر ہے وہ پگھلا ہوا نہیں ہوتا بلکہ جمادات جواہر کانی یعنی معدنیات سب بارے کے سخت اور صلب ہوتے ہیں۔ قطر کے معنی جمال قرشی نے صراح میں مس کے لکھے ہیں۔ اور فیروزآبادی مجدالدین نے قاموس میں اس کے معنی (النحاس الذائب او ضرب منہ) یعنی پگھلا تانبا یا اُس کی ایک قسم۔ اس میں قدرت کا بیان نہیں ہے کیونکہ فطرت میں تانبا پگھلا ہوا نہیں ہوتا بلکہ صنعت کا بیان ہے جس سے سمجھا جاویگا کہ حضرت سلیمان نے تانبے کے پگھلوانیکا کارخانہ جاری کیا ہوگا جو کہ بیت المقدس اور بیت الملک

[۱] ٹونس مدینۃ کبیرۃ محدثۃ بافریقیۃ علی ساحل البحر عمرت من انقاض قرطاجنۃ وھی علی میلین منھا و کان اسم ٹونس ترسیس۔ ابوالفداء

[۲] مشہور ہے کہ عربی زبان میں عین کے بہت معنی ہیں چنانچہ عاین کے معنی گزیدہ ہر چیز ہے و شخص و نفس ہر چیز بھی ہیں۔ صراح اور قاموس میں ہے دار الشی و السیل پس یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ہمنے اس کے لیئے عمدہ تانبا پگھلا دیا ❊

[۳] اسلنا۔ اذبنا۔ جلالین ❊

زمانہ میں ایک مہینے کے سفر میں طے ہوسکتی تھی - اور الی الارض التی بارکنا سے بھی اُن کی واپسی پر اشارہ ہے پس سلیمان علیہ السلام کے ان جہازوں کا چلنا اور ہوا کا مسخر ہونا ایک ہی بات ہے - قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جس میں مفصل کیفیت لکھی جاتی بلکہ اس میں تو برسبیل تذکرہ فضائل سلیمان علیہ السلام اور انعامات الٰہی کے بیان میں اس بات پر اشارہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں مفصل لکھی ہوئی ہے ٭

(۴) سفر الملوک اوّل (ب ۹) میں لکھا ہے (۲۶) پھر سلیمان بادشاہ نے عصیون جبر میں جو ایلوث کے نزدیک ہے دریائے قلزم کے کنارہ پر جو ادوم کی سرزمین میں ہے جہازوں کے بجر بنائے اور حیرام نے اُس بجر میں اپنے چاکر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے سلیمان کے چاکروں کے ساتھ کرکے بھجوائے اور وے اوفیر کو گئے اور کتاب سفر الایام ثانی (ب ۲) میں حیرام کا قول بخطاب سلیمان منقول ہے (۱۶) ہم جتنی لکڑیاں تجھکو درکار ہیں لبنان میں کاٹینگے اور اُنھیں بیڑا بندھوا کے سمندر پر سے تیرے پاس یافا میں پہونچاویں گے - پھر اسی کتاب کے باب آٹھ میں ہے - اُسوقت سلیمان سمندر کے کنارے ادوم کے ملک میں عصیون جبر اور ایلوث کو گیا اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں کو اور ملاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے اُس پاس بھیجا اور وے سلیمان کے چاکروں کے ساتھ اوفیر کو گئے اور وہاں سے ساڑھے چار سو قنطار سونا لیا اور سلیمان بادشاہ کے پاس لائے ٭

پھر اسی کتاب کے نویں باب میں لکھا ہے - کہ بادشاہ کے جہاز حورام کے نوکروں کے ساتھ طرسیس کو جاتے اور وہاں سے اُن پر تین برس میں ایک بار سونا اور روپا اور ہاتھی دانت اور بندر اور مور اُسکے لیئے بھیجتے تھے - اس سے ثابت ہے کہ مقام عصیون جبر میں حضرت سلیمانؑ نے جہاز بنوایا تھا اور وہ جہاز اوفیر کو جاتا تھا اور دوسرا جہاز طرطیس کو جاتا تھا ٭

(۵) محققین نے اس امر میں اختلاف[1] کیا ہے کہ اوفیر کس مقام پر تھا اس شہر کا نام صحیفہ

---

[1] دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۶۰۷ - اور ہمبلط کی کتاب الکائنات (ج ۲ ص ۲۶۹ و ۵۰۰) اور خطبات الاحمدیہ تصنیف مولوی سید احمد خاں بہادر نجم الہند خطبہ جغرافیہ عرب -

بتلاتے ہیں اور یہ خلاف حقیقت ہے

(کاریگران)

(۹) ومن الشیاطین من یغوصون له یعملون عملاً دون ذالك وکنا لهم حفظین (انبیا) والشیاطین کل بناء وغواص۔ واٰخرین مقرنین فی الاصفاد (ص ۲ ع) ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر۔ یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات اعملوا اٰل داؤد شکراً وقلیل من عبادی الشکور (سبا ۴۸)

ان میں کوئی اصطلاحی جن وپری اور خیالی شیاطین و دیو مراد نہیں اور نہ وہ ہوائی جنات ہیں جن کو تشکل باشکال مختلفہ کا اختیار ہے اور نہ وہ شیاطین ہیں جن کو شیطان پرستوں نے معبود باطل اور شفیع مان رکھا ہے بلکہ یہاں جن اور شیطان اُن کاریگروں اور اُستادکاروں کو کہا ہے جن کو حیرام ۲ نے حضرت سلیمان کی درخواست پر بیت المقدس کی تیاری اور بنانے کے لیئے بھیجدیا تھا اور نیز ان ملاحوں اور جہازی کام دینے والوں کو کہا ہے جن کو اسی حیرام ۲ بادشاہ صور نے حضرت سلیمان کے جہازوں پر کام کرنیکو بھیجدیا تھا۔ اور نیز ان غیر قوم کے آدمیوں کو کہا ہے جو بنی اسرائیل کی قوم سے نہ تھے اور غیئیم کہلاتے تھے۔ جن کو تعمیر کے کام پر لگایا تھا۔ انھیں تینوں قسموں کے آدمیوں نے

وغیرہ عمارات شاہی کے صرف میں آتا ہوگا *

(۷) پس جو کچھ اس میں علم حقایق اشیاء کی جہت سے اعتراض ہوتا ہے وہ تو رفع ہوگیا۔ اب اس پگھلے تانبے کے چشمہ کا تاریخی ثبوت باقی رہا اور وہ یہ ہے :-

سفر الملوک الاول جو ملاخیم کی پہلی کتاب ہے اور اردو ترجموں میں سلاطین کی پہلی کتاب کہلاتی ہے اس کے ساتویں باب کی ۱۳ اور ۱۴ آیت میں ہے :-

پھر سلیمان بادشاہ نے صور سے حیرام کو بلا بھیجا اور وہ نفتالی فرقہ کی بیوہ عورت کا بیٹا تھا اور اس کا باپ صور کا آدمی ٹھٹھیرا تھا اور وہ دانش اور عقلمندی اور حکمت سے کہ پیتل کے سب طرح کے کام کرے معمور تھا۔ سو وہ سلیمان بادشاہ پاس آیا اور اس کا سب کام کیا۔ اور اسی باب میں تانبے سے جو چیزیں بنائی گئیں ان کی تفصیل بھی لکھی ہے اور پھر کتاب سفر الایام الثانی جو اخبار الایام کہلاتی ہے اسکی دوسری کتاب کے دوسرے باب کی ۱۳ و ۱۴ آیت میں ہے۔ اور اب میں حورام ابی ایک ہوشیار شخص کو جو کہ امتیاز کرنا جانتا ہے بھیجتا ہوں اور وہ دان کی بیٹیوں میں سے ایک عورت کا بیٹا ہے پر اسکا باپ صور کا ایک شخص ہے وہ سونے روپے اور پیتل اور لوہے اور پتھر اور لکڑی اور ارغوانی اور آسمانی اور کتانی اور قرمزی اور ہر طرح کے نقشہ کا کام جانتا ہے اور ہر ایک منصوبے کو جو اس سے پوچھا جاوے اس کے ایجاد کرنے میں ماہر ہے *

اصل عبرانی میں نحاس کی جگہ נחשת (نحشت) ہے اور وہ ایک ہی لفظ ہیں جسکے معنی تانبے کے ہیں *

اور کتاب دبری ہیم ۲ (۴/۱۶) میں נחשת מרוק نخشة مروق یعنی نحاس مروق اور وہ یہی قطر۔ مس گداختہ اور پگھلے تانبے کے بنے ہوئے برتن تھے ترجمہ عربی میں (نحاس نقی) اور کتاب ۱ ملاخیم میں ۷/۴۵ נחשת ממרט نخشة ممراط جس کا عربی ترجمہ نحاس رومی ہے یعنی صاف بنایا ہوا تانبا *

(۸) یہود کی انھیں کتب مقدسہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمہ تانبے کا یعنی وہ مقام جہاں تانبا پگھلایا گیا تھا اردن کے میدان میں کھنکھناتی مٹی میں سوکوث (ساخوث) اور صرطان (صارونا) کے درمیان میں تھا (دیکھو اخبار الایام ۴/۱۷ وسلاطین اول ۷/۴۶)*
مفسرین اسکو قدرتی چشمہ بتلاتے ہیں اور یہ خلاف فطرت ہے اور اسکی جگہ ملک میں میں

جاننے والے (کتاب اوّل سلاطین ۹/۵-۲ ) اور גבלים جبلیم - پہاڑی (کتاب اول سلاطین ۳۲/۵ ترجمہ انگریزی ۱۸/۵ ) اور זרים غیریم - اجنبی اور اغیار (جن کو عربی ترجمہ میں رجال الغربا لکھا ہے ۲ اخبار الایام ۱۷/۲ ) اور وہ لوگ صور اور صیدا اور جبل لبنان کے رہنے والے اور غیر قوم کے تھے اُن کو قرآن مجید کے عربی الفاظ میں جنّ اور شیاطین کیوں کہا ۔

(۱۴) اسکا جواب یہ ہے کہ تعجب یا اعتراض معترض کے سبق ظن سے پیدا ہوتا ہے - کیونکہ عام طور پر سب کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ جن ایک خاص قسم کی ایسی مخلوق ہوا میں رہتی ہے اور شیطان بھی ایک وجود خاص ہے جو آدمیوں کو بھکاتا پھرتا ہے - اس لیئے جب یہ الفاظ سُننے میں آتے ہیں فوراً وہی خیالات پیش نظر ہو جاتے ہیں - اگر ان توہمات سے انسان خالی الذہن ہو تو نہ کچھ تعجب ہوگا اور نہ اعتراض کا موقع ملیگا البتہ زبان نہ جاننے سے جو دقت پیش آویگی وہ کتب لغات سے رجوع کرنے اور علم مطابقت السنہ کے پڑھنے سے دُور ہو جاویگی ۔

(۱۵) عرب کے محاورہ میں اُس شخص کو جو اُستاد فن یا بڑا کاریگر اور تیز و چالاک و عارف اور حاذق ہو جن اور شیطان کہتے ہیں اس محاورہ کی تصدیق شیخ ابو زکریا یحییٰ بن علی الخطیب التبریزی کی شرح حماسہ سے ہوتی ہے جس کے صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ ۱۸۲۹ء میں لکھا ہے قال ابو العلاء[1] کانت العرب تذکر الجن کثیرا و تشبهه الرجل النافذ فی الامور بالجنی والشیطان فلذالك قالوا انقرت جنه او اضعف و ذل الخ پس جس شخص کو یہود کی کتب مقدسہ میں رجلا حکیما عارف الفہم (سفر الایام الثانی ۱۳/۲ ) اور رجلا حاذقا الصناعۃ النحاس ملهما حکمة و عقلا (سفر الملوک الثالث ۱۴/۷ ) لکھا ہے اسی کو اور ایسوں ہی کو قرآن میں عرب کے محاورہ پر جنّ اور شیطان کہا ہے ۔

(۱۶) علاوہ ازیں مُلک صور یا شہر صور اور جبل لبنان کے رہنے والے جن اس وجہ سے کہلائے ہیں کہ عربی میں جنان پہاڑ کو بھی کہتے ہیں (قاموس) پس جو لوگ لبنان پہاڑ کے رہنے والے عبری میں גבלים جبلیم کہلائے اُن کو عربی میں - جنّ - ترجمہ کرنا بہت ہی

[1] ابو العلاء احمد بن عبداللہ بن سلیمان المعری - چ غ

بیت المقدس اور شاہی تعمیرات اور جہازرانی کے کام کیئے اور یہی لوگ جن اور شیطان اور بنّار اور غوّاص ❖

(۱۰) جب سلیمان نے بیت المقدس (مسجد اقصےٰ) بنانے کی تیاری کی تو حیرام بادشاہ صور کو کہلا بھیجا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت داؤد کی جو مراد بیت المقدس بنانے کی تھی وہ تو لڑائیوں کے شغل سے پوری نہیں ہونے پائی مگر اَب میں چاہتا ہوں کہ اسکو پورا کروں الّا میری قوم میں صیدانیوں کی طرح لکڑی کاٹنے کے کام جاننے والے نہیں ہیں (۱ سلاطین ب ۵ - ۲ اخبار باب ۲/۸) چنانچہ حیرام ۲ نے ایک مرد عارف بھیجدیا جو معدنیات کے کام اور نقاشی وغیرہ میں اُستاد تھا۔ (سفر الایام - ب ۲/۱۴) ❖ اور اپنے لڑکوں کو اجازت دی کہ جبل لبنان سے دریا تک ارز اور سرو کی لکڑیاں پہنچادیں اور سلیمان کے بنا (عمارت بنانیوالے) اور حیرام کے بنا اور جبلیوں یعنی پہاڑی آدمیوں نے لکڑی اور پتھر تراشے (کتاب اوّل سلاطین ۵/۱۸ و ۸) ❖

(۱۱) پھر جب سلیمان علیہ السّلام نے عصیون جیر کے مقام پر جہاز بنوایا تو حیرام ۲ بادشاہ صور نے بہت سے ملاح جو فن جہازرانی کو خوب جانتے تھے بھیجدیئے (اسلاطین ۹/۲ ۲ اخبار ۸/۱۸) - اور حورام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں اور ملاحوں کو جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے اُس پاس بھیجا - انہیں کو قرآن مجید میں غوّاص کہا ہے - وہ جواہرات اور سونا وغیرہ بھی لاتے تھے (اسلاطین ۹/۲۸ ۲ اخبار الایام ۹/۱۰) ❖

(۱۲) پھر اقوام غیر میں سے جو لوگ بقیۃ السیف کنعان میں بچ رہے تھے حضرت سلیمان نے اُن کا شمار کر کے (جو ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ پائے گئے) ان کو مصالح ڈھونے اور پہاڑ کھودنے کے کام پر لگایا (۲ اخبار الایام ۲/۱۷ و ۱۸) یہی جن و شیطان کہلائے جو کہ اموریوں - حیشانیوں - فرزانیوں - حوائیوں اور یابوسیوں کی قوم سے تھے ❖

(۱۳) پس یہ تو سب انسان اور بنی آدم ہی تھے جن کو جن اور شیطان کہا ہے نہ کہ وہ جن اور شیطان جن کو عوام نے اپنے ذہن سے عجیب عجیب خواص اور کیفیتوں کی ارواح بنالیا ہے - اَب یہ بات کہ بن آدمیوں کو عبرانی زبان کی کتب ملاخیم اور دبری حیمیم میں בנים (بنی - تعمیر کرنیوالے کتاب اول سلاطین ۵/۳۲ و ترجمہ عربی ۵/۱۸)

اور אנשי אניות ידעי הים اِنشی اینوث یدع ہیم - ملاح لوگ سمندر

آیۃ۔ ومن الجنّ من یعمل بین یدیہ باذن ربّہ۔

ترجمہ۔ اور اُن پہاڑوں میں ایک یا کئی آدمی سلیمان کے پاس کام کرتے اپنے مالک کی اجازت سے ؛

تفسیر۔ اور سب لوگ پہاڑوں پر شہر صور میں لکڑی اور پتھر کا کام کرتے تھے اور غواص وہاں سے آئے تھے وہ جہازوں پر سمندر میں کام کرتے تھے مگر ایک شخص حورام خاص سلیمان علیہ السلام کے پاس کام کرتا اور حیرام ثانی بادشاہ صور کی اجازت سے آیا تھا۔ یہ مضمون کتاب ملاخیم اور کتاب دبرھیم سے اچھی طرح ثابت ہے اس کے مقامات مناسب کی نقل دوسری دفعہ میں گذری ہے۔ شاید اور بھی ایسے ہی صناع وہاں حاضر ہونگے ؛

(۱۹)۔ یہ جن جبلی یا پہاڑی کاریگر بادشاہ صور کا بھیجا ہوا آیا تھا (اخبار الایام ثانی ۲ ؏ ۱۳) پس باذن ربہ سے مراد باذن ملک حیرام ہے اور مالک آقا کو رب کہنا ایک معروف بات ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی کو ان کا رب کہا اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون (مائدہ)

حضرت یوسف ؑ نے اپنے آقا کو رب کہا ان ربی احسن مثوای (یوسف ۳ ؏ ۱۳) اور فرعون کو اس کے ملازم کا رب کہا اما احدکما فیسقی ربہ خمرا (ایضاً ۵ ؏ ۱) اور اذکرنی عند ربک کا (") اور یہود اپنے اُستاد اور معلم کو ربی کہتے ہیں جیسے ربی قمچی اور ربی میمو اور ربی شلوموں یوحانی۔ اور قرآن مجید میں بھی ان کو ربیون (آل عمران) کہا ہے۔ اور فرعون نے اپنے آپ کو انا ربکم الاعلیٰ (نازعات) کہا یعنی راس و رئیس اور بڑا سردار ؛

(۲۰) آیۃ۔ ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر۔

ترجمہ۔ اور جو کوئی ان پہاڑیوں میں ہمارے حکم سے پھر جاتا ہم اُس کی سزا کرتے ؛

تفسیر۔ یہ فقرہ کچھ محتاج تفسیر و تاویل نہیں ہے۔ اتنے بڑے جم غفیر اور جمع کثیر کے لیئے کہ ہزاروں ہی تھے ضرور کچھ سیاست کے قاعدے مقرر ہوئے ہونگے

صحیح ہے - اس کے علاوہ جو چیز نظر نہ آوے اُسکو بھی جن کہتے ہیں (دکل مستور قاموس)
اور چونکہ یہ سب آدمی بنی اسرائیل سے غائب لبنان کے پہاڑ پر لکڑی اور پتھر کا کام کرتے
تھے اور وہاں سے بنے بنائے پتھر اور تراشی ہوئی لکڑیاں بھیجتے تھے اور بیت المقدس
کے مقام پر نہ ہتوڑے کی آواز سُنی گئی اور نہ پہاوڑے کی (اسلا لے) اس لیئے بھی اُن کو
جن کہنا درست ہوا +

(۱۷) اور اُن کو شیطان کہنا بھی لغت کی راہ سے بہت درست ہے کیونکہ شیطان کے
معنی مخالف اور دشمن کے ہیں خواہ وہ حقیقی وجود ہو جیسے آدمی یا حیوان - خواہ کوئی ذہنی
بات ہو جیسے مرض یا کوئی روح - چنانچہ صراح اور قاموس میں شیطان کے معنی میں لکھا ہے
کل عات متمرد من الجن والانس والدواب فهو شیطان - اور معلوم ہے کہ بنی اسرائیل
اپنے ماسوا جملہ اقوام کو اپنا مخالف اور دشمن جانتے تھے خواہ وہ مخالفت مذہبی ہو یا
مدنی وملکی - جو لوگ کہ کنعان کے قدیم بت پرست قوم کے بقیۃ السیف رہ گئے تھے اور
جن کو بنی اسرائیل نے ہلاک نہیں کیا تھا لہ وہ یقیناً مذہبی اور ملکی طور سے اُن کے مخالف
تھے اور صور یا جبل لبنان کے رہنے والے بھی مذہبی مخالف تھے صور کا ملک حضرت
داؤد کا فتح کیا ہوا ملک تھا اور گو بادشاہ صور اور سلیمان سے مصالحت تھی مگر قومی
اختلاف صرف دو آدمیوں کے اتفاق سے رفع نہیں ہو سکتا ہے +

سلیمان کے زمانہ تک شیطان کی نوعیت اور اس کا کام ایسا نہیں سمجھا جاتا تھا
جیسا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے عرف میں ہے اس وقت تک اسکو اصلی مخالف
کی جگہ بولتے تھے +

پس اب کلام الٰہی کے معنی بہت صاف ہو گئے جس کو ہر ایک عاقل اور حکیم تسلیم
کر لیگا - اور کتب سابقہ سے اس کے مضمون کی تصدیق اور تطبیق بھی عمدہ طور سے
ہوگی - والحمد للہ علیٰ ذالک +

(۱۸) سورہ سبا کی آیت جو اوپر لکھی گئی وہ کسیقدر تفصیل کی محتاج ہے اُسکی
تفسیر یہ ہے +

---

لہ اوّل سلاطین ۹/۲۰ و ۲۱ +

## (۲۵) آیۃ - وقدور الراسیات

ترجمہ - اور دیگیں جمی ہوئیں -

تفسیر - ان دیگوں کا ذکر کتاب سلاطین اول ۷ و ۴۸ اور کتاب اخبار الایام دوم ۴ و ۱۴ و ۱۶ میں اور یہ بھی کہ وہ عمردوں پر جمی ہوئی تھیں ◆

(۲۶) عیسائیوں نے ہمیشہ ان آیتوں کو ٹھٹھے میں اوڑایا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ لکھا ہے (کتاب اول سلاطین ۶ - ۷) کہ جب بیت المقدس بنتا تھا تو ہتوڑے یا پھاوڑے یا کسی لوہے کے اوزار کی آواز نہیں آئی - یہاں سے لوگوں نے یہ قصہ بنا لیا کہ سلیمان نے جنات اور پریوں اور دیووں کی مدد سے مسجد اقصے بنوائی تھی اور یہیں سے یہ قصہ قرآن میں بھی لیا گیا مگر یہ سب اُن کی بالکل غلط خیالی ہے اُنھوں نے بھی سلیمان کے جن و شیاطین کو عرفی اور اصطلاحی معنوں میں لیا ہے اور بنا رفاسد بر فاسد کے طور پر اعتراض اور تشنیع شروع کی ہے - مگر الان حصحص الحق - اب اصلی حقیقت ظاہر اور ثابت ہوئی اور قرآن مجید کے ان حقایق التحقیقات اور صوادق التصدیقات کی سچی تفسیر اور حقیقی تعبیر قطعی اور یقینی طور سے عیاں ہوئی اور طعن اور تمسخر کرنیوالوں کی خرافات اور عامہ مفسرین کی لغویات سب باطل اور رد ہوگئیں - واللہ یحق الحق بکلماتہ وھو یھدی الی السبیل ◆

(۲۷) یہ مضامین قرآن مجید سے دفع اعتراضات اور کتب سابقہ سے تطبیق اور دیگر تاریخی واقعات اور مسائل حکمیہ سے تصدیق کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور گو ہم جانتے ہیں کہ بہت سے خفاش منش لوگوں کی آنکھ میں تجلی انوار سے چکا چوند ہو جاویگی (یکاد البرق یخطف ابصارھم -) مگر ہمکو اُمید ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ذی بصیرت اور مستعد اہل تحقیق اس طرف توجہ فرماوینگے کیونکہ ابھی بہت کچھ باقی ہے ہاں ابھی قصہ سلیمان ہی میں کئی ایک مشکلات اور بھی حل کرنی ہیں جس کے حل کرنے کی راہ کو جنات اور شیاطین کی اندھیری بادشاہت اور عوام الناس کے تیرہ و تاریک خیالات کو کلام الٰہی کی نورانی شعاعوں کی تاثیر سے منور کردیا گیا ہے - ولیکن من لم یجعل اللہ نورا فمالہ من نور - اب یقین ہے کہ اکثر دھندلی نظر والوں کے دل کی آنکھوں سے توہمات ظلمانیت کی پٹی کھل جانے اور خیالات سوداویہ کے پردہ اُٹھ جانے سے اُن پر حقیقی آفتاب کی روشنی کالشمس

اوراسی طورسے وہ سزا پاتے ہونگے •

## (۲۱) آیۃ - یعملون لہ مایشاء من محاریب -

ترجمہ - سلیمان کے لیئے جو وہ چاہتا بناتے تھے مثلاً قلعی یا بڑے بڑے مکانات یا شہر پناہیں •

تفسیر - حضرت سلیمانؑ نے بہت سے شہر آباد کیئے تھے - مثلاً ملو - حاصور - مجدو - غزنز - بیت حوران - بعلوت - تدمور وغیرہ - اور شہر اورشلیم کی فصیل بنوائی اور ہرایک شہر جس میں فصیل نہ تھی اس کی شہرپناہ بنوائی - یہی مراد قلعوں سے ہے - (کتاب اول سلاطین ۹/۱۵ و ۱۷ - ۱۹) •

## (۲۲) آیۃ - وتماثیل

ترجمہ - تصویریں

تفسیر - شیروں اور بیلوں اور کروبیوں کی پوری پوری تمثیلیں بنائی گئی تھیں جن کی خبر کتاب اول سلاطین باب ورس -- ۲۵ و ۲۹ و ۳۶ اور دوم اخبارالایام ۲/۳ و ۴/۴ و ۱۵ میں مفصل لکھی ہوئی ہے •

(۲۳) یہ آیت ہرایک قسم کی تصویر اور تمثیل یعنی نقشے اور مجسم کی جایز بلکہ مستحب ہونے کی قطعی دلیل ہے - اس کی بحث ہمنے جداگانہ کی ہے (دیکھو پرچہ تہذیب الاخلاق نمبری ۱۲ مطبوعہ یکم رمضان سنہ ۱۲۹۲ ہجری) صفحہ نمبر ۱۴۴ •

## (۲۴) آیۃ - وجفان کالجواب -

ترجمہ - اور لگن جیسے حوض •

تفسیر - ان بارہ بیلوں کے سرپر ایک بہت بڑا لگن حوض نما بنایا تھا جس کا دور ۳۰ ہاتھ اور قطر ۱۰ ہاتھ اور بلندی ۵ ہاتھ کی تھی - (کتاب اول سلاطین ۷/۲۳ ۲ اخبارالایام ۴/۲) -

اور ایسے ہی ایسے اور بھی بنے ہونگے •

خوب کہا ہے کتب التفسیر مشحونة بالاحادیث الموضوعة کہ تفسیر کی کتابیں جھوٹی حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں (فیض القدیر شرح جامع الصغیر عبدالروف مناوی) اور شیخ محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحار انوار کے خاتمہ میں مقاصد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ تین علم کی کتابیں بے اصل ہیں اور وہ کتابیں مغازی اور ملاحم اور تفسیر کی ہیں اور خطیب نے کہا ہے کہ امام احمد سے ان علوم کی وہ خاص کتابیں مراد لی ہیں جو اُن کے بیان کرنیوالوں کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے غیر معتمد ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اُن میں قصہ گووں نے قصے بڑھا دیئے ہیں اور اس قسم کی کتابیں تفسیروں میں سے بہت مشہور تو کلبی اور مقاتل کی تفسیریں ہیں ؛

في المقاصد قال احمد ثلث کتب لیس لها اصل المغازي والملاحم والتفسیر الخطیب هو محمول علی کتب مخصوصة في هذه المعاني الثلثة غیر معتمد علیها لعدم عدالة ناقلیها و زیادة القصاص فیها فاما کتب التفسیر فمن اشرها کتابان للکلبي ومقاتل بن سلیمان (ص ۵۰۹ مطبوعہ سنہ ۱۲۸۳ھ ع)

اور پھر لکھا ہے ۔ کہ معین بن صیفی نے تفسیر جامع البیان میں لکھا ہے کہ امام محي السنه بغوی تو اپنی تفسیر میں ایسی باتیں اور حکایتیں لکھ دیتے ہیں جن کے ضعیف بلکہ وضعی یعنی بنائے ہوئے ہونے پر سب متاخرین نے اتفاق کیا ہے ؛

وفي جامع البیان لمعین بن صیفی قد تذکر محي السنه البغوي في تفسیره من المعاني والحکایات ما اتفقت کلمة المتاخرین علی ضعفه بل علی وضعه (ص ۵۱۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں اکثر جھوٹی روایتیں اور بے اصل حکایتیں اور قصہ گویوں کی بناوٹیں پائی جاتی ہیں سو ہر ایک صاحب حمیت مسلمان کا یہ کام ہے کہ وہ خدا کے سچے اور مقدس کلام کو اُن لغویات سے پاک کرے اور ان جھوٹی باتوں کے رد کرنے میں اور اصلی سچے معنی بیان کرنے میں سعی بلیغ کرے ۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

(۳) یہ بات واقعی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کا بہت شوق تھا اور گھوڑوں کی ایک تعداد کثیر اُن کے ہاں جمع تھی ۔ چنانچہ اسکی تصدیق میں کتاب

فی کبد السماء ظاہر و مجلی ہوجاویگی +

# فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد

اب کھول دی ہمنے تجھ پر سے تیری اندھیری اب تیری نگاہ آج تیز ہے (ق ۲ ع)

## دریائی گھوڑے - نماز عصر - گھوڑوں کا ذبح کرنا

## آفتاب کا پلٹ آنا - انگشتری سلیمان - صخر دیو

## بُت پرستی

(۱) (۳۰) اذ عرض عليه بالعشي الصافنات الجياد -

(۳۲) فقال اني احببت حب الخير عن ذكر ربي حتى توارت بالحجاب -

(۳۲) ردوها علي فطفق مسحا بالسوق والاعناق - (ص)

ترجمہ - جب دکھانے کو آئے اُسکے سامنے تیسرے پہر کو گھوڑے خاصے بولا مَیں نے چاہی محبت گھوڑوں کی اپنے خدا کی وجہ سے یہاں تک کہ چھپ گئی اوٹ میں - سلیمان نے کہا کہ پھیر لاؤ اُن کو میرے پاس پھر اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں چھونی شروع کیں +

عام قصہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس ہزار دریائی گھوڑے جن کے پر لگے ہوئے تھے لائے گئے اُن میں سے نو سو گھوڑوں کا جایزہ ہو چکا تھا کہ حضرت سلیمان کو نماز کا خیال آیا مگر آفتاب غروب ہو چکا تھا نماز فوت ہوگئی تو اُنھوں نے افسوس کیا اور اُن گھوڑوں کو واپس منگا کر تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ ڈالیں اور سو گھوڑے بچ رہے سو اَب جو گھوڑے آدمیوں کے پاس نظر آتے ہیں اُنھیں بقیۃ السیف کی نسل ہیں !!! اور یہ کہ پھیر لانے کا حکم فرشتوں کو دیا تھا وہ آفتاب کو پھیر لائے اور اُنھوں نے نماز پڑھ لی !!!

(۲) یہ قصہ جیسا کہ بیان ہوا بالکل جھوٹ اور قصہ گویوں کی اکاذیب اور مفتریات سے بھرا ہوا ہے اکثر تفسیریں ایسی ہی اکاذیب اور بیہودہ باتوں سے بھری ہوئی ہیں - ابن کمال نے

کہ احببت حب الخیر سے محبت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ کسی شئے کو چاہتا تو ہے

قوله احببت حب الخير مبالغة في الحب
فان الانسان قد يحب شيا لكن لا يحب
ان يحبه فاذا احبه واحب ان يحبه
فذالك هو الكمال في المحبة وقوله عن
ذكر ربي اي بسببه كما يقال سقاه عن
الغيمة اي لاجلها فالمعني ان ذالك الحب
الشديد انما يحصل بسبب ذكره اي بامره
لا بالهوا وطلب الدنيا وذالك لان رباط
الخيل في دينهم كان بامره كما في ديننا
او هو مندوب اليه وقوله طفق معناه
يمسح راسها واعناقها اكرامالها واظهار
الشدة شفقة عليها لكونها من اعظم الاعوان
في دفع اعداء الدين وحمله على القطع كما
ذهب اليه طائفة حيث قالوا المعني انه
عليه السلام جعل يمسح السيف بسوقها
واعناقها اي يقطعها اما غضبا عليها
بسبب ما جرى عليه واجلها واما
لتصدق بها ضعيف جدا ولا دلالة له
للفظ كما في قوله وامسحوا برؤسكم وارجلكم

مگر یہ نہیں ہوتا کہ اس کے چاہنے کو بھی چاہے
تو جبکہ اس نے اس کو چاہا اور اس کے
چاہنے کو بھی چاہا تو یہ کمال محبت ہے اور
یہ جو فرمایا کہ بذکر ربی یعنی خدا کے ذکر سے
تو اس سے مراد ہے کہ خدا کے سبب سے
چنانچہ کہا جاتا ہے سقاہ عن الغیمۃ
جس سے مراد ہوتی ہے کہ اسکی وجہ سے
تو معنی یہ ہوئے کہ یہ محبت شدید بسبب
ذکر یعنی بحکم الٰہی ہے نہ کہ اپنی خواہش اور
طلب دنیا کی وجہ سے کہ ان کے مذہب
میں گھوڑے رکھنا خدا کے حکم سے تھا
جیسا کہ ہمارے مذہب میں ہے یا وہ
مندوب ہوگا اور طفق مسحا کے یہ معنی ہیں
کہ سلیمان ان کے سر اور پنڈلیاں چھوتے
تھے۔ ان کی تکریم کے لیے اور شفقت کی
وجہ سے کیونکہ وہ گھوڑے دین کے
دشمنوں کے دفع کرنے میں بہت مدد دیتے
تھے۔ اور جو لوگ اس سے کاٹنا مراد لیتے
ہیں اور وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تلوار
سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹتے تھے
یا تو غصہ کی وجہ سے اور یا ان کو قربانی کرتے
تھے سو یہ بات بہت ضعیف ہے کیونکہ مسح کے لفظ میں اسپر کچھ دلالت نہیں ہے جیسا کہ
وضو کی آیت میں مسح کا ذکر ہے اور کاٹنا مراد نہیں ہے؛
اور حتی توارت بالحجاب سے یہ معنی لینے کہ سورج ڈوب گیا محض خیالی ہیں۔ اس کا

دویمین کی فصل نویں آیت ۲۵ میں لکھا ہے " وسلیمان چہار ہزار آخور بجہت اسپہا و عرادہا داشت و دوازدہ ہزار سواران کہ ایشاں را در شہرہائے عرادہ دار و اورشلیم نزد ملک گذشت و (آیت ۲۸) و از برائے سلیمان اسپ ہا را از مصر و تمامی ولایت ہا آوردند" - اور کتاب اوّل ملوک فصل دسویں آیت ۲۸ میں لکھا ہے " وسلیمان اسپاں از مصر آوردہ شدہ را داشت و ہمچنیں سلیمان کتانی کہ تاجران ملک آں را بقیمت معین گرفتند ❖

(۴) یہ بات کہ ان گھوڑوں کے ملاحظہ کرنے میں اُن کی نماز فوت ہو گئی تھی بالکل بے اصل ہے - انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی[۱] کے بہت صاف معنی ہیں کہ میں گھوڑوں کو بہت چاہتا ہوں اور یہ چاہنا بوجہ خدا ہے نہ صرف اپنی خواہش سے - چنانچہ امام فخر الدین رازی نے کتاب اربعین فی اصول الدین (مسئلہ ۳۲) میں لکھا ہے

ان سلیمان کان یقول عند عرض الصافنات الجیاد علیہ انی احببت حب الخیر و معناہ ان الانسان قد یحب شیأ ولکن لا یحب ان یحبہ فاما اذا احبہ واحب ان یحبہ فذاک بالمبالغۃ فی المحبۃ ثم قال عن ذکر ربی ای ھذہ المحبۃ الشدیدۃ انما حصلت بسبب ذکر ربی وعن امرہ لا عن الھوی والشہوۃ -

کہ جب سلیمان کو گھوڑے دکھلائے جاتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ میں نے گھوڑوں کی محبت کی محبت کی اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا تو ضرور ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اسکے چاہنے کو بھی چاہے مگر جبکہ اس نے اسکو چاہا اور چاہنے کو بھی چاہا تو اس سے محبت یعنی چاہنے میں مبالغہ مراد ہے پھر فرمایا کہ عن ذکر ربی یعنی یہ محبت شدید بوجہ ذکر خدا اور خدا کے حکم سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ اپنی ہی آرزو اور خواہش سے - اور شرح مواقف سید شریف جرجانی میں جو علم کلام کی بڑی مستند کتاب ہے اس کے موقف چھ مقصد پانچ ورق ۳۷۲ میں لکھا ہے ❖

---

[۱] لفظ عن تعلیل کے واسطے بھی آتا ہے - جس سے سبب کے معنی پیدا ہوتے ہیں - چنانچہ ما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ اور ما نحن بتارکی الھتنا عن قولک ❖

جا چھپا ہے اسے پھیر لاؤ اور اس خلاف حقیقت مضمون کو بعض صحابیوں کی طرف افترا اور بہتان کے طریق پر منسوب کرتے ہیں ؛

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس ردشمس کی نسبت لکھا ہے کہ

انہ لم یثبت ذلک عن احد والثابت عند جمھور اھل العلم بالتفسیر ان ضمیر ردوھا للخیل (تفسیر کمالین ص ۳۸۰)

اس مضمون کی روایت کسی سے ثابت نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک بھی ثابت ہے کہ پھیر لانے سے گھوڑوں کا پھیر لانا مراد ہے ؛

(۶) " ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسداً ثم اناب " (ص ع ۱۴)

اور ہمنے سلیمان کو آزمایا اور اُسی کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا۔ پھر اُس نے اپنے حکم سے رجوع کیا ؛

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اکاذیب اور قصاص کے خرافات بیش از بیش ہیں جن کا بیان نقل کرنا بھی تضیع اوقات ہے جس کو شوق ہو وہ تفسیر معالم التنزیل بغوی میں وھب ابن منبہ اور سعید بن مسیب کی روایتیں دیکھلے اس کا خلاصہ شاہ عبد القادر صاحب نے بھی ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر افادہ فرمایا ہے وہ یہ ہے " حضرت سلیمان استنجے کو جاتے تھے تو انگشتری ایک خادمہ کو سپرد کر جاتے تھے اس میں لکھا تھا اسم اعظم ایک جن تھا صخر نام اُس خادمہ کو بھکا کر انگشتری لیگیا اپنی صورت بنائی سلیمان کی سی تخت پر بیٹھکر لگا حکمرانی کرنے۔ حضرت یہ معلوم کرکے نکل گئے کہ مجھکو مروا نہ ڈالے ایک گانوں میں چھپ کر رہے چھ مہینے بعد صخر تھا شراب کے نشہ میں انگشتری دریا میں گر پڑی ایک مچھلی نگل گئی وہ شکار ہوئی حضرت سلیمان کے ہاتھ پیٹ میں سے انگشتری لیکر پھر آئے اپنے تخت سلطنت پر یہ جانچ ہوئی اسپر کہ اُن کے گھر میں ایک عورت تھی اپنے باپ مرے کو یاد کرکے رویا کرتی تھی اُس کو بنادی جنوں نے تصویر اُس کے باپ کی کر جین پڑی وہ لگی پوجنے اُنھوں نے خبر نہ لی یا خبر پاکر تغافل کیا " ؛

(۷) یہ قصہ بالکل موضوع اور مفتری ہے ۔ مگر مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہے ۔ اصل میں اُس کو یہود کے قصاص اور شیاطین نے بنایا ہے الا مسلمانوں نے اُسکو امنا اور صدقنا کہکر قبول کیا ہے یہ قصہ یہود کی کتاب تالمود میں مذکور ہے ۔ اور علامہ جاراللہ زمخشری نے

اس میں کچھ ذکر نہیں اور ایسی بات بالکل سیاق کلام اور موضوع اور منشاء مقام سے بعید ہے بلکہ انہیں صافنات کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن کا ملاحظہ کیا اور وہ اُن کے آگے سے چلے گئے ۔

قال ردوھا ۔ حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ان کو پھیر لے آؤ تو گھوڑے پھر لائے گئے علامہ احمد بن خلیل نے تفسیر کبیر میں حتی توارت بالحجاب کی تفسیر میں کئی دلیلیں اس کے ابطال پر قائم کی ہیں کہ یہاں آفتاب کا غروب ہونا مراد نہیں ہے اور سب کے آخر میں لکھا ہے ۔ کہ ہماری ان دلیلوں سے ثابت ہوا کہ حتی توارت بالحجاب (یہاں تک کہ اوٹ میں چھپ گئے) کو سورج کے چھپنے پر حمل کرنا اور ردوھا علی (اسے پھیر لاؤ) سے سورج کا پھیر لانا سمجھنا بہت ہی بعید ہے ۔

ثبت بما ذکران حمل قوله حتی توارت بالحجاب علی تواري الشمس و ان حمل قوله ردوها علی ان المراد منه طلب رد الله الشمس بعد غروبها في غاية البعد عن الغيط ۔

" فطفق مسحا بالسوق والاعناق " اور سلیمان نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو چھوا جیسا کہ دستور ہے کہ ہر ایک فن کا بصیرت گھوڑوں کا امتحان کرتے وقت اُس کی گردن پر مہربانی اور شفقت سے ہاتھ پھیرتا ہے اور اُن کی پنڈلیوں کی مضبوطی کو ہاتھ لگا کے دیکھتا ہے ۔ چنانچہ زہری اور ابن کیسان نے ایسا ہی کہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو ہاتھ سے چھوتے تھے تاکہ ان سے گرد جھاڑ دیں اور یہ محبت اور شفقت کی وجہ سے تھا ۔

انه کان يمسح سوقها واعناقها بيده يکشف الغبار منها حباً لها وشفقته عليها ۔

اور یہ بیشک معقول اور صاف معنی ہیں مگر ہمارے مفسرین اس پر راضی نہیں ہوتے وہ اس کو فرماتے ہیں هذا قول ضعيف (معالم التنزیل بغوی) اور یہ انھیں کے ضعف عقلی کی دلیل ہے ۔

(۵) جن لوگوں کو قصہ گوئی اور عجائب پسندی کا زیادہ شوق ہے اُنھوں نے ردوھا (پھیر دو) سے یہ مراد لی ہے کہ حضرت سلیمان نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سورج جو کوہ قاف کی آڑ میں

فصار احبسدا لا حراك به مشرفا على الموت كما يقال لحم على وضم وجسد بلا روح على معنى شدة الضعف والتقدير القينا جسده على كرسيه فحذف الهاء للمبالغة

بے حرکت قریب مرگ ہو گئے جیسے بیمار کی نسبت کہتے ہیں کہ لکڑی پر گوشت پڑا ہے اور جسم بیجان یعنی شدت سے ضعیف ہے اور تقدیر کلام یہ ہوگی کہ اُن کے ڈھر کو اُنکے تخت پر ڈالا اور حرف (ہ) مبالغہ کی وجہ سے حذف ہوگیا +

اور علامہ شمس الدین ابی العباس احمد ابن خلیل نے تکملہ تفسیر کبیر میں اُسی کے قریب لکھا ہے کہ

اقول لا یبعد ان یقال انه ابتلاه الله تعالی بتسلیط خوف او توقع بلاء من بعض الجانب علیه وصار بسبب قوة ذالك الخوف كالجسد الضعیف الملقی علی ذالك الكرسی ثم ازال الله عنه ذالك الخوف واعاده ذالك الی ما كان علیه من القوة وطیب القلب +

یہ کہنا کچھ بعید نہیں ہے کہ خدا نے سلیمان کو کسی خوف یا بلا کے مسلط ہونے سے آزمایا اور سلیمان اس کی وجہ سے ایسے ہو گئے تھے جیسے کوئی جسم ضعیف اِک تخت پر پڑا ہو۔ پھر خدا نے اُن پر سے وہ خوف زائل کر دیا اور جو قوت اور صحت ان میں تھی وہ پھر آگئی +

(۹) مگر در اصل جس قصہ پر اس آیت میں اشارہ ہے وہ کتاب ملاخیم میں مفصل لکھا ہوا ہے چنانچہ کتاب اول ملوک کی فصل سوم میں حضرت سلیمان کے ذکر میں لکھا ہے۔

(۱۶) آنگاہ دو زن زانیہ بنزد ملک آمدہ در حضورش ایستادند۔

(۱۷) و یک زن گفت کہ اے خداوند من واین زن در یک خانہ ساکنیم و دراں خانہ نزد او وضع حمل نمودم ؛

(۱۸) و واقع شد کہ بعد از وضع حمل من روز سوم این زن نیز زائید و باہم دیگر بودہ دیگرے با ما در خانہ نبود بلکہ سوائے ما دو نفر احدے دراں خانہ نبود +

(۱۹) و پسر این زن وقت شب مرد زیرا کہ او بر رویش خوابیدہ بود۔

(۲۰) و وقت نیم شب برخاستہ و پسر مرا از پہلوئے من وقتیکہ کنیزکت خوابیدہ بود از من گرفت و در بغل خود خوابانید +

| | |
|---|---|
| ماروي عن حديث الخاتم والشيطان وعبادة الوثن في بيت سليمان فمن اباطيل اليهود (تفسير كمالين ص ۳۸۰) ماروي من حديث الخاتم والشيطان وعبادة الوثن في بيت سليمان فمن اباطيل اليهود — | لکھا ہے کہ وہ روایت حضرت سلیمان ؑ کی انگوٹھی اور دیو اور اُن کے گھر میں بُت پرستی ہونے کی ہے وہ یہود کی جھوٹی باتیں ہیں ؞ اور تفسیر مدارک التنزیل نسفی میں بھی ہے لکھا ہے کہ انگشتری اور شیطان اور سلیمان کے یہاں بُت پوجے جانے کی روایت یہود کے باطل قصّوں میں سے ہے ؞ |

اور امام فخرالدین رازی نے کتاب اربعین في اصول الدین کے ۲۲ مسئلہ میں اسی قصہ کی نسبت لکھا ہے ؞

| | |
|---|---|
| فاما الحکایة الخبیثة التي یروونها الحشویة فکتاب الله مبرا عنها | کہ جن کی حکایت جو عامہ ناس نے روایت کی ہے سو کتاب اللہ اس سے بری ہے ؞ |

اور ایسا ہی سید شریف جرجانی نے شرح مواقف (موقف ۶ مقصدہ ورق ۳۷۴) میں بھی لکھا ہے پس یہ ثابت ہوا کہ محقق مسلمانوں نے اس قصہ کو بالکل جھوٹ اور افترا سمجھا ہے ؞

(۸) معقول پسند مفسروں نے ایسا لکھا ہے کہ حضرت سلیمان کبھی بیمار پڑے ہونگے اور چونکہ بیماریوں کو انبیا کے کلام میں خدا کی جانب سے آزمایش کہا جاتا ہے سو اسی میں اس کا ذکر ہے یعنی حضرت سلیمان اپنے تخت پر بیماری کی شدت میں مثل جسم بیجان پڑے تھے اور تقدیر کلام اس طرح پر ہوگی ۔ والقینا علی کرسیہ جسدا یعنی اُن کے تخت پر اُن کا جسم ڈالدیا مگر مبالغہ کی جہت سے (ہ) حذف ہوگئی پھر بیماری سے اچھے ہوئے اسکی خبر ثم اناب (پھر اُس نے رجوع کیا) میں ہے ؞

چنانچہ امام فخرالدین رازی نے کتاب اربعین في اصول الدین (مسئلہ ۳) میں

| | |
|---|---|
| ثانیا ان الله تعالی امتحنه بمرض شدید | یہ معنی بھی لکھے ہیں کہ خدا نے سلیمان کی ایک مرض شدید سے آزمائش کی تو ایک جسم |

| علی کرسیہ ھو الصخر الجني | کی کرسی پر ڈالا گیا تھا وہ صخر دیو تھا + |
|---|---|

مَیں کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مشہور یہ بات ہے مگر سب سے زیادہ جھوٹ بھی یہی ہے اور سب سے زیادہ سچ اور صاف اور سیدھے اور معقول وہی معنی ہیں جو ابھی ہمنے بیان کیئے اس میں حضرت سلیمان کی حکمت اور عدالت کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے نہ کہ وہ نامعقول قصہ کہ سلطنت سلب ہوگئی اور ایک ناپاک دیو اُن کے تخت بادشاہت پر مسلط ہوگیا اور سلیمان معزول اور مخروج رہے وغیرہ ذالک من الخرافات جس سے سلیمان علیہ السلام کی بدنامی اور حقارت اور ذلت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ قصہ قرآن مجید میں حضرت سلیمان کے محامد اور فضائل کے ذکر میں ہے -

(۱۰) اسی قصہ باطلہ یعنی حضرت سلیمان کے گھر میں بُت پرستی کے متعلق روایت بھی ہے جو ملاخیم اوّل کے گیارھویں باب میں لکھی ہے کہ حضرت سلیمان نے خلاف حکم خدا کے سات سو بیگمیں اور تین سو حرمین اپنے لیئے جمع کیں[۱] اور اُن کے باعث سے حضرت سلیمان کا دل خدا سے پھر گیا اور اُنھوں نے اپنی اخیر عمر میں بُت پرستی اختیار کی +

قرآن مجید میں اسی نالائق اتہام اور جھوٹے بیان کے رد میں فرمایا ہے ماکفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا + (بقر)

یہ مضمون اگرچہ یہود کے اربع عشریم کی کتابوں میں سے ایک کتاب ملاخیم اوّل میں ہے مگر وہ مضمون یقیناً جھوٹ اور شدّت کے مرتبہ کا کفر ہے - جس کو اشرار یہود نے افترا کرکے اس کتاب میں داخل کردیا ہے +

واضح ہو کہ حضرت سلیمانؑ کے حالات کے بیان میں فی الحال دو کتابیں موجود ہیں -

---

[۱] یہ تعداد یقیناً غلط ہے - کتاب غزل الغزلات میں حضرت سلیمان نے اُن کی تعداد ساٹھ بیگمیں اور ۸۰ خواصیں لکھی ہے - سو یہ بھی قطعی نہیں ہے - عبرانی کتابوں کے عددوں کا کبھی اعتبار نہیں ہوسکتا کیونکہ اُن کے عدد ہمیشہ حرفوں کی صورت میں لکھے جاتے تھے یعنی ابجد کے حساب میں اور چونکہ عبرانی حروف اکثر باہم مشابہ ہیں تو اس سے بڑی غلطی ہوجایا کرتی ہے کتاب سلاطین اور کتاب تواریخ کے باہم مقابلہ کرنے سے بڑا فرق پایا جاتا ہے +

(۲۱) وصبحدم وقتیکہ برائے شیر دادن پسرم برخاستم اینک مردہ است وصبحدم اورا تشخیص نمودہ اینک پسرے کہ زائیدہ بودم نبودہ است ۔

(۲۲) وزن دیگر عرض کرد کہ نے بلکہ پسر زندہ ازمن است وپسر مردہ ازتست واں دیگرے گفت نے بلکہ پسر مردہ ازتست وپسر زندہ ازمن است وچنیں درحضور ملک میگفتند ۔

(۲۳) پس ملک گفت کہ ایں یکے میگوید کہ پسر زندہ ازمن است وآں پسر مردہ از تست وآں دیگرے میگوید کہ نے بلکہ پسر مردہ ازتست وپسر زندہ ازمن است ۔

(۲۴) وملک گفت کہ شمشیرے رابمن آورید وشمشیر را بنزد ملک آوردند ۔

(۲۵) وملک فرمود کہ پسر زندہ رابدو حصہ تقسیم نمائید ویک نیمہ بایں بدہید ونیمہ دیگر بدیگرے ۔

(۲۶) وزنے کہ پسر زندہ ازآن او بودہ درحالتیکہ رحمش برپسر او اضطراب میکرد بملک متکلم شدہ گفت کہ اے خُداوند پسر زندہ را باو بدہید والبتہ اورا بکشید اما آن دیگرے گفت کہ نہ ازاں من ونہ ازاں تو باشد اورا تقسیم نمائید ۔

(۲۷) پس ملک جواب داد فرمود کہ پسر زندہ را باو بدہید واورا البتہ بکشید کہ مادرش اوست ۔

(۲۸) وتمامی اسرائیل حکمے کہ ملک اجرا داشتہ بود شنیدہ واز ملک ترسیدند زیرا کہ دیدند کہ درقلبش حکمت خدائیست تا آنکہ حکم را جاری سازد" ۔

پس اب قرآن کی آیت کو دیکھیئے کہ اس میں صاف اسی قصہ پر اشارہ ہے کہ القینا علیٰ کرسیہ جسداً ثم اناب ہمنے سلیمان کے تخت (عدالت) پر ایک لاش یا جسم (اسی زندہ یا مردہ لڑکے کا) ڈالا (سلیمان کا حکم محذوف ہے) پھر اس نے (اس حکم اول سے) رجوع کیا ۔ یعنی پہلے اُس لڑکے کے چیرنے کا حکم دیا تھا پھر اس حکم سے پھر کر اس لڑکے کو زندہ اُس کی ماں کے حوالہ کردینے کا حکم دیا ۔

پس یہ ہے سچی تفسیر کلام الٰہی کی نہ کہ وہ جن اور بھوت کے قصے نہ وہ یہود کے اکاذیب ومفتریات اور مفسرین کے اباطیل ولغویات ۔ امام محی الدین بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے (جلد ۴ صفحہ ۱۰) کہ سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ جو جسم سلیمانؑ

واشہر الاقاویل ان الجسد الذی اُلقی ۔

ہے مگر واقعات کی تاریخوں میں اور اُن کے بیان میں اور نسب ناموں میں اختلاف کثیر کی وجہ سے یہ خیال بالکل غلط نکلتا ہے۔ یہود کی رائے میں یہ کتاب حضرت عزرا نبی کی ہے جنہوں نے بعد قید بابل ذکریا اور حجی نبیوں کی مدد سے اُسکو تالیف کیا یعنے اپنے زمانہ کی اور اگلی کتابوں سے اخذ کرکے اُسے مرتب کیا اور اس رائے کی تائید میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کی طرز تحریر اور سیاقت کلام عزرا نبی کی عبارت سے بہت مشابہ ہے اور اس کتاب کی اخیر تین آیتیں عزرا نبی کے صحیفہ کی پہلی تین آیتوں سے بہت قریب قریب ملتی ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اُس کا مصنف قید بابل کے بعد بھی زندہ تھا کیونکہ اُس نے قورش بادشاہ کے حکم کا ذکر کیا ہے اور اُس نے داؤد کا نسب نامہ زوروبابل تک لکھا ہے مگر اُس کے خلاف یہ امر ہے کہ اُس کے مصنف نے زوروبابل کا نسب نامہ بارہ پشت تک لکھا ہے اسوقت تک حضرت عزرا زندہ نہ تھے۔ مگر ممکن ہے کہ یہ نسب نامہ الحاقی ہو اور ایسا اکثر ہوتا ہے پس یقین تو نہیں ہوسکتا مگر گمان غالب ہے کہ یہ کتاب حضرت عزرا کی تالیف اور مرتب کی ہوئی ہو۔

اب دیکھئے کہ باوجودیکہ یہ دونوں کتابیں باہم شفیق ہیں اور جو تاریخی واقعات ایک میں ہیں وہ دوسری میں بھی ہیں مگر یہ قصہ موضوع و مفترہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے سات سَو جوروئیں اور تین سَو حرمیں کیں اور اُن کی وجہ سے بُت پرستی اختیار کی (کتاب اول سلاطین باب ۱۱ آیت ۱-۱۵) اس کتاب دبری ہیم میں نہیں ہے اور چونکہ یہ کتاب غالباً حضرت عزرا نبی کی تالیف کی ہوئی ہے پس بظن غالب پیدا ہوا ہے کہ اُنھوں نے اِس قصہ کو باطل اور تہمت سمجھکر چھوڑ دیا ہے۔

اگر یہ بات نہ بھی ہو تاہم اِس مضمون کا ایک دوسری کتاب میں جس کا موضوع اور منشا وُہی ہے جو اس کتاب کا ہے نہ پایا جانا اور ظاہر نظر میں اس مضمون کا بالکل خلاف حکمت سلیمان اور منافی منصب نبوت ہونا کبھی صرف ایک غیر مستند روایت کے اعتبار پر لایق قبول نہوگا۔

فلمّا قضینا علیہ الموت ما دلّھم علیٰ موتہٖ الّا دابّۃ الارض تاکل منساتہٗ فلمّا خرّ تبیّنت الجنّ

ایک تو ملاخیم کہلاتی ہے اور دوسری دبری ہامیم - اب یہودیوں نے آسانی کے لیئے اُن کے دو دو حصّہ کر دیئے ہیں اور اس لیئے اُردو وغیرہ ترجموں میں کتاب سلاطین اول و دوم اور کتاب اخبارالایام اوّل و دوم کے نام سے معروف ہیں یہ بات یقیناً نہیں معلوم ہے کہ کتاب سلاطین ملاخیم کس کی تصنیف سے ہے یا کب تصنیف ہوئی ✦

یہ کتاب بعد زمانہ قید بابل عہد بخت نصر میں لکھی گئی یعنی تخمیناً پانسو برس بعد حضرت سلیمان کے تو یقیناً اور اسکے بعد اور جس قدر عرصہ ہوا ہو لکھی گئی - یہ بات کہ اس کا مصنف بعد زمانہ قید بابل زندہ رہا اس سے ثابت ہے کہ وہ قید بابل سے یہود کے واپس آنے کا بھی ذکر کرتا ہے (دوم سلاطین باب ۲۵ - آیت ۲۲) اسکا مصنف یہ بھی کہتا ہے کہ اسکے زمانہ میں اسرائیل کے دس قبیلے ہنوز جلا وطنی میں تھے (دوم سلاطین باب ١٧ آیت ٢٣) اور نیز باب ١٧ میں اُس نے یہودا اور اسرائیل کی مصیبتوں پر کچھ تقریر کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص ان مصائب کے بعد ہوا ہے (دوم سلاطین باب ١٧ - آیت ٦ - ٢٤) اور برخلاف اسکے بعضے نشان اس میں ایسے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبل زمانہ قید بابل یعنی عہد بخت نصر ہے - مثلاً اول سلاطین باب ٨ - آیت ٨ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نامہ کا صندوق ہنوز ہیکل میں موجود تھا اور پھر باب ١٢ آیت ١٩ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بادشاہت ہنوز قایم ہے پھر کسی جگہ باب ٦ آیت ١ و ٣٧ و ٣٨ میں زِیو זִו اور بول בּוּל یعنی زِیو اور تشرین کے مہینوں کا نام ہے حالانکہ قید بابل کے زمانہ سے ان کا یہ نام متروک ہو گیا تھا اور کبھی کبھی اس کا مصنف ایسا لکھتا ہے جیسا کوئی واقعات ہمعصر کو لکھے اور حاضر ماجرا ہو ان وجہوں پر نظر کرنے سے یہود کا وہ دعویٰ کہ یہ کتاب عزرا نبی کی لکھی ہوئی ہے باطل ہوتا ہے اور ایسا پایا جاتا ہے کہ اصل میں مختلف قسم کی تحریروں یادداشتوں اور شاہی روزناموں سے اور زبانی روایتوں اور بعضی مشہور اور متواتر خبروں سے یہ کتاب تالیف ہوئی تھی ✦

اسی کتاب کے ہم مضمون ایک دوسری کتاب دبری ہامیم ہے وہ بھی ایسی ہے کہ اُس میں مختلف تحریروں سے اخذ کر کے لکھا گیا ہے اور کچھ تو قبل زمانہ بخت نصر کی ہے اور کچھ بعد کی ہے ✦

بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ اُسی شخص کی تصنیف یا تالیف ہے جس کی کتاب ملاخیم

جماعت اور کارخانہ ہی جُدا تھا۔ ایسی لاشوں کو ممی۔ مومیا اور ممی کہتے ہیں اور مصری زبان میں اس کا نام سوٰہ ہے۔

(۳) بنی اسرائیل میں حنوط کرنے کی رسم۔ مصریوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے یہی رسم بنی اسرائیل نے بھی اختیار کی تھی کہ بزرگ اور امیر آدمیوں کی لاش کو حنوط کرتے تھے سب سے پہلے خود حضرت اسرائیل ہی کی لاش کی حنوط کی گئی۔ کتاب پیدایش کے پچاسویں باب میں ہے۔ (۲) اور یوسف نے اپنے طبیب چاکروں کو حکم کیا کہ اس کے باپ میں خوشبوئی بھریں (۳) سو طبیبوں نے اسرائیل میں خوشبوئی بھری اور اسپر چالیس دن گذرے کیونکہ جن پر خوشبو ملی جاتی ہے اتنے دن گذرتے ہیں اور مصری اس کے لیئے ستر دن تک رویا کیئے۔ پھر حضرت یوسفؑ بھی حنوط کیئے گئے چنانچہ اسی باب میں لکھا ہے۔ " (۲۶) یوسف ایک سو دس برس کا بوڑھا ہو کر مرگیا اور انھوں نے اس میں خوشبو بھری اور اُسے مصر میں صندوق میں رکھا " اصل عبرانی میں خوشبو بھرنے کے لیئے لفظ חנט (حنط) ہے۔ یہی لفظ عربی میں بھی ہے۔ جمال قرشی نے صراح من الصحاح میں لکھا ہے " حنوط پراگندگی از بوے خوش۔ تحنیط پراگندن حنوط مردہ را۔ تحنط خوشبوے شدن بحنوط الخ " مردے کے ساتھ خوشبوئیوں کا ذکر اور بھی کئی جگہ ہے (مثلاً ۲ اخبار الایام $\frac{16}{14}$ $\frac{21}{19}$) یوحنا $\frac{19}{40}$ ۔

(۴) لاش کو منظر عام میں رکھنے کا دستور۔ مصریوں میں تو یہ عام دستور تھا کہ مومیا کی ہوئی لاشوں کو ٹھیک زندہ آدمی کی طرح کھڑے رکھتے تھے اور اس مردہ کے عزیز و اقربا معین اوقات پر اُسکے دیکھنے کو بھی جاتے تھے۔ ایسے میرن کی تصویریں رالنسن کے حاشیہ تاریخ ھرودوٹس میں نقل ہوئی ہیں۔ کتاب اعمال $\frac{9}{37}$ سے مردے کی لاش کو بالاخانہ پر رکھدینے کی رسم معلوم ہوتی ہے اس کے علاوہ اسرائیلی مقبرے بھی ایسے ہوتے تھے جیسے حویلیاں اور مکانات جن میں کوٹھریاں اور دالان ہوتے تھے حتی کہ اُن میں مسافر راہ گیر بھی تھک کر بیٹھ جاتے تھے اور چور بھی وہاں رہا کرتے تھے دیکھو کتاب تاریخ یہود صفحہ ۱۴۷

(۵) سلیمان کے آخر زمانہ کی بغاوتیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے آخر زمانہ سلطنت میں کئی ایک بغاوتیں ہو چلی تھیں چنانچہ ہدد اور رزین اور یربعام کے مفسدے اور بغاوتیں کتب تواریخ میں لکھی ہوئی ہیں اور نیز رعایا ئے بھی کسی قدر ناخوش ہو چلی تھی کیونکہ ان بغاوتوں کی وجہ سے تجارت بند ہو چلی تھی اور نیز رعایا پر خراج بھی زیادہ

# ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین ۔ (سبا ۴۲)

"جب سلیمان مر گئے تو اُن کا مرنا جنّوں کو نہ جتایا مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کا عصا کھاتا رہا پھر جب وہ گرے تو معلوم ہوا کہ اگر جن غیب کی خبر رکھتے ہوتے تو ذلّت کی تکلیف میں نہ رہتے"۔ (سبا)

(۱) تفسیریں تو اس سچے واقع کو بھی افسانہ و داستان کے ڈھنگ پر لےگئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے آگے روز ایک بوٹی حاضر ہو کر باتیں کرتی تھی ایک روز خرنوب نامی ایک بوٹی آئی حضرت سلیمانؑ نے اُس کا مصرف پوچھا۔ اُس نے کہا کہ میں اس بیت المقدس کے خراب کرنے کو آئی ہوں حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ اب میری موت آگئی تو جنّوں کو عمارت کا نقشہ بنا کر آپ شیشہ کے مکان میں در بند کر بندگی میں مشغول ہوئے بعد وفات کے برس دن تک جن بناتے رہے اور سلیمان اُسی عصا پر مُردہ کھڑے رہے اور دستور تھا کہ اگر ہیکل یا عبادتخانہ میں کوئی جنی آکر حضرت سلیمانؑ کے آگے کو گذرتا تھا تو وہ جل جاتا تھا ایک روز جو آپ کے آگے کو جن گئے تو وہ نہ جلے اور گھن کے کیڑے سے عصا گرا اور سلیمانؑ ان کے گرنے سے اُن کی موت معلوم ہوگئی۔ جنات نے دیمک کا بڑا شکریہ ادا کیا اور اُسی کی احسانمندی میں اُسکو اب تک گیلی مٹی پہونچاتے ہیں۔

اصل بات اتنی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی لاش دستور کے موافق مومیائی بنائی گئی تھی۔ ان کنعانیوں و غیرہ گنواروں کو ان کی موت جب معلوم ہوئی جبکہ عصا میں دیمک لگجانے سے لاش گر پڑی۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔

(۲) مصر میں مُردوں کو حنوط کرنے کا ذکر۔ اہل مصر میں بہت قدیم الایام سے یہ دستور تھا کہ مُردے کی لاش میں خوشبوئیاں بھر کے اسکو بجنسہ قائم رکھتے تھے اور مُردے کے چہرے اور بشرے میں سرمو فرق نہیں آتا تھا۔ قدیم مؤرخوں میں سے ھیروڈوٹس (مقالہ ۲ باب ۸۶۔ ۸۸) اور ڈایوڈورس (مقالہ ۱۔ باب ۹۱۔ ۹۳) نے مصریوں کی اس رسم کا مفصل بیان کیا ہے۔ تین طرح پر حنوط کرنے کا دستور تھا اور اس کام کے کاریگروں کی ایک

اور جب وہ عصا ذرا بھی نیچے سے خالی ہوا اُن کی لاش دھڑے سے گر پڑی +
اور جو لوگ اُن کی موت سے واقف نہ تھے اُن کو اس دیمک کی وجہ بھی معلوم ہوگی
اور قوم جن کے آدمیوں کو معلوم ہوا اور افسوس ہوا کہ اگر ہم علم غیب جانتے ہوتے تو
اس تکلیف میں رہتے +

(۸) بعض روایتوں سے بھی اس مضمون کی جو ہمنے حضرت سلیمانؑ کی لاش کے
حنوط یا سومیا کیئے جانے کی نسبت لکھا ہے تائید ہوتی ہے شیخ الاسلام امین الدین طبرسی
نے تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے - روي انہ اطلعہ اللہ سبحانہ
علی حضور وفاتہ فاغتسل وتحنط وتکفن والجنّ في عملہم - کہ روایت ہے
کہ جب سلیمانؑ کی موت آئی تو خدا نے اُن کو خبر کر دی تو وہ نہائے اور حنوط کیا اور کفن
پہنا اور جن اپنے کام میں تھے +

اور تفسیر مواہب علیہ معروف بہ تفسیر حسینی میں ہے کہ "منقضی اجل سلیمان علیہ السلام
در آمد و طلب ودیعت روح کرد سلیمان علیہ السلام کسان خود را وصیت کرد کہ مرگ مرا
فاش نکنید و مرا بعد از مرگ بر عصائے من تکیہ دہید تا جن از کار خود باز نمانند و حم
مسجد با تمام رسد پس چوں سلیمان ہم درگذشت اور اشستند و براو نماز گزاردند و اورا بر عصا
تکیہ دادند دیوان از دور او را زندہ مے پنداشتند وبہماں کار کہ نامزد ایشاں بود قیام
می نمودند +

(۹) تفسیروں میں یہی قصہ اسی طرز پر ہے مگر اُن کی روایتوں میں افسانہ آمیز تقریر کا رنگ
ہے اور سچا واقعہ اور جھوٹی کہانی کی باتیں ملی ہوئی ہیں - ان کے نفس واقعہ صحیح مندرجہ
قرآن کا طرز بیان بھی قصہ گوئی کی طرف منجر ہے مگر اسپر جو اور حاشیے لگائے گئے ہیں وہ
خلاف حقیقت ہیں - مثلاً :-

اس قصہ کے متعلق ایک غلط بات یہ ہے کہ بیت المقدس بننے سے ایک سال پیشتر حضرت
سلیمانؑ نے وفات پائی - چنانچہ اکثر تفسیروں میں ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات تاریخی واقعات
کے خلاف ہے کیونکہ بیت المقدس حضرت سلیمان کی زندگی میں تمام بن چکا تھا - اور
قرآن مجید میں اس مقام پر نہ بیت المقدس کی تعمیر کا ذکر ہے اور نہ ایک سال کا ذکر ہے +
ہمیشہ مخالفوں نے قرآن پر اس وجہ سے اعتراض کیا ہے - اس میں خلاف واقعہ سلیمان کی

تھا اور خصوصاً قوم اجنہ کے آدمیوں پر کسیقدر سختی اور ذلت کی تکلیف تھی (دیکھو کتاب سلاطین اول کا گیارھواں باب ورس ۱۴ و ۲۳ و ۲۶ اور بارھواں باب ورس ۴ و ۷ و ۱۱ و ۱۴ اور نواں باب ورس ۲۱ و ۲۲ اور سورہ سبا ر عذاب مھاین)

(۶) اکثر ارکان سلطنت کو یہ منظور ہوگا کہ اُن کی موت کا عام شہرہ نہووے تاکہ بغاوتوں کی وجہ اور رعایا کی فی الجملہ ناراضی اور بعض رجال جن کی سخت تکلیف سے ملک میں اور زیادہ سرکشی نہوجاوے اور اسی لیئے حضرت سلیمانؑ کی وفات پر کسی قسم کی نوحہ وزاری و ماتم و سوگداری کا کچھ مذکور نہیں ہے اور نہ اُن کے دفن کے جلوس اور سامان وغیرہ کا کچھ ذکر ہے حالانکہ بنی اسرائیل میں بادشاہوں کی وفات پر بہت کچھ جزع و فزع و ساز و سامان ہوا کرتا تھا اور اجرت پر رونے والے بھی مقرر ہوا کرتے تھے اور کبھی کبھی لاش کے ساتھ باجا ہوا کرتا تھا اور عطریات کی تعداد کثیر صرف ہوتی تھی (یرمیا ۹/۱۷ و ۱۸ ۲ اخبار الایام ۳۵/۲۵ ایوب ۳/۸ واعظ ۱۲/۵ عاموس ۵/۱۶ متی ۹/۲۳ اور اعمال ۹/۳۹) - اس امر پر بعض ارباب تاریخ بھی متنبہ ہوئے ہیں اور لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر نوحہ وزاری کم ہوئی چنانچہ جاہان نے عبرانیوں کی سلطنت کی تاریخ میں (مقالہ ۴ فصل ۳۲ میں) لکھا ہے کہ "سلیمان ۹۷۵ء قبل عیسوی مرگئے اور باوجود اُن کی عظمت و شان کے اُن کا ماتم تھوڑا ہی سا ہوا" ص ۷۹ +

(۷) ان سب قراین حالات کو پیش نظر رکھکے اس آیت کا مضمون یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اُن کی لاش مومیا کی گئی کیونکہ خود بنی اسرائیل میں بھی ایسا ہوتا تھا اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ حضرت سلیمانؑ کے ایک بیوی فرعون مصر کی بیٹی تھی اُس نے ضرور اس معاملہ میں سعی بلیغ کی ہوگی اور نیز ملک میں سرکشی اور بغاوت پھیل جانے سے ارکان سلطنت نے بھی اُن کی موت کو چھپانا مصلحت اور مناسب سمجھا ہوگا اور اس نظر سے یہی ترکیب بہت ہی خوب تھی کہ امرا و سلاطین و نیز حکما و انبیا کے دستور پر اُن کی لاش کو حنوط کرکے ایک جلوہ کے مکان میں جہاں اکثر لوگ دیکھ سکیں رکھدیا جاوے اور عصا کے سہارے اُسے کھڑا کردیا ہوگا[1] - اتفاقاً دیمک یا گھن کے کیڑے نے اسکو کھانا شروع کیا

---

[1] زمانہ حال میں سید حمد صاحب کی موت چھپانے کے لیئے اُن کے مریدوں نے اسی طرح اُن کا ڈھانچہ بناکر پہاڑ کی کھوہ میں بٹھا دیا تھا +

جنکو قرآن میں جنّ و شیطان کہا ہے یہ سب لوگ دراصل فنوتی فلسطی اور کنعانی تھے۔ اور جو معنی فلسطیم کے ہیں وُہی معنی غیریم کے ہیں ملک فلسطین کے اصلی باشندے کنعانی تھے انھیں کنعانیوں כנען کو یونانی زبان میں فری نی کیس کہتے ہیں (دوسری جگہ صاف لکھا ہے کنعان ارض فلسطیم (صفنیا ۵/۲) یہ قومیں جبکہ بنی اسرائیل اُن پر مسلط ہوئے غیریم یعنی پردیسی اور اجنبی کہلائے اور داؤد اور سلیمان کے زمانہ میں یہ بالکل مطیع اور منقاد ہو گئی تھیں اور اُن سے خدمتی کام لیا جاتا تھا (۲ صمویل ۵/۸-۶ ۱ تواریخ ۹/۸-۴ اسلا ۹/۲ ۲ تواریخ ۲/۱۷ و ۱۸ و ۸/۷ و ۸)

(۱۲) سپٹواجنٹ میں جو کہ یونانی زبان کا ترجمہ توریت ہے وصحف انبیا میں ملک کنعان کو جنّ کہا ہے یوشع ۱/۴ اور انجیل میں بھی جنّ آیا ہے (متی ۵/۱۵ لوق ۴/۵ ۲) - اسکی وجہ یہ ہے کہ یونانی زبان میں زمین اور ملک کو جی کہتے ہیں یہیں سے فارسی میں گیو گیتی اور گیہان جہان بنا ہے اور جی کا مجرور مونث واحد جن ہے پس اس اعتبار سے یہ کنعانی لوگ بھی جنّ کہلاتے ہونگے زمانہ نزول قرآن میں یہودیوں میں سے اصل تورات کا علم یا عبرانی زبان کم رائج تھی سب یہود ترجمہ سپٹواجنٹ پڑھتے تھے اس وجہ سے ان کنعانیوں کا نام عربی میں جنی آتا ہوگا جس کی جمع جن ہے اور قرآن مجید میں وہی لفظ آیا جو اُن کے محاورہ میں تھا یعنی جن اور صور و صیدونی بھی کنعانی تھے کیونکہ کنعان کے بڑے بیٹے کا نام صیدون تھا اور صور و صیدا دونوں شہر سمندر کے کنارے پر تھے - ابوالفدار نے صیدون کو دمشق سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر بتلایا ہے - اگلے زمانہ میں یہ دونوں شہر آبادی کی کثرت سے ملے ہوئے تھے اس کے آثار ابتک نمودار ہیں *

(۱۳) لفظ جنّ قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے اور ایسے ہی اس لفظ کے ماصدق علیہ میں بھی تعدد ہے یعنی کئی طور پر مختلف حیثیتوں سے (بانحاء شتیٰ) بنی آدم زندہ اور مردہ پر اسکا اطلاق ہوا ہے جسکی تفصیل ایک جداگانہ آرٹکل یا رسالہ کے مناسب ہے جو عنقریب شایع ہوگا مگر جنات سلیمانی تو بجز اُن لوگوں کے جو بنی اسرائیل میں اغیار یعنی کنعان کے اصلی باشندے اور صور و صیدا کے کاریگر پہاڑی وحشی تھے اور کوئی قوم نہیں ہوسکتی اور خصوصاً وہ ہوائی جنات جو عامہ ناس کے خیالات میں ہیں کہ وہ ہوا سے جاندار ہیں کہ بہروپ خوب بدلتے ہیں (الجن حیوان هوائي يتشكل اشكالا كثيرة) وہ تو

موت کو ملیاری بیت المقدس سے ایک پیشتر سال تبلایا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ سب کچھ اعتراضات مفسرین کی لغو روایت کی بدولت ہوئے ہیں ٭

(۱۰) اب یہ بات کہ وہ جن کون تھے اور اُن کو تکلیف کیا تھی اس کا بیان یہ ہے کہ وہی غیریم جو عدم مونست کی وجہ سے بنی اسرائیل کے محاورہ میں غیر اور اجنبی کہلائے اور اُن کا مناسب ترجمہ عربی میں یا اُس کے لائق مرادف اللفظ قرآن میں جن آیا ہے جو ملک کنعان کے اصلی باشندے تھے اور عبری کتب مقدسہ میں اُن کے مختلف قبیلے فلسطین اور عنقیم اور ایمیم اور زمزمیم مذکور ہیں اور اُن کے عَذَابٌ مُّهِينٌ کا ذکر صحف سلیمان میں ہے اور اس طرح پر مضمون قرآن کی پوری تصدیق ہوتی ہے ٭

پہلے سلاطین کے نویں باب میں ہے (۲۰) لیکن وہ سارے گروہ جو اموری اور حتی اور فرزیی اور حوی اور یبوسی سے باقی رہے اور اسرائیل نہ تھے (۲۱) ہاں اُن کی اولاد جو بعد میں باقی رہی جنہیں بنی اسرائیل نابود نہ کر سکے سلیمان نے اُن پر خدمت کی کر لگائی جو آج کے دن تک ہے۔ اور کتاب دوم اخبار الایام کے نویں باب (۷ و ۸) میں بھی یہی مضمون ہے اور اصل کتاب عبرانی میں لفظ מס ہے جس کا ترجمہ کسی قدر غلط "خراج" ہوا ہے مگر اس کا صحیح ترجمہ بدنی خدمت ہے خواہ وہ بیگار کے طور پر ہو یا اجرت اور نوکری کے طور پر مگر پیشتر خدمتی کام کے لیئے آتا ہے ٭

اور کتاب ۲ اخبار الایام یا تواریخ کے دوسرے باب میں ہے (۱۷) اور اپنے باپ داؤد کے کہنے کے موافق سلیمان نے اسرائیل کے وبس میں سارے پردیسیوں کو گنا اور وے ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو ٹھہرے (۱۸) اور اُس نے ان میں ستر ہزار باربردار اور اسی ہزار پتھر توڑنے والے پہاڑ میں ٹھہرائے اور اُن پر تین ہزار کروائی مقرر کیئے کہ لوگوں سے کام لیویں ٭

پس یہی غیریم اور نیز وہ کاریگر لوگ جن تھے ٭

(۱۱) صور اور صیدا کے کاریگر جو لکڑی کے کام میں اُستاد کار تھے (۱ سلا ۵/۶) اور پتھر تراشنے والے ماہران فن (۱ سلا ۵/۱۸) اور جہازی کام دینے والے ملاحان پر فن (۱ سلا ۹/۲۶۔ حزقیل ۲۷/۹) اور غلامان نادر روزگار اور نیز وہ پردیسی اور اجنبی یعنی غیر قوم کے آدمی جو بوجھ اُٹھانے اور پہاڑ کاٹنے کے کام میں لگائے تھے (۲ تواریخ ۲/۱۷ و ۱۸)

مذکور ہے - ہر اک فوج سلیمانی اک جُدا گانہ نام اور خصوصیت سے مرسوم تھی ؛

حضرت داؤد سے جو کہ حضرت سلیمانؑ کے باپ تھے اپنی فوج ۳ قسم پر تقسیم کی تھی - ایک لشکر میں تو فلسطینی قوم کے آدمی تھے اُن میں کوئی شخص بنی اسرائیل میں سے نہ تھا اور چونکہ بنی اسرائیل کا محاورہ تھا کہ اپنی قوم کے آدمیوں میں اور غیر قوم کے آدمیوں میں تمیز و تفریق کرتے تھے اور غیر قوم کے آدمیوں کو اک خاص نام جس سے نفرت اور حقارت یا اُن کے کفر کا اشعار ہوتا ہو موسوم کرتے تھے جیسے גוים (غیریم) یا גוים (گوئم) اور بربرا اور اُمیئین وغیرہ - یہی قسم فوج کی قرآن مجید میں "جن" کے نام سے آئی ہے - دوسری قسم خاص بنی اسرائیل کی قوم تھی جو قرآن میں "انس" کے نام سے اس مقام میں آئی ہے - اور تیسری قسم کی فوج ایک خاص طور کی جماعت تھی جیسی باڈی گارڈ - وہ ہمیشہ طیار رہتی تھی اور چھوٹی جماعت صرف ۶۰۰ بہادروں کی تھی اور وہ اس کام کے لیے مخصوص تھی جیسی عربی فوجوں کی قسم میں "طیر" ہوتی ہے ؛

اُن کی تفصیل یہ ہے

(۱) فوج جن - کریثی اور فلیثی قوم کے آدمی جو اجنبی قوم کے تھے - ان کا ذکر کتاب دوم صموئیل باب ۱۵ کی ۱۸ - ۱۹ آیتوں میں ہے اور اسی کتاب کے آٹھویں باب کی ۱۸ آیت اور بیسویں باب کی ۷ اور ۲۳ آیت میں بھی ان کا نام ہے - یہ دونوں قبیلے فلسطانیوں کی نسل سے تھے (دیکھو گزینیوس کا عبرانی لغت جو کہ ابوالولید ابن جناح القرطبی کی کتاب الاصول سے ماخوذ ہے ص ۱۴۱ و ۶۷۷ - اور ای وآلد کی عبرانی گرامر ص ۲۹ اور ہارن کی ۳ ج ص ۲۰۲) ؛

دوسری قسم فوج اسرائیل کے نام سے تھی اس میں سب بنی اسرائیل و اہل کتاب تھے اُن کو لفظ انس سے تعبیر کیا ہے - ان کی تفصیل کتاب اخبار الایام باب ۲۷ میں (۱ - ۱۵) و ۲ صموئیل باب ۸ کی ۱۶ اور باب ۲۰ کی ۲۳ آیت میں مذکور ہے ؛

بنی اسرائیل ہمیشہ اپنی قوم اسرائیل کو غیر قوم کے آدمیوں سے اپنے محاورات میں ممتاز کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو עם (جو اصل میں עם יהוה (خدا کی قوم) اور עם קדוש (مقدس قوم) اور עם נחלה (قوم محفوظ) ہے (خروج ۱۵ باب ۱۳ استثنا باب ۳۲ و ۳۶ و باب ۷ و ۶ و باب ۴ - ۲ وغیرہ) کہتے تھے اور اپنے ماسوا

کسی طرح سلیمانی جن کی مصداق ہو ہی نہیں سکتے اور ہم آگے چلکے مفسرین ہی کے اقرار سے ہاں انہیں مفسرین کے اقرار سے جو جنات کے بڑے ہوا خواہ ہیں ثابت کریں گے کہ حضرت سلیمانؑ کے جنات وہ عام جنات نہیں تھے بلکہ وہ ایک خاص مخلوق تھے۔

فانتظر۔

(۱۴) سلیمانی جنات کو علم غیب کا دعویٰ ہونا قرآن کے ان الفاظ سے تو نہیں نکلتا۔ اس لئیے اس کی تفسیر میں مفسروں نے اختلاف کیا ہے۔ تبینت الجن کے یہ معنی قرین قیاس ہیں کہ اوروں کو معلوم ہو گیا کہ اگر جن علم غیب جانتے ہوتے الخ ایسا ہو گا بنی اسرائیل کو ایسا خیال ہو گا کہ یہ لوگ جو کاریگر اور اُستادکار اور صناع ہیں ان سے حضرت سلیمانؑ کی لاش کے حنوط کیئے جانے کی حکمت چھپی رہی اگر یہ علم غیب جانتے ہوتے تو اُن کے مرنے پر سرکش ہو جاتے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ صور و صیدا کے آدمیوں یا بعضے کنعانی قبیلوں نے (جن کو جنّ کہا ہے) فن تنجیم یعنی اختر شناسی کا اظہار کیا ہو کیونکہ یہ علم نجوم کلدانیوں کی قوم کا نکالا ہوا ہے اور اسی خالدیہ یعنی مُلک شام میں ملک صور و صیدا و فلسطین داخل ہے۔ اور صور و صیدا کے آدمیوں کو جہاز رانی کے لیئے بھی اختر شناسی کی بڑی ضرورت تھی اور اس زمانہ میں کمپاس اور قطب نما کی ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لئیے ستاروں کی شناخت بہت ضروری تھی۔ اور قوم فونیقیا بھی نجوم میں ماہر تھی اور صوری و صیدونی سب فونیقی تھے۔

## "وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون" (نمل × ۱۷)

اس مضمون کے ابتداء میں اس آیت کی تفسیر میں صرف اسیقدر بحث کی گئی تھی کہ حضرت سلیمان کے پاس جنّ تھے چنانچہ اس کی تصدیق اُنھیں کی کتاب واعظ کے ۲ باب کے ۸ سبوق سے جس میں لفظ שדה (شدہ) اور שדות (شدوت) ہے کی گئی تھی اور اک عام طور سے بیان کیا گیا کہ یہ شدیا جنّ کون لوگ تھے مگر اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کی فوج کی تقسیم ٹھیک ایسی ہی تھی جیسے کہ قرآن مجید میں

اور

# صلیب

"وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ"

"وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین"

"اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا"

"اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً - بل رفعہ اللہ الیہ"

(نساء ۲۲ ع آیت ۱۵۶)

**ترجمہ** - اور یہود کے اس کہنے پر کہ ہمنے مسیح عیسے ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا حالانکہ نہ اس کو قتل کیا ہے اور نہ صلیب دیکر مارا ہے لیکن ان کے آگے صورت بن گئی اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شک میں پڑتے ہیں اُن کو اسپر یقین نہیں مگر اٹکل پر چلتے ہیں اور اُس کو مارا نہیں یقیناً بلکہ اسکو خدا نے اپنی طرف اُٹھا لیا ؛

(۲) حضرت عیسٰیؑ نہ تو تلوار سے یا پتھروں سے مار ڈالے گئے اور نہ صلیب پر مارے گئے لیکن اُن کے قتل کرنے والوں کو دھوکا ہو گیا یا اُن سے اصل بات پوشیدہ ہو گئی یا اُنکو حضرت عیسٰے کی موت کا تشابہ ہو گیا حالانکہ وہ یقیناً نہیں مرے تھے البتہ وہ تین گھنٹہ تک صلیب پر اذیت سے لٹکتے رہے اور پھر اُتار لیئے گئے - صلیب پر مصلوب ہونے سے جلدی کوئی شخص نہیں مرجاتا بلکہ کئی روز تک لٹکنے سے دھوپ کی تپش اور بھوک کی شدت اور زخموں کی تکلیف سے البتہ مرجاتا ہے یہ معاملہ حضرت عیسٰے کے ساتھ نہیں ہوا - اور جب وہ اُتار کے ایک قبر میں رکھے گئے تو اُن کو کہ وہ ابھی زندہ مگر غشی میں تھے بعض مخلص مومنین شب کو مقبرہ سے نکال کے گھر میں کہیں پوشیدہ لے گئے اور پھر حضرت عیسٰے بعضے حواریوں کو زندہ نظر آئے مگر یہود کی عداوت اور رومیوں کے اندیشہ سے کہیں

کو גבורים جس سے مراد عام لوگ اور مخالف تھے (زبور دوسرا باب ۱ و ۸ نواں باب ۶ و ۱۶ و ۲۰ و ۲۱ دسواں باب ۱۶ - اٹھواں باب ۶ و ۹ اناسی باب ۶ و ۱۰ ایک سو چھٹا باب ۴۷) کہا کرتے تھے - انھیں محاوروں کی رعایت اور مناسبت سے فوج اسرائیل اور فوج اقوام فلسطینی کو انس اور جن کی فوج سے اس آیت میں بیان کیا ہے ✦

بنی آدم کی ایسی تقسیم ہر ایک قوم اور اُمہ میں کسی کی رعایت اور لحاظ سے مثلاً مذہبی تفریق سے یا زبان کی تمیز سے یا رنگ کی تفریق سے یا ملک اور ولایت کی مباینت سے یا میل جول اور وحشت اور مخالفت کی نظر سے یا دوستی اور دشمنی کی راہ سے کر لیتے تھے یونانی اور رومی اپنے ماسوا اَور سب قوموں کو بربری یعنی جنگلی کہتے تھے اور عرب اپنے ماسوا سب کو عجم کہتے تھے پھر خاص عرب میں دو تفرقیں تھیں اہل الحضر اور اہل البدو بنی آدم کی دو تفرقیں کر رکھی تھیں احمر اور اسود اور ہندمیں قدیم آریا لوگ اپنے ماسوا آدمیوں کو دسو کہتے تھے ✦

تیسری قسم فوج کی طیر تھی جو داؤد کے بہادروں کے نام سے موسوم تھی גבורים דוד (کتاب اوّل سلاطین باب اوّل سپوق ۸) اُن کی تفصیل کتاب دوم صموئیل کے باب میں (۸ - ۳۹) اور کتاب اوّل اخبار الایام کے گیارھویں باب میں (۱۱ - ۴۷)

یہ لوگ تعداد میں ۶۰۰ تھے اور پھر اُن میں دو دو سو کی ٹکڑیاں تھیں اور پھر اُن میں بیس بیس کی تفرقیں اور تقسیمیں ✦

فوج کی یہی تقسیمیں جو حضرت داؤد کے وقت میں تھیں حضرت سلیمانؑ کے وقت میں بھی قائم اور موجود ہیں اور اس آیت میں بھی یہی مراد ہیں ✦

# حضرت عیسےٰ

# مسیح

## ابن مریم رسول اللہ

یسوع تھا اور بار بان لقب تھا (دیکھو رینان کی تاریخ مسیح باب ۲۴ ص ۲۷۹ ۱۸۶۵ء)۔

(۶) بالآخر حضرت عیسےٰ کو مقام جلجتہ میں لاکر صلیب سے باندھا۔ صلیب دو لکڑیوں سے جو باہم منقطع ہوں بنی ہوتی ہے اور مصلوب کے دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھوک دیتے تھے اور پیروں میں بھی میخیں ٹھوکتے تھے یا کبھی کبھی ہاتھ اور پیر رسی سے باندھ دیتے تھے (ہارن کی کتاب جلد ۳ ص ۱۵۷) اور جو لکڑی عمودی شکل کی ہوتی تھی اسکے بیچ میں ایک لکڑی لگی رہتی تھی جو مصلوب کے بیٹھنے کی جگہ بن جاتی تھی ورنہ بغیر اسکے مصلوب کا دھڑ نیچے کو لٹک آتا اور میخوں سے ہاتھ نکل جاتے (یہ بات شیخ آرینیوس جو پہلی صدی میں تھا اور جسٹن جو دوسری صدی میں تھا اُن کے کلام سے معلوم ہوتی ہے ارنسٹ رینان باب ۲۵ ص ۲۸۷) حضرت عیسےٰ کو بھی یہ سب اذیتیں اٹھانی پڑیں مگر یہ بات صاف معلوم نہیں ہوتی کہ اُن کے پیر چھیدے گئے تھے یا باندھے گئے تھے کیونکہ بعد واقعہ صلیب جب حضرت عیسےٰ بعض عیسائیوں سے ملے تو لوک کی روایت میں ہے کہ اُنھوں نے اپنے ہاتھ اور پانوں نشان کے لیئے دکھلائے (لوک ۲۴/۳۹) مگر یوحنا کی روایت میں ہے (۲۰/۲۷) کہ ہاتھ دکھلائے۔ لوک نے بچشم خود نہ دیکھا ہوگا اور یوحنا نے شاید دیکھا ہو۔

(۷) مصلوب کے لیئے جہاں اَور سختیاں تھیں وہاں ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ وہ ہمارے زمانہ کی پھانسی کی طرح فوراً یا جلد نہیں مرجاتا تھا بلکہ تین چار دن تک اُسپر لٹکنے یا بندھے رہنے میں بھوک کی شدت پیاس کی سختی زخموں کی تکلیف اور دھوپ کی تپش سے مرتا تھا اور جو کوئی قوی مزاج کا آدمی ہوتا تھا وہ صرف فاقوں کا مارا مرتا تھا۔ یہ بات کہ صلیب پر تین یا چار دن تک موت نہیں آتی تھی پطرونیوس طیطوس کی شہادت سے کتاب سطیری کان ۱۱۱ وغیرہ) جو پہلی صدی عیسوی میں نیرو شہنشاہ روم کا دوست تھا اور تیسیخ ازیجبوس

---

۱؎ حضرت عیسےٰ کو صلیب پر پیاس کی شدت میں سرکا ایک اسفنج کے ذریعہ سے پلایا گیا تھا (متی ۲۷/۴۸ مرق ۱۵/۳۶ لوق ۲۳/۳۶ یوحنا ۱۹/۲۸–۳۰) رومی سپاہیوں کے پاس ہر موقع میں یہ شربت کثرت کا کہ ساتھ رہتا تھا۔ دیکھو تصنیفات اسپارطیانوس اور ولکاطیرس غلیکانوس اور یہ رومی لیکا نہایت صحت بخش اور مفید ہوتا تھا چنانچہ ڈاکٹر مگرھام نے رسالہ حیات کے بیان میں اسکی تصریح کی ہے اس شربت سے حضرت عیسےٰ کو بہت کچھ تسکین ہوگئی ہوگی۔ واللہ رحمان الطاف خفیہ۔

دیہات میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رہتے تھے پھر خدا نے اُن کو اُٹھا لیا یعنی اپنی موت طبعی سے مر گئے اور خدا کے پاس چلے گئے اور اُس کے داہنے ہاتھ جگہ پائی۔ یہ دونوں باتیں مجازاً اور فضیلتاً کہی جاتی ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اُن کو مار ڈالا قرآن مجید اُن کو جھٹلاتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُن کی صورت کا ایک دوسرا آدمی پکڑا گیا اُن کو بھی قرآن مجید جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اُن کو علم قطعی نہیں ہے اٹکل پر چلتے ہیں اور پھر اصلی حقیقت بتلاتا ہے، کہ اصل بات ایسی چھپ گئی یا پوشیدہ کی گئی ۔

(۳) اَب ہم انہیں تعدات کو مفصل اور مدلل بیان کرتے ہیں ۔

یہودیوں کی بے ایمانی اور سخت مکاری اور شدید ریا کاری سے حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ پر اضلال کا اتہام لگایا گیا اور تکفیر کا فتویٰ دیا گیا ٹھیک جیسا کہ اس زمانہ میں یہود ھذہ الامۃ کر رہے ہیں۔ وہ حضرت عیسےٰ کو مضل کہتے تھے (متی ۲۷/۶۳ یوحنا ۷/۱۲) ۔

(ب) ایسے شخص کی سزا یہود کی شریعت میں سنگساری سے قتل کرنے کی تھی (کتاب احبار ۲۴/۱۴ و ما بعد و کتاب استثنا ۱۳/۱ و ما بعد) ۔

(۴) مگر حضرت عیسےٰ پر کچھ صرف مذہبی جرم ہی قایم نہیں ہوا تھا بلکہ بے ایمان یہودیوں نے اُن پر بغاوت کا جرم بھی ضمیمہ کر دیا تھا تاکہ حکام وقت کو اُن کی سزا پر توجہ ہو یہی وجہ تھی کہ پلاطس نے حکم دیا ورنہ وہ یہود کے مذہبی الزامات کی کچھ پروا نہ کرتا اور اسی لیے وہ سنگسار نہیں کیے گئے جو کہ یہود کی شرعی سزا تھی بلکہ صلیب پر چڑھا کے مار ڈالنے کی تجویز ہوئی کیونکہ یہ رومیوں کی سزا تھی ۔

(۵) یہود کے کاہنوں نے جو موت کا فتویٰ دیا تھا وہ بغیر رومی گورنر کی منظوری کے نافذ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے ضرور ہوا کہ پلاطس کے دربار میں حضرت عیسےٰ کو لیجاویں اس حاکم نے تحقیقات کے بعد حکم دیا کہ میں اس شخص پر کوئی جرم نہیں پاتا مگر یہود نے پھر غل مچوایا (یہود وہاں حاضر نہ تھے یوحنا ۱۸/۳) اور اخیر کو اس حاکم کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت عیسےٰ مجرم سہی مگر عید فصح کے روز ایک مجرم چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیے اس نے یہود سے کہا کہ تمہاری عادت کے موافق میں اُن کو چھوڑ دیتا ہوں۔ تب پھر یہودی چلائے اور سب حاضرین سے کہلوایا کہ یسوع باربان چھوڑ دیا جاوے اتفاق سے اس مجرم کا بھی نام

صلیب سے متعلق رہنے دیا بلکہ حکام رومیہ سے درخواست کی کہ حضرت عیسٰے کی ٹانگیں توڑ کے اُتروالیں تاکہ اُن کی لاش سبت کو لٹکتی نہ رہجاوے ( دیکھو یوحنا کی انجیل ۱۹/۳۱ ) یہ ٹانگیں توڑوانا بھی قتل کی غرض سے تھا کیونکہ اُن کو معلوم تھا کہ مطلق صلیب پر لٹکانے سے کوئی مصلوب مرتا نہیں ۔ الا حضرت عیسیٰ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں کیونکہ وہ تو ضعف یا غشی کے باعث سے مردہ معلوم ہوتے ہی اور اسی پر اشارہ ہے ۔ شبہ لہم (نساء ۱۵۶) میں ؛ فلو یہودی فلیسوف الکندری (سنہ ۲۰ قبل مسیح تا سنہ ۴۰ ء) نے اپنی کتاب فلقیم (۱۰) میں لکھا ہے کہ یہود نے درخواست کی تھی کہ ہمارا مقدس سبت اس ناپاک لاش کے رہنے سے خراب نہووے ؛

پس ان وجوہ سے بہت جلد حضرت عیسٰے کو صلیب پر سے بظاہر مردہ و بباطن زندہ اُتار لیا گیا ؛

(۱۰) مگر اسی کے متعلق ایک واقعہ اَور بھی گذرا کہ جب رومیوں نے ان اَور دُو شخصوں کی جو حضرت عیسیٰ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے ٹانگیں توڑ دیں اور حضرت عیسٰے کی ٹانگیں نہیں توڑیں تو ایک نے برچھی سے حضرت عیسٰے کے پہلو میں ذرا چھید دیا شاید صرف اس غرض سے کہ اگر ہوش باقی ہوگا تو وہ متاذی ہوکر کوئی حرکت مذبوحی کرینگے ۔ اس زخم سے خون اور پانی جاری ہوا یہ بات صرف یوحنا کی انجیل میں ہے جو حضرت عیسٰے کے بعید ہوں یا قریب ہونگے مگر خون کا نکلنا بے شک اُن کی زندگی کی دلیل ہے کیونکہ مردے کے جسم سے زخم یا نشتر دینے پر خون نکلتا ہے نہ پانی ۔ پس اس وقت حضرت عیسٰے زندہ تھے اور اُسی وقت اُتار لیے گئے ۔ سب کام نہایت عجلت میں ہوا ۔ یوسف جو ایک ذی عزت مالدار اور کونسل سنہدریم کا ممبر تھا اُس نے لاش مانگ لی جو اُس کے حوالہ کردی گئی اس نے اور ایک اَور مرد مومن نے دفن کا سامان کیا اور سب لوگ چلے گئے ؛

برچھی سے چھید نے کا مضمون ( یوحنا ۱۹/۳۲ و ۳۴/۱ ) گو ہمارے خلاف نہیں مگر ہمکو اسپر بہت شبہ ہے ۔ اور اصا انجیل نویس متی مرقس لوقا اس بات کا بیان نہیں کرتے حالانکہ ایک امر عظیم اور ضروری تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں عیسائیوں نے صرف بعضی پیشگوئیوں کو (زبور ۳۴/۲۰ ذکریا ۱۲/۱۰) جمانے کے لیئے یہ بات اپنی طرف سے بنا کر روایت میں شامل کردی ہے ؛ جبکہ باوجود اجازت اور حکم کی بھی اُن کے ٹانگیں نہیں توڑی گئیں تو یہ امر خلاف قیاس ہے

کی شہادت سے (تفسیر انجیل متی مطبوعہ کوسیگا رطن ص ۶۳ وغیرہ) جو تیسری صدی عیسوی
میں مذہب عیسوی کا مستند اور معتمد بزرگ گذرا ہے ثابت ہے (دیکھو ارنسط ریناں کا تذکرہ
مسیح ص ۲۹۰) اور قوی مزاج آدمی کا صرف بھوک کے صدموں سے مرنا یوسی بس مفلی (جو
قیصریا میں اسقف اور تیسری اور چوتھی صدی میں تھا) کی تاریخ کلیسا ۸/۹ سے ثابت ہے
(ایضاً ص ۲۹۱) ؛

اس لئے جب پلاطس سے یوسف نے حضرت عیسےٰ کے دفن کی اجازت مانگی تو وہ بہت
متعجب ہوا کہ ایسی جلدی مر گئے (مرقس ۱۵/۴۴) ڈاکٹر ای کلارک نے تفسیر انجیل متی ۲۷/۵۰
میں لکھا ہے کہ ایسی کئی ایک مثالیں ہیں کہ شخص مصلوب ایسی شدت کے عذاب میں کئی دن
تک زندہ رہا ہے (دیکھو ہارن کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۷ سنہ ۱۸۲۸ء) ؛

(۸) حضرت عیسےٰ کے شاگرد تو سب بھاگ گئے تھے اور صلیب کے وقت کوئی حاضر
ماجرا نہ تھا۔ ہاں دور کھڑی ہوئی کچھ عورتیں اور جو لوگ حضرت عیسےٰ کو جانتے تھے دیکھ رہے
تھے (متی ۲۷/۵۵ و ۲۶/۵۶ مرقس ۱۵/۴۰ و ۱۴/۵۰ لوق ۲۳/۴۹) مگر یوحنا کی انجیل میں ہے ۱۹/۲۵ کہ
وہ صلیب کے پاس کھڑے تھے۔ مگر کتنے ہی پاس ہونگے تب بھی دشمنوں کے خوف اور
سپاہیوں کے اہتمام کی وجہ سے دور ضرور ہونگے یوحنا نے آپکو پاس بتلایا صرف اسوجہ
سے ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کی بات سن لی ؛

(۹) صلیب والا دن عید فصح کا دن تھا دوپہر کے وقت یہ واقعہ صلیب پیش آیا اور اب
تھوڑی دیر کے بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور سبت بھی کیسا کہ معمولی طور کا نہیں بلکہ ایک
خاص طور کا جسمیں ان کو بڑا اہتمام اور مذہبی احترام تھا۔ اور یہ بھی شریعت یہود میں حکم تھا
کہ شخص مقتول (مرجوم) یا مصلوب کی لاش اسی دن دفن کردی جاوے (کتاب استثنا ۲۱/۲۲ و
۲۳) و یوشع ۸/۲۹ و ۱۰/۲۶ و تاریخ یوسیفس مورخ یہود کتاب ۴ وہ کتاب احادیث یہود
یعنی مشنا (سنہدریم ۶/۵) مگر یہود کے ہاں یہ دستور تھا کہ پہلے سنگسار کرکے مار ڈالتے تھے
تب صلیب پر لٹکاتے اور اب جب سے کہ ان کی حکومت جاتی رہی اور رومیوں کا قانون
جاری ہوا سنگساری کی رسم موقوف ہو گئی تو اب یہود کے حساب سے شخص مصلوب مرے یا
نہ مرے مگر اسی دن اس کو صلیب پر سے اتارنا چاہیئے۔ پس ان وجوہ سے یہودیوں نے
نہ تو کچھ معاملہ صلیب میں اہتمام کیا بلکہ نہایت جلدی چاہی اور نہ بعد صلیب حضرت عیسےٰ کو

ہو - اب یہاں پر بہت سی مختلف روایتیں ہیں جو متی باب ۲۸ مرقس باب ۱۶ لوقا باب ۲۴ یوحنا باب ۲۰ میں لکھی ہوئی ہیں ان عورتوں نے پطرس و یوحنا اور حواریوں کو خبر کی اور مشہور ہو گیا کہ وہ جی اُٹھے ÷

(۱۴) واقعہ صلیب کے بعد تین دفعہ حضرت عیسےٰ زندہ مگر مجروح اپنے حواریوں کو نظر آئے جن کی تفصیل یوحنا کی انجیل کے بیسویں اور اکیسویں باب میں ہے مگر مجدلینے کو حضرت عیسےٰ کا نظر آنا غلط ہے اس عورت کے قول کا کچھ اعتبار نہیں وہ شدت سے ضعیف العقل تھی اسکو سات جن لپٹے ہوئے تھے (لوقا ۸/۲ یونانی) زبان میں اس محاورہ سے مراد یہ ہے کہ مجنون تھی - اور خود اسکو شبہ تھا بلکہ اُس نے اس شخص کو باغ کا چوکیدار سمجھا اور درحقیقت ایسا ہی تھا - مگر اس کے ذہن میں اور خیال میں حضرت عیسےٰ بسے ہوئے تھے اُس نے بعد میں یقین کر لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہی تھے ÷

(۱۵) اسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ کی موت کی نسبت بہت سے شبہے پیدا ہو گئے تھے - پلاطس نے جب اس سے دفن کی اجازت لی گئی تو تعجب کیا اور اپنے صوبہ دار سے جو صلیب کے اہتمام میں تھا پوچھا کہ کیا وہ مر گئے (مرقس ۱۵/۴۴ و ۱۵/۴۵) ÷

اور بعد میں عیسائیوں کو خود یہ بات کھٹکتی تھی کہ ایسی جلدی مر جانا بالکل خلاف عادت تھا صلیب پر آدمی چار چار روز تک نہیں مرتے اس لیئے اُنھوں نے حضرت عیسےٰ کے جلد ہی مر جانے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا اور جی اُٹھنے کو بھی ایک معجزہ قرار دیا !!! - اوریجن نے (جو تیسری صدی عیسوی کے مشائخ میں تھے) تفسیر انجیل متی میں ایسی فوری موت کو ایک معجزہ قرار دیا ہے - کئی مثالیں اس قسم کی معلوم ہوئی ہیں کہ اشخاص مصلوب کو موقع سے اُتار کے مجرب دواؤں سے معالجہ کیا اور وہ زندہ رہے ÷

چنانچہ ہیروڈوطس مؤرخ رومی اپنی تاریخ کی کتاب ۷ باب ۱۹۴ میں لکھتا ہے کہ سندوکیس جو کہ صوبہ ایولیس کے شہر کیمی میں حاکم تھا جبکہ وہ بادشاہی قاضیوں میں سے ایک قاضی تھا تو اسکو دارا بادشاہ نے رشوت ستانی کے جرم میں مصلوب کر دیا تھا مگر درآنحالیکہ وہ صلیب پر لٹکا ہوا تھا دارا کو خیال آیا سندوکیس کی عمدہ خدمتیں بہ نسبت اس امر کے جرم کے زیادہ ہیں اور کہا کہ جینے جلدی میں حکم دیدیا اور اُسیوقت حکم دیا کہ اسکو صلیب پر سے اُتار کے رہا کر دو پس سندوکیس اس طرح دارا کے ہاتھ سے موت سے بچ رہا - اور یوسیفس یہودی مورخ نے جو پہلی صدی عیسوی

کہ کسی ایک سپاہی نے ایسی جرأت کی ہو کہ برچھی سے اُن کو چھید دیا ہو ٭

عیسائیوں نے یہ بات کہی ہے کہ وہ برچھی حوالی قلب میں جا لگی اور وہاں سے رقیق سفید رنگ کا مادہ نکلا مگر حوالی قلب کے زخمی ہونے پر اس کا مادہ اندر ہی کی طرف کو نکلتا اور اسفل کی جانب بہ جاتا نہ کہ فوارہ کی طرح باہر کو سیدھے سامنے کو پچکاری کی مانند جوش مارتا نکلتا اور تعجب کہ بہنے میں پانی اور خون الگ الگ رہے ٭

(۱۱) رومیوں کے دستور کے موافق ضرور تھا کہ مصلوب کی لاش پر صلیب لٹکتی رہے اور چڑیوں کا شکار ہو جاوے۔ یہی دستور اہل مصر کا بھی تھا دیکھو قرآن سورہ یوسف واما الآخر فیصلب فتاکل الطیر من راسہ (۱۲ ج ۵ ع) رومیوں کے اس دستور کی سند ہوریس لاطینی شاعر کے خطوط (جو حضرت عیسےٰ سے قبل پہلی صدی میں تھا) جوونیل (پہلی صدی ع) لوکن (رومی شاعر پہلی صدی ع) پلاطوس شاعر (دو صدی قبل عیسوی) پلنی (پہلی صدی) پلوطارس فیلوف (پہلی اور دوسری صدی) پطرونیرس (پہلی صدی) کے کلام سے ثابت ہے برخلاف اس کے حضرت عیسےٰ اُسی روز صلیب پر صرف ڈھائی تین گھنٹے رہنے پر یوسف کے حوالہ کر دیئے گئے ٭

(۱۲) دفن کرنے والوں نے بھی بڑی عجلت کی اور کامل طور سے اُنھیں دفن نہیں کیا۔ اُنھوں نے ایک لحد میں حضرت عیسےٰ کو رکھ کے دروازوں پر ایک چٹان یا پتھر کی سِل رکھدی تھی تاکہ پرسوں کو عطریات لا کے قبر میں رکھینگے اور کل سبت کو تو کچھ ہو نہیں سکیگا ٭ اور وہ عورتیں بھی جو صلیب کے وقت دُور کھڑی دیکھتی تھیں اُس وقت پاس سے حضرت عیسےٰ کی لاش کا موقع خوب دیکھ گئیں (لوقا ۲۳/۵۵) اور اب سب لوگ چلے گئے نہ وہ دشمن خونخوار یہودی رہے اور نہ وہ رومیوں کا گارد رہا۔ کیونکہ یہ تو ہفتہ کے دن یہود کو سوجھی کہ مبادا اُن کی لاش کو اُن کے شاگرد چرالیجاویں تب اُنھوں نے پلاطس سے ایک گارد مانگا کہ وہ پہرہ بیٹھا دے اُس نے کہا کہ تمہارے پاس سپاہی ہیں اُن کو بھیجدو۔ اب دوسرے روز وہ احمق پہرہ بٹھلانے گئے (متی ۲۷/۶۲ و ۶/۶۶)

(۱۳) اتوار کو صبح کے وقت وُہی عورتیں قبر پر آئیں اور پتھر کو ہٹا ہوا دیکھا اور حضرت عیسےٰ کو وہاں نہ پایا اور اُس وقت ایک یا دو شخص جو حاکم کے فرستادے یعنی فوج کے پیادے تھے (انجیل کے ترجموں میں اُن کو فرشتہ بنا دیا ہے) اُنھوں نے کہا کہ تم زندے کو مُردوں میں ڈھونڈھتے

بہت جلد غایب ہوجانا ثابت ہے تو اب کوئی اور احتمال نہیں ہوسکتا مگر یہی کہ وہ قبر میں زندہ رکھے گئے اور زندہ چلے گئے ۔ ظن غالب ہے کہ اسی یوسف اور نقیدیموس نے اسباب میں کوشش کی ہوگی کیونکہ ان لوگوں کو یہ بات خوب ظاہر تھی کہ حضرت عیسیٰ پر موت طاری نہیں ہوئی کیونکہ ایسی موت بالکل خلاف عادت تھی اُنھوں نے اپنی رسم کے موافق حضرت عیسیٰ کو نہلایا بھی نہ تھا حالانکہ رومیوں یہودیوں اور مصریوں میں مردے کو نہلانے کی عام رسم تھی اور وہ جانتے تھے کہ وہ فوت نہیں ہوئے اور یہ کہ اُن کو نکال لانے میں ایک معصوم نبی اور اولوالعزم رسول کی جان بچانی ہے اور وہ دونوں اس میں کامیاب ہوئے ۔ وَعَلَی اللّٰہِ اَجرُہُم ؛

(۱۸) قرآن میں حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے کے باب میں جو مضمون ہے اسکو ہمیشہ عیسائیوں نے یہ سمجھا کہ وہ اُنہیں فرقوں سے لیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی جگہ کوئی دوسرا آدمی مصلوب ہوا اور وہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن حقایق واقعی یعنی تاریخی واقعات کے خلاف ہے مگر یہ اعتراض بیجا ہے ۔ قرآن خود بتلاتا ہے کہ لوگ اس باب میں مختلف ہیں یعنی کوئی کہتا ہے حضرت عیسیٰ یقیناً صلیب پر مرے اور کوئی کہتا ہے کہ اُن کی جگہ دوسرا آدمی مارا گیا پھر کوئی کہتا ہے کہ وہ شخص یوسف تھا اور کوئی کہتا ہے کہ یہودا تھا ان سب کی نسبت قرآن کہتا ہے ان الذین اختلفوا فیہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن ؛

پس قرآن نے تاریخی واقعات کو بھی ثابت رکھا اور سچی حقیقت بھی بیان کردی ؛

(۱۹) اب ہم ان مقدمات کے بعد قرآن کی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں ؛

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ؛

دو طرح سے آدمیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا ایک صلیب پر لٹکا رہنے دینے سے یہ سزا سنگین جرائم کے مرتکبوں اور غلاموں کو دی جاتی تھی جو تین چار روز صلیب پر لٹکے ہوئے بھوک پیاس کی شدت اور زخموں کے درد اور دھوپ کی تابش اور دوران خون کی سوء مزاجی سے مرجاتے تھے اور دوسری قسم دفعتاً جان سے مار ڈالنے کی تھی اور وہ دو طرح سے تھی (۱) سنگسار کرنا اور (۲) تلوار سے قتل کرنا ۔ اس لیئے قرآن مجید میں دونوں قسموں کی موت سے انکار ہوا ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ کو پتھراؤ کرکے یا تلوار سے مارا اور نہ صلیب پر چڑھا کے مارا ۔ یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ یہود کا ایسا بیان ہے کہ پہلے حضرت عیسیٰ سنگسار کیئے گئے چنانچہ یہود کی کتاب مشنا اور تالمود یروشلم اور تالمود بابل سنہدریم کے بیان میں ایسا ہی لکھا ہے (دیکھو ارنسبط ربیان کا

میں تھا اپنی سوانح عمری کی دفعہ ۷۵ میں لکھا ہے کہ مجھے بادشاہ طیطوس قیصر نے ہزار سوار لیکر قریالیوس کے ساتھ موضع تقواآ کے دیکھنے کو بھیجا کہ وہ جگہ فوج کے قیام کے لیئے مناسب ہے یا نہیں جب میں وہاں سے پلٹ کے آیا تو دیکھا کہ بہت سے قیدی مصلوب ہو گئے ہیں انمیں تین آدمی میرے پہلے ملاقاتی نکلے اس بات سے میں بہت رنجیدہ ہوا اور آبدیدہ ہو کر بادشاہ کے پاس جاکے عرض معروض کی بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ وہ مصلوب اُتار لیئے جاویں اور ان کا معالجہ کیا جاوے تاکہ وہ جی بچیں۔ اُن میں سے ۲ آدمی طبیبوں کے زیر معالجہ مر گئے مگر تیسرا شخص بچ رہا۔

بڑے سے بڑا قرینہ اُن کی یقینی موت کا یہی ہو سکتا ہے کہ یہود جو شدت سے دشمن تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے کیا وہ کیونکر بغیر قطعی اور یقینی قتل کیئے باز آئے ہونگے یا اُنھوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہوگا۔ مگر معلوم ہے کہ یہود کو اُس دن بہت تردد تھا وہ دن اُنکے یہاں روز عید فصح تھا اور اُس کے تھوڑی دیر بعد سبت شروع ہونے کو تھا اور اُن کو خود اُس دن کسی فعل کے مباشر ہونے کی ممانعت تھی وہ تو شاید صلیب گاہ پر بھی حاضر نہ تھے کیونکہ وہاں مذہبی ممانعت سے کہ عید فصح کے دن کوئی کام نہ کرنا چاہیئے (کتاب خروج $\frac{۲}{۱۲}$ لیویان $\frac{۳}{۲۳}$ و $\frac{۲}{۸}$) وہ لوگ پلاطس کے ایوان عدالت میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ اور عید کے باعث سے قربانیوں اور فطیری روٹیوں کی فکر میں تھے۔

پس وہ تو ان شغلوں اور مذہبی اندیشوں اور شرعی مانعوں کی وجہ سے اسمیں کچھ اہتمام نہ کر سکے۔

(۱۶) کئی ایک قدیم فرقے عیسائی مذہب کے اسبات کے معتقد تھے کہ حضرت عیسےٰ قتل نہیں ہوئے باسالیدیان اور سرن تھیان اور کورپوکری تیان وغیرہ عیسائی قدیم فرقے کہتے تھے کہ حضرت عیسےٰ کی جگہ شمعون قریتی صلیب دیا گیا اور فوطیس نے (بطریق قسطنطنیہ نویں صدی) لکھا ہے کہ کتاب سیر الحواریان جس میں پطرس یوحنا اندریوطامس اور پولوس کے حالات لکھے ہیں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ اُن کی جگہ کوئی اَور مصلوب ہوا۔ اور برنباس کی انجیل میں لکھا ہے کہ یہود اسخریوطی اُن کی جگہ مصلوب ہوا اور یہود کو یہ دعویٰ تھا کہ ہمنے یقیناً سنگسار کر کے مصلوب کر دیا مگر ان سب کے خیالات درست نہیں تھے اور قرآن نے انکی تکذیب کی ہے چنانچہ فرمایا ہے ان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن۔

(۱۷) پس جبکہ ایکطرف حضرت عیسےٰ کی موت ثابت نہیں ہوئی اور دوسری طرف اُن کی لاش کا قبر سے

علم نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیح کا صلیب پر نہ مرنا تو ہمنے متعدد بات ۷ و ۸ و ۹ میں ثابت کیا ہے اور کسی اَور کا اُن کی جگہ مصلوب ہوجانا ایک بے ثبوت بات ہے اور قراین اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ شمعون قرینی بعد میں عرصہ تک زندہ رہا اور عیسائیوں کی جماعت میں شامل اور شریک رہا اور یہودا اسخریوطی کا حال بھی معلوم ہے کہ وہ بعد میں مرگیا ؛

(۲۳) وماقتلوه يقيناً ۔ اور اُس کو انھوں نے یقیناً قتل نہیں کیا یعنی جیسا قتل کرنے کا حق تھا ویسا قتل نہیں کیا یا یقیناً قتل نہیں کیا اور کیونکر وہ یقیناً قتل ہوسکتے تھے حالانکہ وہ صرف تخمیناً تین گھنٹے صلیب پر رہے اور وہ موت کے لیے کافی نہیں ہے ؛

(۲۴) بل رفعه الله اليه ۔ بلکہ خدا نے اُن کو اپنی طرف اُٹھا لیا ۔ خدا کی طرف جانا یا اُٹھا لیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم نے فرمایا انی ذاهب الى ربی (صافات ۹) اور مہاجروں کی نسبت کہا ومن يخرج من بيته مهاجراً الى الله (نسا ۱۰۱) یہ بات تعظیم و تشریف و تفخیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ درحقیقت آسمان کی طرف کو بادلوں میں اُڑتے ہوئے نظر آئے اور کسی آسمان پر جابیٹھے ان باتوں کی ہمارے ہاں کچھ اصل نہیں ہے[۱] بعد میں حضرت عیسیٰ یقیناً مرگئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے اذ قال الله يا عيسىٰ انی متوفيك ورافعك الي (آل عمران ۴۸) جبکہ

---

[۱] صحیح بخاری کی ایک روایت جو کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ میں ہے اس میں بضمن قصہ معراج یہ مضمون ہے کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ دوسرے آسمان پر ملے ۔ مگر یہ روایت تو بہت ہی مشتبہ ہے ہدبہ راوی کی نسائی صاحب صحیح نے تضعیف کی ہے اور ہمام راوی کو کبھی کبھی حدیث بیان کرنے میں وہم ہوجاتا تھا اور خلیفہ راوی کبھی کبھی روایت حدیث میں خطا کرتا تھا اور سعید راوی شدت سے تدلیس کیا کرتا تھا اس کی عقل مختلط ہوگئی تھی اور ہشام راوی بھی کبھی کبھی تدلیس کرتا تھا اور انس راوی نے مالک بن صعصعہ سے جو قصہ معراج روایت کیا ہے اس میں عنعنہ ہے اور مالک قدیم زمانہ میں مرگئے (شاید انس سے ملاقات ہونے سے پہلے) اور نیز مالک نے ارسال کے طور پر وہ روایت بیان کی ہے ؛

ان راویوں کا حال کتب رجال میں ملیگا خصوصاً علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی ۱۲۷۱ھ ہجری میں یہ باتیں ملینگی ؛

تذکرہ مسیح باب ۲۵ ص ۲۸۴) اور عیسائیوں کا بیان ہے کہ وہ صلیب پر مارے گئے اسلیئے
قرآن میں ان دونوں باتوں پر اشارا ہے ماقتلوہ وما صلبوہ - یعنی نہ قتل بذریعہ
سنگساری ہوا اور نہ قتل بذریعہ صلیب ہوا نہ یہ کہ وہ مطلق صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے
کیونکہ مطلق صلیب کی نفی کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ صلیب پر ہاتھوں میں میخ ٹھوکنے اور پیر باندھ دینا اور پھر
تین گھنٹے بعد اتار لینا مار ڈالنے کو کافی نہیں ہے بلکہ تصلیب کی نفی سے صلیبی موت کی نفی مراد ہے ۔

(۲۰) ولکن شبہ لہم - مگر صورت بنادی گئی اُن کے لیئے یعنی موت کی صورت
بنادی گئی اسطور کہ حضرت عیسیٰ اُن لوگوں کو جو صلیب کا اہتمام کر رہے تھے مردہ نظر آئے
کیونکہ وہ تمام شب کے جاگنے اور صدمات کی برداشت اور میخوں کی اذیت سے غشی یا بیہوشی
میں آ گئے تھے اس سے اُنہوں نے سمجھا کہ یہ مرگئے مگر چونکہ اس وقت موسم اچھا تھا یعنی
ابر چھایا ہوا تھا (متی ۲۷/۴۵ مارق ۱۵/۳۳ لوق ۲۳/۴۴) دھوپ کی تکلیف نہ تھی اور پھر وہ جلدی ہی
اُتار لیئے گئے تھے اس وجہ سے زیادہ صدمہ نہیں پہونچا ۔

(۲۱) حشویہ اور عامہ مفسرین نے اس جملہ کی تفسیر میں یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی
صورت ایک اَور شخص پر القا کی گئی یہ محض ایک سفسطہ ہے ورنہ ہم اپنے مخاطبوں یا مخالفوں
کو ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم اُن میں ایک شخص مخصوص کو دیکھیں اور وہ دراصل وہ نہو بلکہ
کسی اَور کی صورت اُسپر القا ہوئی ہو - اور اس سے تو معاملات پر سے اعتبار جاتا رہتا ہے
اور نکاح و طلاق و ملک پر وثوق نہیں رہتا - اگر ہم شبہ کو مسیح کی طرف مسند کرتے ہیں جیسا کہ عامہ
مفسرین کرتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ مشبہ بہ ہیں نہ کہ مشبہ اور اگر اس خیالی اور غیر واقعی شخص
کی طرف جو مقتول ہوا بتلاتے ہیں مسند کرتے ہیں تو اس کا کچھ ذکر قرآن میں نہیں ہے ۔

(۲۲) وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن ۔
اور جو لوگ اُس میں یعنی اُن کی صلیبی موت کی نسبت کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہ
میں پڑتے ہیں اور کچھ نہیں اُن کو اُس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا ۔

ہمنے دفعہ ۱۴ میں بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف کیا تھا یعنی ایک تو یہود کا قول کہ ہمنے قتل
کیا دوسرے عام عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ قتل ہوئے تیسرے فرقہ باسالیدیان اور سرن
تہیان کا قول کہ اُن کی جگہ یوسف شمعون قتل ہوئے چوتھے فرقہ کا قول کہ اُن کی جگہ یہودا اسخریوطی
قتل ہوا ان سب کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اٹکل پر چلتے ہیں اس میں سے کسی بات کا اُنکو قطعی

تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس وپیش کیا ہے بلکہ اُسکو بالکل اُلٹ دیا ہے وہ یوں پڑھتے ہیں رافعك الي ومتوفيك - مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی قرآن بنایا ہو تو اُسمیں ہوگی - پھر دوسری جگہ اَور بھی صاف ہے فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم (مایدہ ۱۱۷) کہ حضرت عیسےٰ جناب باری سے عرض کرینگے کہ جب تو نے مجھے وفات دی تب تو ان پر نگہبان رہا ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے الله يتوفى الانفس حين موتها (زمر ۴۳) پس اُن کی وفات کی خبر بہت صاف ہے مگر یہ بات کہ وہ کب مرے اور کہاں مرے معلوم نہیں جیسکہ حضرت مریمؑ کا حال پھر کچھ نہ معلوم ہوا حالانکہ حضرت عیسےٰ نے اُن کو یوحنا حواری کے سپرد کیا تھا اور یوحنا حواری صاحب تصنیفات بھی تھے پھر بھی کچھ حال اُن کا نہیں لکھا اور حضرت مسیح تو دشمنوں سے پوشیدہ دُور کے دیہات میں چلے گئے تھے +

واقعہ صلیب کے متعلق عام عیسائیوں کی اَور جو کچھ دلیلیں ہیں وہ پھر کبھی بحث میں آوینگی +

# تہذیب الاخلاق ہفت سالہ

## از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری

تہذیب الاخلاق کی گذشتہ ہفت سالہ اشاعت نے ملک اور قوم کے دلوں پر جو اثر ڈالا ہے اسکے مفید اور عمدہ ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ کانفرنس سنہ ۱۸۹۵ء کی سالانہ جلسہ میں اسکی اجرائے بار ثانی اور اسیطرح سے اجرا بار ثالث کی نہایت شد و مد سے ایک خاص لیکچر دیا گیا۔ حاضرین جلسہ اور خود سر سید احمد خاں صاحب بالقابہ پر اس لیکچر کا جو اثر ہوا۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت تک تہذیب الاخلاق کے کئی پرچے پبلک کی مسرت افزائی کا باعث ہو چکے ہیں +

بیس برس ہوئے کہ یہ قوم اور ملک کا خیر خواہ (تہذیب الاخلاق) قالب طبع سے ظہور پذیر ہوا تھا۔ مگر قوم کی ابتدائی حالت سے اسکی اشاعت اسوقت اس درجہ تک محدود تھی کہ اشاعت کی سینکڑہ اپنے اوپر مد کو پوری تعداد بلکہ نصف تک بھی شمار کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے اور اسپر جس نرگوارنی پرچوں کی حفاظت میں ابھی احتیاط کو چھوڑا سال جو ایک آدھ سال کسی بنیکرے کی نذر ہوا اور سالانہ جلد نامکمل رہگیا۔ اور زمانہ کی تغیرات سے خیالات نے پلٹا کھایا اور اس جوہر بے بہا کی تلاش کا شوق دلوں میں بڑھتا گیا مجھکو بخوبی یاد ہے کہ سر سید احمد خانصاحب کو میر ظہور حسین صاحب مرحوم وکیل ہائی کورٹ الہ آباد کی عطیہ سے ایک ہفت سالہ فائل ملگئی تھی جسکی قیمت حضرت نے مبلغ ... قرار دیکر اشتہار در پرچہ اخبار فرما دیا تھا۔ مگر اشتہار دینے کی دیر تھی کہ درخواستوں کا طومار بندھ گیا یہ "یکتا نار صد بیمار" کی شکل نے اپنی صورت دکھائی۔ سید صاحب کو اس کثیر التعداد شائقین سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور پہلی درخواست کنندہ کے سوا باقی سب کیسے دیکھتی رہگئے +

غرض تہذیب الاخلاق کی کمیابی اور شائقین کی بیتابی اور قوم کی ضرورت نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کو ایک دفعہ پھر قالب طبع سے آراستہ کردوں اور اس اخلاقی اور تمدنی تمثال کے جلوہ سے مشتاقان جمال کی آنکھوں کو روشنی دوں۔ غرضیکہ کل ایڈیشن ہفت سالہ چار جلدوں میں شائع کرنا پسند کیا۔ جو چھپ کر طیار ہو گئے ہیں +

**جلد اول** تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخانصاحب بہادر کے کل مضامین آرٹیکل و ریویو خطوط وغیرہ جو بالکل طیار ہیں۔ اور فروخت ہو رہے ہیں۔ قیمت فی جلد عا

**جلد دوم** تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خانصاحب بہادر کے کل مضامین آرٹیکل و ریویو وغیرہ سوا لیکچروں کے طیار ہے قیمت فیجلد عا

**جلد سوم** تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علیخان صاحب بہادر کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری طیار ہے قیمت فی جلد عہ

**جلد چہارم** تہذیب الاخلاق۔ اس میں مولنا خواجہ حالی۔ مولوی ذکاء اللہ۔ سید محمود بیرسٹرایٹ لا۔ نواب انتصار جنگ مولوی مہدی حسن صاحب وغیرہ وغیرہ کے مضامین ہیں۔ زیر طبع عا

ہر ایک جلد کو مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ مضامین کے لحاظ سے مسلسل ترتیب دیگئی ہے۔ خط کی صفائی۔ کاغذ کی عمدگی اور حسن طبع میں پوری کوشش کیگئی ہے +

درخواستیں خریداری کی راقم کے نام پر ہوں +

المشتہر

خادم قوم فضل الدین تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت کشمیری بازار لاہور